حَیَّ عَلٰی صَلٰوۃ الرَّسُولؐ

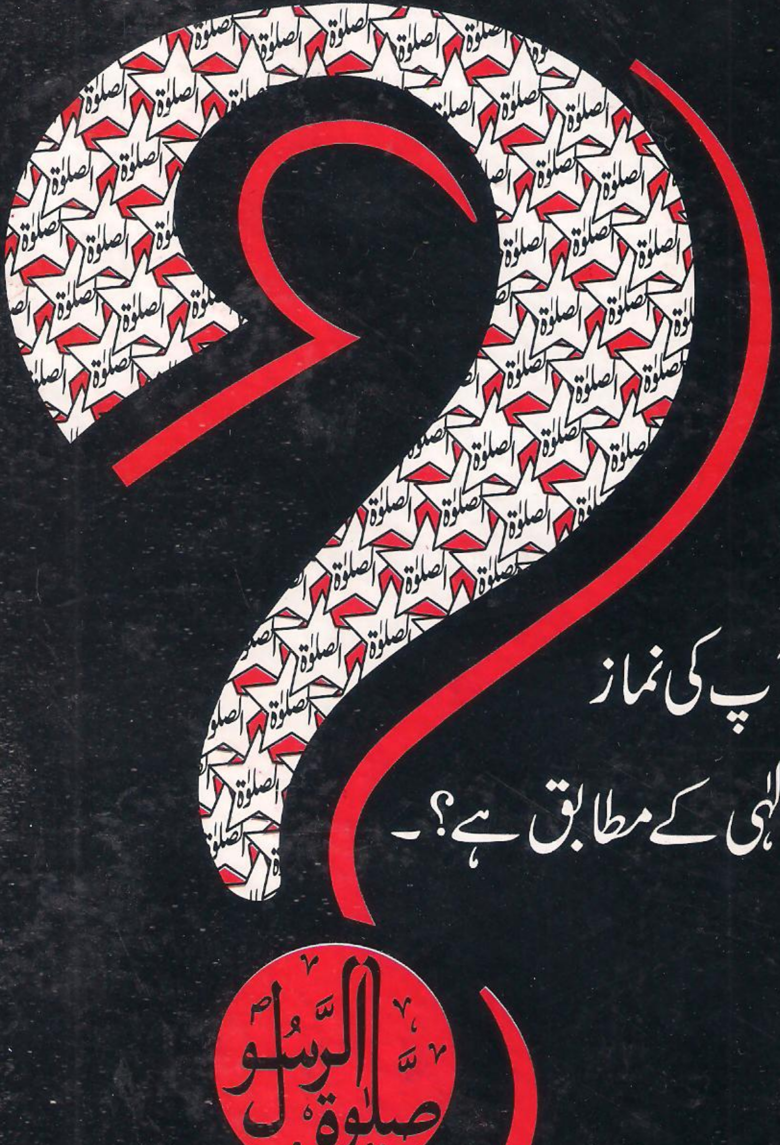

کیا آپ کی نماز
حکم الٰہی کے مطابق ہے؟۔

صلٰوۃ الرَّسُول

مسعود نوازش

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ

اور ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا، مگر اس واسطے کہ اللہ کے حکم سے لوگ اسکی اطاعت کریں۔ (القرآن)

حَیَّ عَلَی صَلٰوۃ الرَّسُولؐ

[illegible]

حیدرآباد لطیف آباد یونٹ نمبر ۸ [illegible]

تالیف

مسعود نوازش

ناشر

کریم پبلی کیشنز

سمیع سنٹر غزنی سٹریٹ 38 اردو بازار لاہور فون 7122772

قیمت -/180 روپے

انتساب

میرے والد کے نام

فہرست عنوانات

سنت رسول کی اہمیت ۱

صحابہ کرامؓ اور آئمہ کے اقوال ۲

ہم کیا کر رہے ہیں؟۔ ۵

سورہ توبہ اور تفسیر ۸

کچھ اس کتاب کے بارے میں ۱۱

سنت رسول ﷺ ۱۳

باب۔۱ وضو ۱۹

آیہ وضو ۲۱

پیر دھونے کا استدلال ۲۱

امام فخر الدین رازیؒ فرماتے ہیں ۲۲

صحابہ کرامؓ اور تعابعین عظامؒ کی تفسیر ۲۳

ایک اہم بات ۲۴

رسولؐ اللہ کی قولی حدیث ۲۵

رسولؐ کا عمل ۲۶

صحابہ کرامؓ کا عمل ۲۷

اہل بیتؑ اور تابعینؒ کا عمل ۲۷

حاصل کلام ۲۸

مسلمان مترجم ۳۰

فرض کے معنی ۳۲

سر کا مسح اور آئمہ اربعہؒ ۳۳

سر کا مسح اور مسلک اہل حدیث ۳۵
سر کا مسح اور سنت رسولؐ ۳۵
گردن کا مسح اور علامہ ابن تیمیہ ۳۶
اہل حدیث اور دیو بند کے علماء فرماتے ہیں ۳۷
آیہ تیمم ۳۹
صحابہ کرامؓ اور تابعین عظامؒ کی تفاسیر ۴۰
حکم الٰہی اور حدیثوں میں تضاد؟ ۔ ۴۲
پھر فرق کیوں؟ ۔ ۴۳
احکام الٰہی اور اپنی تاویل ۴۴
باب ۔۲ الصلوٰۃ ۴۹

باب ۔۳ اوقات نماز ۵۱
اوقات نماز اور قرآن ۵۲
امام رازیؒ اور شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی تفسیر ۵۳
اوقات نماز اور سنت رسول ﷺ ۵۵
صحابہ کرامؓ کا عمل ۵۷
اہل حدیث عالم فرماتے ہیں ۵۹
باب ۔۴ رفع یدین ۶۳
سنت رسول ﷺ ۶۳
آئمہ حدیث اور رفع یدین ۶۶
اہل بیتؑ، صحابہؓ اور تابعینؒ کا علم ۶۷
رفع یدین اور آئمہ اربعہؒ ۶۸
رفع یدین سے انکار کی احادیث ۶۹
باب ۔۵ حالت قیام ہاتھ باندھنا اور کھولنا ۷۹
ہاتھ باندھنے کے تین طریقے ۷۹

ہاتھ باندھنے کی روایات ۸۲
حضرت وائلؓ بن حجر کی روایت ۸۳
فرقہ مرجیہ ۹۵
حضرت وائلؓ ہی کیوں؟۔ ۹۶
بلب طائی کی روایت ۹۸
حیرت انگیز انکشافات ۱۰۷
بلب طائی کی تلاش ۱۰۸
حضرت سہل بن سعدؓ کی روایت ۱۱۱
حالت قیام ہاتھ باندھنے کی دیگر روایات ۱۱۵
تدریس کیا ہے؟۔ ۱۲۰
روایات کی قلت ۱۲۳
حضرت طاؤسؒ بن کیسان کی روایت ۱۲۵
مرسل روایت ۱۲۵
قدری عقیدہ ۱۲۵
حضرت علیؓ سے روایت ۱۲۹
حضرت ابن عباسؓ سے روایت ۱۳۱
ضعیف حدیثیں نقل کیوں کیں؟۔ ۱۳۴
ذمہ دار کون ہے؟۔ ۱۳۶
نماز میں کوکھ پر ہاتھ باندھنا ۱۴۰
حضرت ابن عمرؓ کی روایت ۱۴۴
ہاتھ باندھنا قرآن کی نظر میں ۱۴۵
حکم الٰہی کیا ہے؟۔ ۱۴۷
پہلی قرآنی دلیل ۱۴۸
دوسری قرآنی دلیل ۱۴۸
ہاتھ کھول کر نماز کی ادائیگی ۱۵۱
قولی حدیث ۱۵۴

فعلی حدیث (دس صحابہؓ کی موجودگی میں) ۱۵۴
صحابہ کرامؓ کی تصدیق ۱۵۵
براہ راست ذکر کیوں نہیں؟۔ ۱۵۸
صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ کا عمل ۱۶۰
آئمہ کا قول و عمل ۱۶۶
آئمہ اہل بیتؑ کا قول و عمل ۱۶۷
اہل حدیث اور شاہ اسماعیل شہید کا اعتراف ۱۶۸
محدثین کا اصول ۱۶۹
تو پھر اس عمل میں تبدیلی کیسے آئی؟۔ تاریخ بیان کرتی ہے۔ ۱۷۰
صحیح بخاری کی حدیث تصدیق کرتی ہے۔ ۱۷۳
باب۔۶ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۱۷۵
سنت رسالتمآب ﷺ ۱۷۶
صحابہ کرامؓ کا عمل ۱۷۷
تابعین عظامؒ کا عمل ۱۷۸
بسم اللہ اور آئمہ اربعہؒ ۱۷۹
اختلاف کا آغاز کب ہوا؟۔ ۱۸۴
بسم اللہ سے اجتناب کی وجہ ۱۸۶
حضرت علیؓ کا خطبہ ۱۹۰
باب۔۷ رکعتوں میں قرآت ۱۹۲
قولی و فعلی حدیثیں ۱۹۲
آئمہ اربعہ و آئمہ اہل بیت اور سورہ فاتحہ ۱۹۳
باب۔۸ دعائے قنوت ۱۹۷
آیہ مبارکہ کی تشریح اور شان نزول ۱۹۸
سنت رسول ﷺ ۲۰۱
قنوت رکوع سے پہلے یا بعد؟۔ ۲۰۳
صحابہ کرامؓ کا عمل ۲۰۴

اہل بیتؑ اور قنوت ۲۰۵
قنوت ترک کب اور کیوں ہوا؟۔ ۲۰۷
قنوت کے معنی اطاعت اور خاموشی ۲۰۸
قنوت کے معنی لغت سے کیوں؟۔ ۲۰۹
ایک غلطی کی پردہ پوشی ۲۱۱
قنوت اور آئمہ اربعہؒ ۲۱۲
باب-۹ سجدہ ۲۱۵
سجدے میں جانے کے دو طریقے ۲۱۵
پہلے طریقے کی تائید کی حدیث ۲۱۶
دوسرا طریقہ ۲۲۰
صحابہ کرامؓ کا عمل ۲۲۱
اہل بیتؑ کا عمل ۲۲۲
سجدے کے دیگر امور ۲۲۳
سجدہ کن چیزوں پر؟۔ ۲۲۴
راویوں کا نقطہ نظر ۲۲۸
قولی اور فعلی حدیثیں ۲۳۰
صحابہ کرامؓ کا عمل ۲۳۳
آئمہ اربعہؒ ۲۳۵
آئمہ اہل بیتؑ ۲۳۵
سجدہ و مٹی کا باہمی تعلق ۲۳۶
سجدے سے اُٹھنے کے دو طریقے ۲۳۸
ایک عالم کا اعتراف ۲۴۴
باب-۱۰ تشہد ۲۴۵
آئمہ اربعہؒ ۲۴۵
فرض اور واجب کا فرق ۲۴۶
آئمہ اہل بیتؑ ۲۴۷

باب۔۱۱ نماز کا اختتام ۲۵۱
سلام اور آئمہ اربعہؒ ۲۵۱
سلام مختلف فقہوں میں ۲۵۲
سوال پیدا ہوتا ہے؟۔ ۲۵۳
فقہاء کی رائے اور حکم الٰہی ۲۵۴
سلام اور آئمہ اہل بیتؑ ۲۵۶
تعقیبات نماز ۲۵۷
باب۔۱۲ نمازِ قصر ۲۵۹
نمازِ قصر اور حکم الٰہی ۲۵۹
نمازِ قصر اور سنت رسولؐ ۲۶۱
خلافت راشدہؓ میں قصر نماز ۲۶۳
متفقہ عمل متنازعہ کب بنا؟۔ ۲۶۴
اہل حدیث عالم فرماتے ہیں ۲۶۶
قصر نماز اور آئمہ اربعہؒ ۲۶۷
کیا طریقہ اختیار کیا جائے؟۔ ۲۶۹
آئمہ اربعہؒ کے اقوال ۲۷۲
جامعہ الازہر کے عالم فرماتے ہیں ۲۷۳
امام ذہبیؒ فرماتے ہیں ۲۷۵

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سنتِ رسولؐ کی اہمیت

اسلام میں سنت رسولؐ کو جو اہمیت حاصل ہے اس کا علم ہر مسلمان کو باخوبی ہے۔ ہر مسلمان کی سچے دل سے یہ خواہش اور کوشش ہوتی ہے کہ اس کا ہر عمل اور خصوصاً عبادات سنت رسولؐ کے مطابق ہوں۔ جس کی اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بار بار تاکید فرمائی۔

وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا لِیُطَاعَ بِاِذۡنِ اللّٰہِ سورۂ نساء۴ آیت ٦۴

اور ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا، مگر اس واسطے کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کریں۔

قُلۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ تُحِبُّوۡنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوۡنِیۡ یُحۡبِبۡکُمُ اللّٰہُ وَ یَغۡفِرۡ لَکُمۡ ذُنُوۡبَکُمۡ ؕ وَ اللّٰہُ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ☆ قُلۡ اَطِیۡعُوا اللّٰہَ وَ الرَّسُوۡلَ ۚ فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَاِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الۡکٰفِرِیۡنَ ☆

(اے رسولؐ) کہہ دیں کہ اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو، تو میری پیروی کرو کہ اللہ (بھی) تم کو دوست رکھے گا، اور تم کو تمہارے گناہ بخش دے گا اور اللہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔ (اے رسولؐ) کہہ دیں کہ اللہ اور رسول کی فرمانبرداری کرو، پھر اگر یہ لوگ اس سے سرتابی کریں تو (سمجھ لیں) کہ اللہ کافروں کو (ہرگز) دوست نہیں رکھتا۔

سورۂ آل عمران۳ آیت ۳۱، ۳۲

وَاَنَّ ھٰذَا صِرَاطِیۡ مُسۡتَقِیۡمًا فَاتَّبِعُوۡہُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِکُمۡ عَنۡ سَبِیۡلِہٖ ؕ ذٰلِکُمۡ وَصّٰکُمۡ بِہٖ لَعَلَّکُمۡ تَتَّقُوۡنَ ☆

اور یہ کہ یہی میری (اللہ کی) صراط مستقیم ہے۔ اسی پر چلے جاؤ اور دوسرے راستوں پر نہ چلو کہ وہ تم کو اللہ کے رستہ سے تتر بتر کر دیں گے۔ یہ وہ باتیں ہیں جن کا اللہ نے تمہیں حکم دیا ہے تاکہ تم پرہیز گار بنو۔ سورۂ انعام٦ آیت ۱۵۳

وَمَنۡ یُّشَاقِقِ الرَّسُوۡلَ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا تَبَیَّنَ لَہُ الۡھُدٰی وَیَتَّبِعۡ غَیۡرَ سَبِیۡلِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ نُوَلِّہٖ

مَاتَوَلّٰی وَنُصْلِہٖ جَھَنَّمَ ط وَسَآءَ تْ مَصِیْرًا☆

اور جو شخص راہ راست کے ظاہر ہونے کے بعد رسولؐ سے سرکشی کرے اور مومنین کے طریقے کے سوا کسی اور راہ پر چلے، تو جدھر وہ پھر گیا ہے، ہم (اللہ) بھی ادھر ہی پھیر دیں گے۔ اور اسے جہنم میں جھونک دیں گے اور وہ تو (بہت ہی) برا ٹھکانہ ہے۔

سورہ نساء ۴ آیت ۱۱۵

قُلْ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ ج فَاِنْ تَوَلَّوْافَاِنَّمَاعَلَیْہِ مَا حُمِّلَ وَعَلَیْکُمْ مَّاحُمِّلْتُمْ ط
وَاِنْ تُطِیْعُوْہُ تَھْتَدُوْا ط وَمَاعَلَی الرَّسُوْلِ اِلَّاالْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ☆

(اے رسولؐ) کہہ دیں کہ اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو۔ اس پر بھی اگر تم سرتابی کرو گے، تو بس رسولؐ پر اتنا ہی فرض ہے، جس کے وہ ذمہ دار کئے گئے اور جس کے ذمہ دار تم بنائے گئے ہو، تم پر فرض ہے اور تم اس (رسولؐ) کی اطاعت کرو گے، تو ہدایت پاؤ گے اور رسولؐ پر تو صرف صاف طور پر (احکام کا) پہنچانا فرض ہے۔

سورۂ النور ۲۴ آیت ۵۴

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ لَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَکُمْ☆

اے ایمان والو اللہ کی اطاعت کرو اور رسولؐ کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال کو ضائع مت کرو۔ سورۂ محمد ۴۷ آیت ۳۳

حضرت علیؓ نے فرمایا :

"رسولؐ اللہ کی پیروی کرو کہ وہ بہترین سیرت ہے اور ان کی سنت پر چلو کہ وہ سب طریقوں سے بڑھ کر ہدایت کرنے والی ہے۔" (نہج البلاغہ)

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے فرمایا :

"سنت میں میانہ روی اختیار کرنا، بدعت میں جد و جہد کرنے سے افضل ہے"۔ (تذکرۃ الحفاظ)

امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا :

''میرا جو قول حدیث سے ٹکرائے اسکو چھوڑ دو، جب حدیث صحیح ہو تو وہی میرا مذہب ہے''۔ (شرح وقادیہ، مقدمہ فتاوی عالمگیریہ)

امام شافعیؒ نے فرمایا :

اذا صح الحديث و قلت قولا فانا راجع عن قولي وقائل بذلك.

''میری جو بات صحیح حدیث کے خلاف ہو، میں اپنی اس بات سے (توبہ) رجوع کرتا ہوں، اور صاف کہتا ہوں کہ میرا مذہب وہی ہے جو حدیث میں ہو''۔

امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا :

''میرے جس کسی قول کے خلاف کوئی صحیح حدیث مروی ہو، تو حدیث ہی افضل ہے، خبردار میری تقلید نہ کرنا''۔

امام مالکؒ نے فرمایا :

''میں تو ایک انسان ہوں، غلطی بھی کرتا ہوں، میرے قول کو کتاب و سنت کی کسوٹی پر کس کر دیکھ لیا کرو اگر ان پر پورا اترے تو صحیح، ورنہ میرے قول کو چھوڑ دو اور کتاب و سنت کو اختیار کرو''

ارشادِ ربُّ العزت ہے:

يَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍ بِاِمَامِهِمْ ۚ فَمَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ فَاُولٰٓئِكَ يَقْرَءُوْنَ كِتٰبَهُمْ وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ☆ وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا ☆

اس دن (روزِ قیامت) جب ہم تمام انسانوں کو ان کے اماموں کے ساتھ بلائیں گے، تو

جس کا نامہ اعمال ان کے داہنے ہاتھ میں ہوگا تو وہ لوگ (خوشی خوشی) اپنا نامہ اعمال پڑھنے لگیں گے، اور ان پر زرّہ برابر ظلم نہیں کیا جائے گا، اور جو شخص اس دنیا میں (جان بوجھ کر) اندھا بنا رہا، تو وہ آخرت میں بھی اندھا ہی رہے گا، اور (نجات کے) رستہ سے بہت دور بھٹکا ہوا۔

سورۂ بنی اسرائیل ۱۷ آیت ۷۱،۷۲

قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ج فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ☆

(اے رسولؐ) کہہ دیں کہ اللہ اور رسولؐ کی اطاعت کرو پھر اگر یہ لوگ اس سے سرتابی کریں تو (سمجھ لیں) کہ اللہ کافروں کو (ہرگز) دوست نہیں رکھتا۔

سورۂ آل عمران ۳ آیت ۳۲

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

ہم کیا کر رہے ہیں؟۔

دینِ اسلام کے احکامات وتعلیمات دو حصوں پر مشتمل ہیں۔ پہلے حصے کو اصولِ دین اور دوسرے حصے کو فروعِ دین کہتے ہیں۔

اصولِ دین ان چیزوں پر مشتمل ہے۔ جن پر ایمان لانا ہر مسلمان پر فرض ہے۔ یعنی اصولِ دین ایمان کی بنیاد ہیں۔ اصولِ دین (توحید، رسالت، قیامت وغیرہ) پر ایمان لانے کے بعد مسلمانوں پر اللہ تعالیٰ نے کچھ فرائض بھی عائد کئے ہیں۔ ان فرائض کو ہی دینِ اسلام میں فروعِ دین کہتے ہیں۔ فروعِ دین نماز، روزہ، حج، زکوۃ وغیرہ پر مشتمل ہے۔ جن کی ادائیگی ہر مسلمان پر فرض ہے۔ اور یہ ہی ہمارا موضوع ہے۔ جن کے بارے میں روزِ قیامت ہر شخص سے سوال کیا جائے گا یعنی عبادات، ان کی اہمیت کا اندازہ اس طرح لگایا جاسکتا ہے کہ ان کے بغیر، بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ ان کی صحیح طریقے سے ادائیگی کے بغیر بخشش ناممکن ہے۔ اور جہاں تک صحیح طریقے کا تعلق ہے تو ظاہر ہے کہ صحیح طریقہ وہی ہوسکتا ہے۔ جس کی ہدایت اللہ اور اس کے رسول محمد مصطفیٰ ﷺ نے دی۔

جب صحیح طریقے کی ہدایت دینے والے ایک اللہ اور ایک رسولؐ ہیں تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ آج اسلام میں جتنے مسالک و مکاتبِ فکر ہیں، ان تمام کا طریقہ عبادات ایک دوسرے سے مختلف کیوں ہے؟۔ اور لطف یہ ہے کہ ہر ایک کا دعویٰ ہے کہ اس کا طریقہ عبادات اللہ اور اس کے رسولؐ کے بتائے ہوئے طریقے کے عین مطابق ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ سے اتنے مختلف طریقوں سے عبادت کروائی؟ -----------

کیا ایسا ممکن ہے؟۔

اس کا جواب یقیناً نفی میں ہوگا۔

تو کیا اللہ تعالیٰ نے یہ اختیار مسلمانوں کو دیدیا کہ وہ جو طریقہ مناسب سمجھیں اختیار کریں؟۔

اس کا جواب بھی نفی میں ہوگا۔ کیونکہ اس صورت میں رسول اللہ کو مبعوث کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ اس قسم کے اختیار کے بارے میں نہ تو قرآنِ مجید میں کوئی آیت ملتی ہے اور نہ ہی کوئی حدیثِ نبویؐ۔

جب یہ تمام باتیں ممکن نہیں تو پھر اتنے طریقہ ہائے عبادت کیسے رائج ہو گئے؟۔

۔۔۔۔۔۔۔ ہمیں ماننا پڑے گا کہ احکاماتِ الٰہی کی تاویل وتشریح اور سنتِ رسولؐ میں تبدیلیاں کی گئیں۔

ہم یہود و نصاریٰ (عیسائیوں) کو تو الزام دیتے ہیں کہ انھوں نے اپنے مذاہب میں تبدیلیاں کرکے اصل مذہب چھوڑ دیا۔ (جو حقیقت بھی ہے)۔ لیکن اپنے یہاں کی گئی تبدیلیوں پر غور نہیں کرتے۔ آج کا مسلمان خواہ اس کا تعلق کسی مسلک سے ہی کیوں نہ ہو، وہ مذہبی حوالے سے اپنے مسلک میں رائج عقائد اور اعمال میں اندھی تقلید میں مبتلا ہے۔ اور اپنے مسلک کے علماء کے بارے میں اس نے یہ عقیدہ قائم کرلیا ہے کہ وہ مذہبی معاملات میں جو بات کریں گے۔ وہ قرآن وسنت کی روشنی میں کریں گے۔ وہ اپنے علماء کی غلط بیانی کا تصور بھی نہیں کرتا۔ ان کے فتوؤں کو اللہ اور رسولؐ کے حکم کا درجہ دیتے ہوئے آنکھیں بند کرکے ان پر عمل کرنا اپنے اوپر فرض قرار دے لیتا ہے۔ اپنی کم علمی اور خوش عقیدگی کے باعث یہ زحمت بھی گوارہ نہیں کرتا کہ ان کے فتوؤں اور ''احکامات'' کی تصدیق کرلے۔

یہاں ایک واقعہ بیان کرتے چلیں۔ ہمارے ایک دوست جو ایک بڑے مذہبی گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں اور خود بھی تبلیغی کاموں میں کافی مصروف رہتے ہیں۔ ان سے باتوں باتوں میں نماز کے ایک رکن کے سلسلے میں بات چلی۔ جب ان کے دلائل کمزور ہوئے تو انھوں نے ہم سے کہا کہ آپ نے مجھے چکرا دیا ہے۔ کچھ مہلت دیں تاکہ اپنے عالم سے دریافت کرکے جواب دے سکوں۔ یا اپنے عمل کی اصلاح کرسکوں۔ ہم نے کہا شوق سے کیجئے۔ انھوں نے اپنے مسلک کے بہت بڑے عالم جو ان کے رشتہ دار بھی ہیں اور ایک بہت بڑا مدرسہ چلا رہے

ہیں، ان سے دریافت کیا۔ کچھ دنوں کے بعد جب ہم سے ملاقات ہوئی تو انھوں نے بتایا کہ میں نے حضرت مولانا سے اس سلسلے میں دریافت کیا تھا۔ حاصلِ کلام یہ تھا کہ انھوں نے جواب دیا کہ ''آپ اپنے موجودہ عمل کو جاری رکھیں، اس کا ذمہ دار میں ہوں''۔ یہ جواب سن کر ہمیں ہنسی آئی ہم مسکرا کر خاموش ہو گئے تو ہمارے دوست نے مسکرانے کی وجہ دریافت کی، جب اصرار کیا تو ہم نے ان سے کہا کہ قرآنِ مجید میں متعدد مقامات پر ارشادِ ربُّ العزت ہے۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ وَاخْشَوْا يَوْمًا لَّا يَجْزِيْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ ۡ وَلَا مَوْلُوْدٌ هُوَ
جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ٚ وَلَا
يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ☆

لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو اور اس دن کا خوف رکھو جب نہ کوئی باپ اپنے بیٹے کے کام آئے گا۔ اور نہ کوئی بیٹا اپنے باپ کے کوئی کام آسکے گا، اللہ کا وعدہ بالکل پکا ہے تو (کہیں) تم لوگوں کو دنیا کی (چندروزہ) زندگی دھوکے میں نہ ڈال دے اور نہ کہیں تمہیں فریب دینے والا (شیطان) کچھ فریب دے۔ سورۂ لقمان ۳۱ آیت ۳۳

سورۂ بقرہ میں ارشاد ہوا۔

وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْـًٔا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا يُؤْخَذُ
مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ

اور اس دن سے ڈرو کہ (جس دن) کوئی شخص کی طرف سے ذرا بھی نہ کام آسکے گا، نہ اس کی طرف سے کوئی سفارش مانی جائے گی، اور نہ اس کا کوئی معاوضہ لیا جائے گا۔ اور نہ وہ پہنچانے جائیں گے۔ سورۂ بقرہ ۲ آیت ۴۸

اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا وَرَاَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ ☆

(وہ کیا سخت وقت ہوگا) جب پیشوا لوگ اپنے پیرووں سے اپنا پیچھا چھڑائیں گے، اور (بچشمِ خود) عذاب کو دیکھیں گے اور ان کے باہمی تعلقات ٹوٹ جائیں گے۔ سورۂ بقرہ ۲ آیت ۱۶۶

ہم نے اپنے دوست سے کہا کہ روزِ قیامت کوئی کسی کا بوجھ (ذمہ داری) نہیں اٹھائے گا۔ سب اپنے اپنے اعمال کے خود ذمہ دار ہوں گے۔ اگر مولانا آپکی ذمہ داری لے رہے ہیں، تو آپ کی مرضی۔

اپنے علماء سے خوش عقیدگی کے باعث فرقہ وارانہ تعصب کے حصار میں گرفتار، ان سادہ لوح مسلمانوں کی حالت یہود و نصاریٰ سے مختلف نہیں۔ جن کے بارے میں ارشادِ ربُّ العزت ہے۔

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ
وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ ج وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا
وَّاحِدًا ج لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ط سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ☆

ان لوگوں نے اپنے خدا کو چھوڑ کر اپنے عالموں کو اور اپنے زاہدوں کو اور مریم کے بیٹے عیسیٰؑ کو اپنا پروردگار بنا ڈالا، حالانکہ انہیں اس کے سوا اور حکم ہی نہیں دیا گیا کہ خدائے یکتا کی عبادت کریں۔ اس کے سوا (اور) کوئی قابل پرستش نہیں، جس چیز کو یہ لوگ اس (اللہ) کا شریک بناتے ہیں۔ وہ اس سے پاک و پاکیزہ ہے۔ سورۃ توبہ ۹ آیت ۳۱

یہودیوں کے علماء کو احبار اور عیسائیوں کے عابدوں کو رہبان کہتے ہیں۔ حضرت عدیؓ بن حاتم (جو سابقہ عیسائی تھے) نے جب یہ آیت سنی، تو انہوں نے رسولؐ اللہ سے کہا کہ یہودی و نصاریٰ نے کبھی اپنے عالموں اور زاہدوں کی عبادت نہیں کی۔ رسولؐ اللہ نے فرمایا:

> ''کیا انہوں نے اپنے علماء کی حرام کردہ چیزوں کو حرام اور حلال کردہ چیزوں کو حلال نہیں سمجھا؟۔ کیا ان کے فتوؤں پر عمل نہیں کیا''؟۔ عدیؓ بن حاتم نے جواب دیا کہ ہاں، ہم لوگوں نے ایسا ہی کیا۔ رسولؐ اللہ نے فرمایا یہی ان کی عبادت اور اللہ کو چھوڑ کر اپنے علماء کو پروردگار بنانا ہے۔[1]

---

[1] علامہ ابن کثیر کی تفسیر ابن کثیر جلد ۲ پارہ ۱۰۔ ص ۴۸ ، علامہ سیوطی کی تفسیر در منثور جلد ۳۔ ص ۵۰۷ طبع لاہور

صحابہ کرامؓ کی تفسیر :

حضرت حذیفہ یمانیؓ اور حضرت عبداللہ ابن عباسؓ نے اس آیت کے متعلق فرمایا: ''یہ حکم صرف اہل کتاب کے لئے نہیں ۔ بلکہ یہ حکم عام ہے''۔ (یعنی مسلمانوں پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے)۔ [1]

سورۂ توبہ کی مذکورہ آیت اور اس کی تفسیر پڑھنے کے بعد ہر مسلمان کو اپنے عمل کا جائزہ لینا چاہئے کہ کہیں اپنے علماء سے عقیدت اور اندھی تقلید ان کو شرک و کفر کی طرف تو نہیں لے جا رہی ہے؟۔

کیونکہ یہ بات طے شدہ ہے کہ تمام مسالک میں رائج طریقہ عبادت صحیح نہیں ہو سکتے۔ ان میں سے کوئی ایک طریقہ ہی صحیح ہے باقی غلط، جس کی نشاندھی خود رسولؐ اللہ نے فرمائی۔

''اس اُمت میں تہتر (۷۳) ہوں گے، ان میں سے بہتر (۷۲) جہنمی ہوں گے، اور ایک جنتی ہوگا''۔ [2]

لیکن ہر مسلک کے علماء کا دعویٰ یہ ہے کہ ان کے مسلک میں رائج طریقہ عبادت حکم الٰہی اور سنت رسولؐ کے مطابق ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ کچھ علماء ایسے ہیں، جو غلط بیانی سے کام لے رہے ہیں۔ حدیث رسولؐ ہے کہ ''فان الشیطان قد یقول کلمة الضلالة علیٰ لسان الحکیم ۔ شیطان گمراہی کی بات عالم کی زبان سے کہتا ہے''۔ ([3]) اور اگر ہم اپنی کم علمی اور خوش عقیدگی کے باعث انہی علماء کی تقلید میں مبتلا ہیں، تو کیا سورۂ توبہ کی مندرجہ بالا آیہ مبارکہ کا اطلاق ہم پر نہیں ہوگا؟۔

اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بَعْدَ اِیْمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوْا کُفْرًا لَّنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ ج

---

[1] تفسیر ابن کثیر جلد دوئم، پارہ ۱۰۔ ص۴۸ طبع کراچی

[2] سنن ابوداؤد جلد ۳۔ ص۴۴۸ کتاب السنة، باب فی شرح السنة۔ حدیث ۱۱۷۳ طبع لاہور

[3] سنن ابوداؤد جلد ۳۔ ص۴۵۲ کتاب السنة، باب فی لزوم السنة۔ حدیث ۱۱۸۱ طبع لاہور

وَاُولٰٓئِکَ هُمُ الضَّآلُّوْنَ☆

جولوگ ایمان لانے کے بعد کافر ہو بیٹھے، پھر (روز بروز اپنا) کفر بڑھاتے چلے گئے تو ان کی توبہ ہرگز قبول نہ کی جائے گی۔ اور یہی لوگ (پرلے درجے کے) گمراہ ہیں۔

سورۂ آلِ عمران ۳ آیت ۹۰

ان کی سزا کیا ہے؟۔

اُولٰٓئِکَ جَزَآؤُهُمْ اَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ وَ الْمَلٰٓئِکَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ☆ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ج لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَاهُمْ يُنْظَرُوْنَ ☆ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ بَعْدِ ذٰلِکَ وَاَصْلَحُوْا قف فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ☆

ایسے لوگوں کی سزا یہ ہے کہ ان پر اللہ اور فرشتوں اور (دنیا جہاں کے) سب لوگوں کی لعنت ہے۔ اور وہ ہمیشہ اسی لعنت میں رہیں گے، نہ تو ان کے عذاب میں تخفیف کی جائے گی اور نہ ان کو مہلت دی جائے گی۔ مگر (ہاں) جن لوگوں نے اس کے بعد توبہ کرلی، اور اپنے (عمل کی) اصلاح کرلی تو البتہ اللہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔

سورۂ آلِ عمران ۳ آیات ۸۷تا۸۹

کسی عرب شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

وما افسد الدين الا الملوك
واحبار سوء و رهبانها
یعنی دین کو بگاڑنے میں زیادہ حصہ بادشاہوں
اور جھوٹے علماء اور (مکار) درویشوں کا رہا ہے

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کچھ اس کتاب کے بارے میں

عبادات کے سلسلے میں ہمارا ارادہ تو یہ تھا کہ فروعِ دین (نماز، روزہ، حج، زکوۃ وغیرہ) پر تحقیق کر کے حکم الٰہی اور سنت رسولؐ کا جائزہ اس کتاب میں پیش کیا جائے۔ لیکن نماز کے موضوع میں طوالت کے باعث یہ ممکن نہیں رہا۔ حالانکہ ہم نے اختصار کی ہر ممکن کوشش کی۔ کیونکہ ہمیں اچھی طرح اندازہ ہے کہ کتاب کی ضخامت سے عام قارئین گھبراتے ہیں۔ اس لئے ہم اس کتاب میں اپنی گفتگو اور تحقیق کا مرکز صرف اور صرف نماز تک محدود رکھیں گے۔

یہاں مقصد دعوتِ فکر یہی ہے کہ اگر ہم اپنا تھوڑا سا وقت نکال کر اپنی اس اولین عبادت کے بارے میں کچھ تحقیق کر سکیں، اور کسی نتیجے پر پہنچ کر اگر نماز کا کوئی عمل اپنی بجا آوری میں کوئی منطقی ترمیم چاہ رہا ہے، تو اس کو اختیار کر لیا جائے۔ اور اس اولین عبادت کو اپنے مسلک کے علماء سے خوش عقیدگی کی بھینٹ نہ چڑھایا جائے۔ نماز کے سلسلے میں ہماری تحقیق کا مقصد صرف یہ ہے کہ احکاماتِ الٰہی اور ان کی تفسیر جو رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمائی اور ''اصل سنت رسولؐ'' کی تحقیق کی جائے کہ وہ اس سلسلے میں کیا ہے؟۔ اور کسی فرقہ وارانہ تعصب کے بغیر اس کی روشنی میں اپنی عبادت (نماز) کو اگر کہیں مختلف ہے، تو درست کر لیا جائے۔ تاکہ روزِ قیامت ہماری یہ اولین عبادت صرف اس وجہ سے رائیگاں نہ ہو جائے کہ وہ حکم الٰہی اور سنت رسولؐ کے مطابق نہیں تھی۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اس گھڑی سے محفوظ رکھے۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِىْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَ
يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ط وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ☆

(اے رسولؐ) کہہ دیں کہ اللہ کو دوست رکھنا چاہتے ہو، تو میری پیروی کرو کہ
اللہ (بھی) تم کو دوست رکھے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا اور اللہ بڑا
بخشنے والا مہربان ہے۔

سورۃ آل عمران ۳ آیت ۳۱

ہم اپنی علمی بساط کے مطابق جو تحقیق کر سکے، وہ کتابی صورت میں آپ کے ہاتھ میں ہے۔ کتاب تب ہی مفید ثابت ہو سکتی ہے۔ جب اس کو عقل اور عدل کا دامن تھام کر پڑھا جائے۔ اگر آپ کو اس موضوع میں تشنگی کا احساس ہو یا کوئی کمی محسوس ہو، تو اس کو ہماری مجبوری سمجھ کر نظر انداز کر دیجئے گا۔ کیونکہ ہماری پوری کوشش کتاب کو مختصر رکھنے پر مرتکز رہی۔ تا کہ اس کو زیادہ سے زیادہ لوگ مختصر وقت میں پڑھ سکیں۔ اس کے علاوہ ہمیں اپنی کم علمی اور موضوع پر اپنی کم مائیگی کا پورا احساس ہے۔

ہم نے اپنی پوری تحقیق کی بنیاد عالم اسلام کی معتبر اور مشہور ترین کتابوں اور ان میں درج صحیح روایات و احادیث پر استوار کی ہے۔ اور خود کو غیر جانبدار رکھتے ہوئے ان روایات و احادیث کے حوالہ جات تفصیلی تحریر کر دیئے ہیں۔ تا کہ آپ انہیں با آسانی تلاش کر سکیں۔

ہم اپنی تحقیق کا فیصلہ آپ پر چھوڑتے ہیں۔ آپ سے ہماری صرف ایک گزارش ہے کہ برائے مہربانی اس کتاب کا مطالعہ کھلے ذہن اور کسی فرقہ وارانہ تعصب کے بغیر کریں۔ اور غور و خوص کے ساتھ ساتھ ہمارے حوالہ جات کو متعلقہ کتابوں میں دیکھیں، اور خود فیصلہ کریں کہ اصل کیا ہے، اور جھوٹ کیا ہے۔ اور ہم کیا کر رہے ہیں؟۔ تا کہ سچ کو جھوٹ پر ترجیح دے کر اس کو اختیار کر سکیں۔ اس کار خیر میں اللہ تعالیٰ آپ کا حامی و مددگار ہو۔ (آمین)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سنتِ رسول ﷺ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پوری حیات مبارکہ میں کوئی ایسا حکم نہیں دیا۔ جس پر خود عمل کر کے نہ دکھایا ہو۔ یا اس پر عمل کرنے کا طریقہ نہ بتایا ہو۔ عبادات کے سلسلے میں پہلے خود عمل فرمایا، بعد میں لوگوں کو اپنی سنت (طریقہ) کے مطابق عمل کرنے کا حکم فرمایا۔ یہی اصول تمام فروعِ دین کے سلسلے میں رواء رکھا۔ پہلے خود نماز ادا فرمائی، بعد میں لوگوں کو اس طریقے کے مطابق نماز پڑھنے کا حکم فرمایا۔ پہلے خود روزہ رکھا، بعد میں اُمتیوں کو روزے کا حکم فرمایا۔ اسی طرح ہر عبادت اُمت کے سامنے کر کے اس کی ادائیگی کا طریقہ بھی سکھایا۔ اس عملِ رسولؐ کو ہم سنت رسولؐ کہتے ہیں اور ہر مسلمان کا ایمان ہے کہ رسولؐ اللہ کی ہر سنت حکم الٰہی کے عین مطابق تھی۔

ارشادِ ربُّ العزت ہے:

فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ۞

توتم اللہ کا ذکر (عبادت) اس طریقے سے کرو۔ جو تم کو (رسولؐ کی معرفت) سکھلایا ہے، جس کو تم نہیں جانتے تھے۔

سورۂ بقرہ ۲ آیت ۲۳۹

قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ ج فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ۞

(اے رسولؐ) کہہ دیں کہ اللہ اور رسولؐ کی فرمانبرداری کرو، پھر اگر یہ لوگ اس سے سرتابی کریں، تو (سمجھ لیں) کہ اللہ کافروں کو (ہرگز) دوست نہیں رکھتا۔

سورۂ آلِ عمران ۳ آیت ۳۲

قرآن مجید میں متعدد مقامات پر اللہ تعالیٰ نے یہ بات واضح فرمائی ہے کہ اس کی عبادت اسی طریقے کے مطابق ہو۔ جس کی تعلیم اس نے اپنے رسولؐ کو فرمائی۔ اور رسولؐ اللہ نے اپنی سنت کے ذریعے اُمتیوں کو سکھائی۔

اکثر لوگوں کا یہ خیال ہے کہ رسولؐ اللہ نے مختلف طریقوں سے نماز ادا فرمائی۔ ان لوگوں کے خیال کی نفی سورۂ بقر کی مندرجہ بالا آیہ مبارکہ کر رہی ہے۔ جس میں ارشادِ ربّ العزت ہے کہ ”عبادت کے طریقے کو ہم (اللہ) نے سکھایا“۔ جب عبادت کا طریقہ اللہ نے سکھایا اور رسولؐ اللہ نے اس کے مطابق عمل فرمایا تو اتنے مختلف طریقے کیسے وجود میں آ گئے؟ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ کیا ان میں تبدیلیاں کی گئیں؟۔

ان میں کی جانے والی تبدیلیوں کی نشاندہی خود صحابہ کرامؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے فرمائی۔ جنہوں نے وصالِ رسولؐ کے بعد طویل عمر پائی۔

صحابہ کرامؓ کی تصدیق :

یہ الفاظ ہیں صحیح بخاری شریف کے

حدثنا عمر بن زرارة قال اخبر نا عبدالواحد بن واصل ابو عبيدة الحداد عن عثمان بن ابي رواد اخي عبدالعزيز قال سمعت الزهري يقول دخلت علىٰ انس ابن مالك بدمشق و هويبكي فقلت ما يبكيك فقال لا اعرف شئيا مما ادركت الا هٰذه الصلوة و هٰذه الصلوة قد ضيعت و قال بكر بن خلف حدثنا محمد ابن بكر البرساني قال اخبرنا عثمان بن ابي روادنحوه.

زہری سے روایت ہے کہ میں دمشق میں حضرت انسؓ بن مالک کی خدمت میں حاضر ہوا، تو وہ رو رہے تھے۔ میں نے عرض کی کہ آپ کیوں رو رہے ہیں؟۔ فرمایا کہ میں کوئی چیز ایسی نہیں پاتا جو اسی طرح ہو، جیسی (رسولؐ اللہ سے) پائی تھی۔ سوائے نماز کے اور یہ نماز بھی ضائع کر دی گئی۔ [۱]

صحیح بخاری کی اس حدیث میں صحابی رسول حضرت انسؓ بن مالک دمشق میں رو رہے ہیں کہ میں کوئی ایسی چیز نہیں پاتا، جو سنت رسولؐ کے مطابق ہو۔ یہاں تک کہ نماز بھی۔ یعنی ہر چیز

---

[۱] صحیح بخاری جلد اول۔ ص ۲۹۴ کتاب مواقیت الصلوۃ۔ حدیث ۵۰۲ طبع لاہور ۱۹۹۱ء۔

کی طرح نماز میں بھی تبدیلیاں کر کے اس کو بھی ضائع کر دیا گیا۔ یہ تھا حضرت انسؓ بن مالک کا شکوہ، اب دوسرے صحابی رسول حضرت ابودرداءؓ کا شکوہ ملاحظ فرمائیں۔

حدثنا عمر بن حفص قال حدثنا ابی قال حدثنا الا عمش قال سمعت سالما قال سمعت اُم الدردآء تقول دخل علی ابو الدردآء وھو مغضب فقلت ما اغضبك قال واللہ ما اعرف من محمدصلی الله علیه وسلم شیا الا انھم یصلون جمیعا۔

سالم سے روایت ہے کہ میں نے حضرت اُم درداء سے سنا، فرماتی تھیں کہ حضرت ابودرداءؓ غصے کی حالت میں میرے پاس تشریف لائے۔ میں نے عرض کی کہ آپ کو کس چیز نے ناراض کیا ہے؟۔ فرمایا کہ خدا کی قسم میں محمد ﷺ کے دین کی کسی چیز کو نہیں دیکھتا۔ سوائے اس کے کہ یہ لوگ صرف نماز جماعت کے ساتھ پڑھ لیتے ہیں۔ [1]

اس حدیث میں صحابی رسول حضرت ابودرداءؓ شکوہ کر رہے ہیں کہ رسولؐ اللہ کے دین میں کوئی چیز محفوظ نہیں، جس میں تبدیلیاں نہ کی گئیں ہوں۔ صرف لوگ نماز ضرور جماعت کے ساتھ پڑھ لیتے ہیں۔ سنت رسولؐ میں کی جانے والی تبدیلیوں پر صحابہ کرامؓ کے شکوہ اور احتجاج کی حدیثیں کافی تعداد میں احادیث کی کتابوں میں مروی ہیں۔ جو صحابہ کرامؓ وصال رسولؐ کے بعد کافی عرصہ زندہ رہے اور جن کی زندگیوں میں ہی یہ تبدیلیاں کی گئیں۔ انہوں نے موقعہ ملنے پر سنت رسولؐ میں کی جانے والی تبدیلیوں پر احتجاج کیا۔ اور جو کھل کر نہ کہہ سکے، انہوں نے اس طرح ان تبدیلیوں کی نشاندہی کی۔

حدثنا معلی ابن اسد قال حدثنا وھیب عن ایوب عن ابی قلابة قال جآء نا مالك بن الحویرث فصلی بنا فی مسجد نا ھذا فقال انی الاصلی بکم وما اُرید الصلٰوۃ لٰکنی ارید ان اریکم کیف رایت رسول ﷺ یصلی قال ایوب فقلت لابی قلابة و کیف کانت صلٰوۃ، قال مثل صلٰوۃ شیخنا ھذا یعنی عمرو بن سلمة قال ایوب و کان ذٰلك الشیخ یتم التکبیر و اذا رفع

---

[1] صحیح بخاری جلد اول۔ ص ۳۲۸ کتاب الاذان، حدیث ۶۱۸ طبع لاہور ۱۹۹۱ء

راسه عن السجده الثانية جلس و اعتمد على الارض ثم قام۔

ابوقلابہ سے روایت ہے کہ حضرت مالک بن حویرثؓ ہمارے پاس تشریف لائے اور ہماری اس مسجد میں ہمیں نماز پڑھائی فرمایا کہ میں تمہیں نماز پڑھا رہا ہوں اور اس سے میرا ارادہ صرف یہ ہے کہ میں تمہیں دکھاؤں، میں نے رسولؐ اللہ کو کس طرح نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔ ایوب کا بیان ہے کہ میں نے ابوقلابہ سے پوچھا اُن کی نماز کیسی تھی؟۔ فرمایا کہ ہمارے ان بزرگ یعنی حضرت عمرو بن سلمہ جیسی۔ ایوب کا بیان ہے کہ وہ بزرگ پوری تکبیر کہتے اور جب دوسرے سجدے سے سر اُٹھاتے تو بیٹھ جاتے اور زمین پر ٹھہر کر پھر کھڑے ہوتے۔ [1]

اگر تمام لوگوں کی نمازیں سنت رسولؐ سے مشابہ ہوتیں، تو حضرت مالک بن حویرثؓ کو یہ فرمانے کی ضرورت پیش نہ آتی، ''میرا ارادہ صرف یہ ہے کہ میں تمہیں دکھاؤں، میں نے رسولؐ اللہ کو کس طرح نماز پڑھتے ہوئے دیکھا''۔ پھر نماز پڑھی تو اس طرح کہ ''دوسرے سجدے سے سر اُٹھاتے تو بیٹھ جاتے اور زمین پر ٹھہر کر پھر کھڑے ہوتے''۔ ان کے اس عمل کی تائید دوسرے صحابی حضرت عمرو بن سلمہؓ کے عمل سے بھی ہو رہی ہے، یہ عمل آج مسلمانوں میں رائج نماز سے مختلف ہے۔

احادیث کی کتابوں میں متعدد ایسی روایات بھی ملتی ہیں۔ جن میں صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ خوشی سے ایک دوسرے سے یہ کہتے ہوئے ملتے ہیں کہ آج فلاں نے ہمیں رسول اللہ ﷺ جیسی نماز پڑھائی۔ صحابہ کرامؓ کے یہ اعترافات نماز میں ہونے والی تبدیلیوں کی واضح نشاندہی کر رہے ہیں۔

صحابہ کرامؓ کے یہ اعترافات اور ہمارے درمیان نماز کی ادائیگی کے اتنے مختلف طریقے سنت رسولؐ میں کی جانے والی تبدیلیوں کی نشاندہی کے لئے کافی ہیں۔

---

[1] صحیح بخاری جلد اول۔ ص ۳۸۴ کتاب الصلوٰۃ، باب کیف یعتمد علی الارض اذا قام من الرکعۃ، حدیث ۷۸۳ طبع لاہور

آیئے ہم تحقیق کرتے ہیں کہ اصل سنت رسول ﷺ کیا تھی؟۔ اس میں کیا تبدیلیاں کی گئیں اور کس زمانے میں کی گئیں؟۔

اس مقام پر ایک بات واضح کرتے چلیں کہ جس طرح تاریخ کا رویہ بے رحم ہوتا ہے، اسی طرح غیر جانبدار تحقیق بھی بے رحم اور منہ زور ہوتی ہے۔ افراد سے عقیدت ان کے ناموں سے نہیں، بلکہ ان کے اعمال کی بنیاد پر کی جاتی ہے۔ ہر مسلمان کو ذاتِ رسول ﷺ اور سنت رسولؐ سے عقیدت ہے۔ کیونکہ یہی شفاعت کا ذریعہ ہیں۔ ان میں تبدیلیاں کرنے والے افراد کی حیثیت خود مشکوک ہو جائے گی۔ چہ جائیکہ وہ کسی کی رہبری کر سکیں۔ لہذا ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ عقیدت کے جوش میں شخصیت سے متاثر نہ ہو، بلکہ حقیقت سے آنکھیں چرانے کے بجائے اس کو تہہ دل سے قبول کرے۔ اور اپنی جملہ عبادات کو احکاماتِ الٰہی اور سنت رسولؐ کے مطابق بجالائے کہ یہی ذریعہ نجات ہے۔

ارشادِ ربُّ العزت ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ یَزْعُمُوْنَ اَنَّھُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ وَ مَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَحَاکَمُوْآ اِلَی الطَّاغُوْتِ وَ قَدْ اُمِرُوْآ اَنْ یَّکْفُرُوْا بِہٖ ط وَ یُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ اَنْ یُّضِلَّھُمْ ضَلٰلاً بَعِیْدًا☆

(اے رسولؐ) کیا آپ نے ان لوگوں (کی حالت) پر نظر نہیں کی جو یہ خیالی پلاؤ پکاتے ہیں کہ جو (کتاب) آپ پر نازل کی گئی، اور جو (کتابیں) آپ سے پہلے نازل کی گئیں (سب پر) ایمان لائے اور دلی تمنا یہ ہے کہ سرکشوں کو اپنا حاکم بنائیں، حالانکہ ان کو حکم دیا گیا ہے کہ ان کی بات نہ مانیں۔ اور شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ انہیں بہکا کے بہت دور لے جائے۔ سورہٗ نساء۴ آیت۶۰

فَلَا وَ رَبِّکَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَھُمْ ثُمَّ لَا یَجِدُوْا فِیْٓ اَنْفُسِھِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ وَیُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا☆

پس (اے رسولؐ) تمہارے پروردگار کی قسم یہ لوگ سچے مومن ہو ہی نہیں سکتے،

جب تک کہ اپنے باہمی اختلافات میں آپؐ کو اپنا حاکم (نہ) بنائیں۔ پھر
(یہی نہیں) جو کچھ آپؐ فیصلہ کریں اس سے کسی طرح تنگ دل بھی نہ ہوں۔
بلکہ خوشی خوشی اس کو مان بھی لیں ۔

سورۂ نساء ۴ آیت ۶۵

باب۔ ۱

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

وضو

جیسا کہ ہم نے پہلے عرض کیا کہ ہماری تحقیق نماز اور اس کے متعلقات تک محدود رہے گی۔ ہم نماز کے صرف ان امور کا جائزہ لیں گے، جن امور میں مختلف مسالک کے درمیان اختلاف ہے۔

نماز سے پہلے مقدماتِ نماز ہیں۔ تقبیل یعنی قبلہ کا تعین اور وضو و غسل۔ اول الذکر اُمور یعنی قبلہ کے تعین وغیرہ کے بارے میں اسلام کے مختلف مکاتبِ فکر میں کوئی خاص اختلاف عمل نہیں ہے۔ البتہ وضو کے طریقہ انجام دہی میں نمایاں اختلاف پایا جاتا ہے۔ اس لئے ہم اپنی تحقیق کا آغاز وضو سے کرتے ہیں۔

وضو کے معنیٰ :

وضو کے لغوی معنی خوبی اور پاکیزگی کے ہیں۔ اور شرعی معنی ایک خاص طریقہ پاکیزگی کے ہیں۔ جس کا حکم اللہ نے قرآنِ مجید میں دیا ہے۔ اور اس حکم کے مطابق رسولؐ اللہ نے جو طریقہ اختیار کیا اس کو وضو کہتے ہیں۔

وضو کی اہمیت: نماز اسلام کا پہلا ستون ہے اور وضو، نماز کا پہلا رکن۔

ارشادِ محمد مصطفیٰ ﷺ ہے :

> ”جس میں امانت داری نہیں، اس میں ایمان نہیں، جس کا وضو نہیں، اس کی نماز نہیں، اور جو نماز کا پابند نہیں وہ دیندار نہیں، نماز کو دین سے وہی نسبت ہے، جو سر کو جسم سے“۔ [۱]

---

[۱] امام ذہبیؒ کی تذکرۃ الحفاظ جلد ۳۔ ص ۵۵۰ طبع لاہور ۱۹۸۱ء

مسلمانوں کے تمام مکاتبِ فکر اس بات پر متفق ہیں کہ اگر کسی شخص نے جان بوجھ کر بے وضو یا غلط وضو سے نماز پڑھی تو اسکی نماز نہیں ہوگی بلکہ وہ گنہگار ہوگا۔ جبکہ امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک وہ شخص کافر ہوگیا۔ کیونکہ اس نے دین کے ساتھ مذاق کیا۔ [1]

رسولؐ اللہ کی مندرجہ بالا حدیثِ مبارک اور فقہاء کے فتوؤں کے مطابق بغیر وضو یا غلط وضو سے نماز باطل ہو جاتی ہے۔ جبکہ امام ابوحنیفہؒ کے مطابق ''وہ شخص دین سے خارج ہو جاتا ہے''۔ جب وضو کے سلسلے میں رسولؐ اللہ اور فقہاء کی اتنی سخت تاکید ہو، تو ہر مسلمان کو اس کی جانب توجہ دینی چاہیے۔ تاکہ نماز کے اس اولین رکن میں اگر کوئی غلطی سرزد ہو رہی ہو، تو اس کی اصلاح کی جاسکے، تاکہ اس غلطی کے نتیجے میں نماز جیسی اولین عبادت اور دین دونوں باطل ہونے سے محفوظ رہ سکیں۔

اگر آپ مسلمانوں کے مختلف مسالک میں رائج وضو پر غور کریں، تو آپ کو ایک بڑا نمایاں اختلاف نظر آئے گا۔ اور وہ یہ کہ آیا دورانِ وضو پاؤں دھوئے جائیں یا ان پر صرف مسح کیا جائے؟۔ دونوں طریقوں کے قائل حضرات اپنے استدلال میں احادیث پیش کرتے ہیں۔ لیکن پیر دھونے کے قائل حضرات اپنے استدلال میں زیادہ زور احادیث پر، جبکہ پیر پر مسح کے قائل حضرات، زیادہ زور قرآنِ مجید میں موجود آیہ وضو پر دیتے ہیں۔ آیئے ہم دونوں طریقوں کے استدلال کا جائزہ لیتے ہیں کہ اصل حکم کیا ہے؟۔ اور اللہ تعالیٰ ہم کو کون سا طریقہ اختیار کرنے کا حکم دے رہا ہے؟۔

---

[1] شرح صحیح مسلم امام نووی جلد اول۔ ص ۳۶۳ طبع لاہور ۱۹۸۱ء

آیہ وضو

یہ الفاظ ہیں سورۂ المائدہ کے، ارشادِ ربُ العزت ہے:

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ
اے ایمان والو! جب تم نماز کے لئے آمادہ ہو،
فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَیْدِیَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ
تو دھولو اپنے چہرے کو اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں تک،
وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَیْنِ ؕ
اور مسح کرو اپنے سر کے کچھ حصے کا اور پیروں کا ٹخنوں تک

سورۂ المائدہ ۵ آیت ٦

پیر پر مسح کے قائل حضرات کے مطابق سورۂ مائدہ کی اس آیہ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے وضو کے طریقے کی تعلیم فرمائی ہے۔ آیت کے اس حصے میں اللہ نے دو جوڑیاں بنائی ہیں۔ یعنی دھولو چہرے کو اور ہاتھوں کو کہنیوں تک (ایک جوڑی)۔ اور مسح کرو سر کے کچھ حصے کا اور پیروں کا ٹخنوں تک (دوسری جوڑی)۔

پیر دھونے کا استدلال :

دورانِ وضو پیر دھونے کے قائل حضرات کا اس آیت سے استدلال یہ ہے کہ "ارجلکم" میں "ل" پر زبر ہے جو فاغسلوا (غسل) سے متعلق ہے۔

احادیث اور روایات کا جائزہ لینے سے پہلے، اس مسئلہ کو پیر دھونے کے قائل مسلک کے مشہور قدیم شافعی عالم امام فخر الدین رازیؒ سے معلوم کرتے ہیں کہ ان کے نزدیک یہ استدلال کیسا ہے؟۔

امام فخر الدین رازیؒ تفسیر کرتے ہیں :

دورانِ وضو پیر دھونے کے استدلال پر امام فخر الدین رازیؒ نے اپنی مشہورِ زمانہ تفسیر میں تفصیل سے گفتگو فرمائی ہے۔ یہاں ہم صرف امام رازیؒ کی تفسیر کا ترجمہ پیش کررہے ہیں۔ تاکہ بات مختصر رہے۔ امام رازیؒ تحریر فرماتے ہیں

> ''لیکن **ارجلکم** کو زَبر کے ساتھ پڑھنا، تو مفسرین نے کہا ہے کہ یہ بھی مسح ہی واجب کرتا ہے۔ اس لئے کہ قولِ خدا " **وامسحوا بروسکم** " میں لفظ **رؤس** محل نصب (زبر کی جگہ) میں ہے۔ لیکن ''ب'' کی وجہ سے اس کی '' س'' کو زِیر ہے۔ پس جب ارجل کا **رؤس** پر عطف ہوگا، تو ارجل میں **عطف علی المحل** کے لحاظ سے نصب جائز ہوگا، اور **عطف علی الظاھر** کی بنا پر جر (زِیر) بھی جائز ہوگا۔ اور یہ نحویوں کا مشہور عقیدہ ہے۔ غرض جب یہ ثابت ہوگیا، تو ہم (رازی) کہتے ہیں کہ جائز ہے قولِ خدا ارجلکم میں **عامل نصب** قولِ خدا وامسحوا ہو۔ اور قولِ خدا اواغسلوا ہو لیکن جب دو عامل ایک دعا کے لئے جمع ہو جائیں، تو عامل قریب کو عمل دینا زیادہ مناسب ہے۔ پس واجب ہوا کہ ارجلکم میں عامل نصب قولِ خدا وامسحوا ہو۔ لہٰذا ثابت ہوگیا کہ ارجلکم کے لام کو زَبر سے پڑھنا بھی مسح ہی کو واجب قرار دیتا ہے''۔ [1]

امام فخر الدین رازیؒ کے مطابق ارجلکم کا ''ل'' خواہ زَبر سے ہی کیوں نہ پڑھا جائے، پھر بھی پاؤں کا مسح ہی واجب ہے۔ واضح رہے کہ امام رازیؒ شافعی مسلک ہیں۔ جن کے نزدیک واجب اور فرض ایک چیز ہیں۔

پاؤں دھونے والی حدیثوں کے متعلق فرماتے ہیں۔

''دورانِ وضو پیروں کے مسح کے قرآنی حکم کو حدیثوں سے رد کرنا جائز نہیں

---

[1] امام فخر الدین رازیؒ کی تفسیر کبیر جلد سوئم۔ ص ۵۴۲ طبع مصر

> ہے۔ اس لئے کہ یہ تمام حدیثیں قرآنی حکم سے پہلے کی ہیں۔ اور قرآنِ مجید کے حکم کو حدیث سے منسوخ کرنا جائز نہیں"۔ [1]

امام رازیؒ سے آیہ وضو میں موجود گرامر سمجھنے کے بعد، اس آیہ مبارکہ کی تفسیر جو صحابہ کرامؓ اور تابعین عظامؒ نے بیان فرمائی اس کا بھی جائزہ لے لیں، تاکہ بات اور واضح ہو جائے۔

صحابہ کرامؓ اور تابعین عظامؒ کی تفسیر :

امام فخر الدین رازیؒ اپنی تفسیر میں صحابہ کرام حضرت عبداللہ ابن عباسؓ، انسؓ بن مالک اور تابعین میں عکرمہؒ، شعبیؒ اور امام محمد باقرؒ سے نقل کرتے ہیں کہ وضو میں دونوں پاؤں کا مسح کرنا واجب ہے۔ [2]

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کی تفسیر :

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ آیہ وضو کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

> "قولِ خدا "وامسحوا برؤسکم و ارجلکم" سے یہی مراد ہے کہ سر کے کچھ حصے کا اور پاؤں پر مسح کیا کرو"۔ [3]

حضرت انسؓ بن مالک کی تفسیر :

علامہ اسمٰعیل عماد الدین ابن کثیر اپنی تفسیر میں امام ابن جریرؒ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> "موسیٰ بن انس نے حضرت انسؓ بن مالک سے لوگوں کی موجودگی میں کہا کہ حجاج بن یوسف نے اہواز میں خطبہ دیتے ہوئے طہارت اور وضو کے احکام میں کہا کہ منہ اور ہاتھ دھوؤ اور سر کا مسح کرو اور پیروں کو دھویا کرو۔ عموماً پیروں پر

---

[1] امام رازیؒ کی تفسیر کبیر جلد سوئم۔ ص ۵۴۶ طبع مصر

[2] تفسیر کبیر جلد سوئم۔ ص ۵۵۵ ، علامہ سیوطیؒ کی تفسیر در منثور جلد ۲۔ ص ۷۱۸ طبع لاہور

[3] تفسیر بیضاوی جلد اول۔ ص ۲۱۶ ؛ تفسیر در منثور جلد ۲۔ ص ۷۱۸ ، منصف ابن شیبہ جلد ۱۔ ص ۲۷

ہی گندگی لگتی ہے۔ پس تلوؤں کو اور پیروں کی پشت کو اور ایڑی کو خوب اچھی طرح دھویا کرو۔ حضرت انسؓ نے جواباً کہا کہ **اللہ تعالیٰ سچا ہے اور حجاج جھوٹا ہے۔** اللہ فرماتا ہے۔ ''وامسحوا برؤسکم وارجلکم''۔ ''مسح کرو سر کا اور پیروں کا''۔ اور حضرت انسؓ کی عادت تھی کہ پیروں کا مسح کرتے اور فرماتے کہ قرآنِ مجید میں پیروں پر مسح کرنے کا حکم ہے''۔ [۱]

ایک اہم بات :

واضح رہے کہ قرآنِ مجید پر حرکات (زِیر، زَبر، پیش وغیرہ) حجاج بن یوسف نے لگوائے تھے۔ جس کے ساتھ ہی آیہ وضو میں ارجلکم کے ''ل'' پر زَبر بھی اسی زمانے میں لگایا گیا۔ غالباً جس کے باعث اس آیت کے مفہوم میں یہ اختلاف پیدا ہوا۔ اور حجاج بن یوسف کی تاویل پر دورانِ وضو پاؤں دھونے کا استدلال لیا گیا۔ مندرجہ بالا روایت میں صحابیٔ رسول حضرت انسؓ بن مالک لوگوں کی موجودگی میں حجاج کی تاویل کی پُر زور تردید فرما رہے ہیں۔ او حجاج کو جھوٹا قرار دے رہے ہیں۔ صحابیٔ رسول حضرت انسؓ بن مالک کی یہ تردید اور قرآنی حکم کی وضاحت اُن تمام تاویلوں کو باطل کر دیتی ہے۔ جن میں ''ل'' پر زَبر کے باعث پیروں کے دھونے کی تاویل کی جائے۔

علامہ ابن کثیر آگے لکھتے ہیں کہ ''عبداللہ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ وضو میں دو چیزوں کا دھونا اور دو پر مسح کرنا ہے''۔ حضرت قتادہؒ سے بھی یہی مروی ہے۔ [۲]

حضرت شعبیؒ کی تفسیر :

مشہور تابعی حضرت شعبیؒ فرماتے ہیں ''قرآن میں مسح ہی کا حکم ہے۔ مگر لوگوں نے خود سے پاؤں دھونے کا دستور نکال لیا''۔ علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے اپنی تفسیر میں ابن جریرؒ کے حوالے سے حضرت انسؓ بن مالک سے نقل کیا ہے

---

[۱] و [۲] علامہ ابن کثیر کی تفسیر ابن کثیر جلد اول، پارہ ۶۔ ص ۶۳ ، تفسیر درمنثور جلد ۲۔ ص ۷۱۹ ، تفسیر طبری جلد ۶۔ ص ۱۵۶ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت

کہ ’’قرآن تو مسح کا حکم لایا مگر دھونے کا دستور جاری ہو گیا‘‘۔ [۱]

آیہ وضو کی تفسیر جن صحابیِ رسول رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی بیان فرمائی ہے۔ اس میں دورانِ وضو پاؤں پر مسح کرنا فرض قرار دیا گیا ہے۔ جن میں سے چند تفاسیر ہم نے یہاں پیش کیں۔ مزید تفاسیر آیت کے اگلے حصے یعنی تیمم کے ذکر میں پیش کریں گے۔ افضل ترین تفسیر وہ ہے جو قرآن کی کسی آیت کے بارے میں رسولؐ اللہ نے فرمائی۔ اور یہ بات یقینی ہے کہ آیہ وضو کی تفسیر جو صحابہ کرامؓ بیان فرما رہے ہیں، وہ ان کو رسولؐ اللہ نے تعلیم فرمائی ہوگی۔ لیکن مزید اطمینان کے لئے، آیئے اس بات کا جائزہ لیتے ہیں کہ اس قرآنی حکم کے بعد رسولؐ اللہ نے کیا طریقہ اختیار کیا؟۔ اور صحابہ کرامؓ کو کس طریقے کی تعلیم فرمائی؟۔

جس طرح ہم نے صحابہ کرامؓ کی تفاسیر ان علماء کرام کی کتابوں کے حوالے سے پیش کیں جن کا تعلق پیر دھونے کے قائل مسلک سے تھا۔ اسی طرح اب جو قولی اور فعلی احادیث جن علماء کی کتابوں کے حوالے سے پیش کر رہے ہیں ان کا تعلق بھی پیر دھونے کے قائل مسلک سے ہے۔ ان تفاسیر کو بیان کرنے کے بعد ان علماء کا کیا عمل رہا؟ اس کا ہمیں علم نہیں۔

رسولؐ اللہ کی قولی حدیث :

رسول اللہ ﷺ نے اپنی زبان مبارک سے جس چیز کی تعلیم فرمائی۔ اس کو قولی حدیث کہا جاتا ہے۔

سنن ابو داؤد اور سنن دارقُطنی میں صحابیِ رسول حضرت رفاعۃ بن رافع سے روایت ہے کہ ہم لوگ خدمتِ رسولؐ اللہ میں بیٹھے تھے کہ ایک شخص نے وضو کیا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا تم لوگوں کی نماز صحیح نہیں ہو سکتی جب تک وضو درست نہ ہو، جیسا کہ اللہ نے حکم کیا، پھر فرمایا:

"فیغسل وجهه و یدیه الی المرفقین و یمسح براسه و رجلیه الی الکعبین"۔

’’چہرے کو دھو اور دونوں ہاتھوں کو کہنیوں تک، اور مسح کر دو سر اور پاؤں کا

---

[۱] علامہ جلال الدین سیوطیؒ کی تفسیر در منثور جلد ۲۔ ص ۷۱۹، مصنف ابن شیبہ جلد ۱۔ ص ۲۶ طبع مدینہ

ٹخنوں تک"۔ [۱]

اگر آپ رسولؐ اللہ کے حکم کے الفاظ پر غور کریں، تو یہ رسولؐ اللہ کے اپنے الفاظ ہیں۔ جو آیہ وضو سے بالکل مختلف ہیں۔ اس حکم میں اگر رسولؐ اللہ صحابہ کرامؓ کو پیر دھونے کا حکم فرما رہے ہوتے، تو غسل کے ساتھ پیروں کا بھی ذکر فرماتے یعنی الفاظ یہ ہوتے **فیغسل وجهه و یدیه الی المرفقین و رجلیه الی الکعبین و یمسح براسه** یعنی دھولو چہرے کو اور ہاتھوں کو کہنیوں تک اور پاؤں کو ٹخنوں تک اور مسح کرو سر کا۔ لیکن حدیث کے الفاظ پر غور کریں تو رسولؐ اللہ پیروں کو دھونے کے بجائے ان پر مسح کرنے کا حکم دے رہے ہیں۔ کیونکہ پیروں (**رجلیه**) کا ذکر مسح (**یمسح**) کے بعد ہے۔

رسولؐ اللہ کا عمل: چند فعلی حدیثیں۔

> عبداللہ بن عباد اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسولؐ اللہ کو دیکھا کہ آپ وضو کرتے تو اپنے دونوں پاؤں پر مسح کرتے تھے۔ [۲]

> حضرت علیؑ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ ظاہر (برہنہ) قدمین پر مسح کیا کرتے تھے۔ [۳]

ان کے علاوہ مسند احمد بن حنبل جلد اول صفحہ ۱۱۶، ۳۷۵ پر رسولؐ اللہ کے پیروں پر مسح کرنے کی دیگر روایات موجود ہیں۔

> حضرت جابر بن عوفؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو میں اپنے دونوں پاؤں پر مسح کیا، اور نماز ادا فرمائی۔ [۴]

---

[۱] سنن ابوداؤد جلد اول۔ ص ۳۳۵ باب ۲۹۹، حدیث ۸۴۹ ، سنن دار قطنی جلد اول۔ ص ۳۷۵

[۲] امام حنبلؒ کی مسند احمد حنبل جلد ۴۔ ص ۴۰ [۳] مسند احمد بن حنبل جلد ۲۔ ص ۹

[۴] ابن حجر کی اصابہ فی تمیز الصحابہ جلد ۱۔ ص ۲۱۵

صحابہ کرامؓ کا عمل :

۱۔ امام رازیؒ کی تفسیر کبیر، علامہ سیوطیؒ کی تفسیر درمنثور اور علامہ ابن کثیر کی تفسیر ابن کثیر میں حضرت انسؓ بن مالک کے دورانِ وضو اپنے پیروں کو مسح کرنے۔

۲۔ مسند احمد بن حنبل میں صحابیِ رسول حضرت تمیم بن زید مازنیؓ کا پاؤں پر مسح کرنے۔

۳۔ اور سنن دارقطنی میں صحابیِ رسول حضرت رفاعۃؓ بن رافع کا پاؤں پر مسح کرنے۔

۴۔ علامہ ابنِ حجرؒ کی اصابہ اور سنن ابوداؤد میں حضرت جابر بن عوفؓ کے پاؤں پر مسح کرنے۔

۵۔ شقیح المقال میں حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ کے پاؤں پر مسح کرنے کی روایات موجود ہیں۔

۶۔ ان کے علاوہ مسند احمد بن حنبل جلد اول صفحہ ۵۹ اور ۶۸ پر حضرت عثمانؓ بن عفان کے پاؤں پر مسح کرنے کی روایات مرقوم ہیں۔

تابعینِ عظامؒ کا عمل :

تفسیر ابن کثیر اور معالم التنزیل بغوی میں حضرت عکرمہؒ اور علقمہؒ کا، اور اہل حدیث کے جید عالم نواب صدیق حسن خان کی تفسیر میں حضرت حسن بصریؒ کے پاؤں پر مسح کرنے کی روایات ہیں۔ ان کے علاوہ ابن کثیر اپنی تفسیر میں ابن ابی حاتمؒ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ، جابر بن زیدؒ اور مجاہدؒ بھی دورانِ وضو پیروں پر مسح کے قائل تھے۔ [۱]

اہل بیتؑ کا عمل :

حضرت امام حسن بن علی بن ابوطالبؑ، امام محمد بن علیؑ بھی وضو میں پیروں پر مسح کرنے کو ہی بیان فرماتے ہیں۔ [۲]

---

[۱] تفسیر ابن کثیر جلد اول، پارہ ۶۔ ص ۶۴ طبع کراچی

[۲] فتح الباری شرح بخاری جزو ۳۳۔ ص ۳۶۲ ، سنن بیہقی جلد اول۔ ص ۱۵۲

شعبہؒ سے روایت ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سر اور پیروں کا مسح کیا کرتے تھے۔ [۱]

مسند احمد بن حنبل جلد اول صفحہ ۹۵، ۱۲۰ اور ۱۳۴ پر حضرت علیؑ کے اور اسی طرح امام رازیؒ کی تفسیر کبیر میں اہلِ بیت کے پانچوں امام محمد باقرؒ کے پاؤں پر مسح کرنے کی روایات موجود ہیں۔

امام احمد بن حنبلؒ :

امام احمد بن حنبلؒ دورانِ وضو پاؤں پر مسح کرنے کے قائل تھے۔ [۲]

علامہ ابن کثیر ان روایات کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ ''جو مسح اور دھونے، دونوں کو جائز قرار دیتے ہیں۔ وہ لوگ بھی خطا کار ہیں''۔ [۳]

حاصل کلام :

اب تک ہم نے جن باتوں کا جائزہ لیا۔ ان کے مطابق سورۂ مائدہ کی آیہ وضو میں حکم الٰہی اور آیہ مبارکہ کی تفسیر جو صحابہ کرامؓ وتابعین عظامؒ نے فرمائی۔ اس کے مطابق آیت میں پیروں پر مسح کرنے کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا۔ لیکن بعد میں پیر دھونے کا دستور جاری ہو گیا۔ صحابہ کرامؓ میں سے حضرت عبداللہ ابن عباسؓ اور حضرت انسؓ بن مالک کی تفاسیر ہم نے پیش کیں۔ ان کے علاوہ جتنے صحابہ کرامؓ نے آیہ وضو کی تفسیر فرمائی، سب نے پیروں پر مسح کو فرض قرار دیا۔ اس آیہ مبارکہ کی تفسیر میں کسی صحابیِ رسول نے پیروں کے دھونے کی بات نہیں فرمائی۔ دورانِ وضو پیر دھونے کے استدلال پر امام رازیؒ کے حوالے سے جائزہ لیا جس میں امام رازیؒ نے اس استدلال کو رَد کرتے ہوئے فرمایا کہ ''ارجلکم'' کا ''ل'' خواہ زَبر سے ہی کیوں نہ پڑھا جائے،

---

[۱] فتح الباری شرح بخاری جزو ۳۳۔ ص ۳۶۲ ، سنن بیہقی جلد اول۔ ص ۱۵۲

[۲] کتاب رحمتہ الامہ۔ ص ۱۹ بحوالہ میزان الکبریٰ شعرانی

[۳] تفسیر ابن کثیر جلد اول، پارہ ۶۔ ص ۶۴ طبع کراچی

پھر بھی پاؤں کا مسح ہی فرض ہے۔ اس کے بعد ہم نے رسول اللہ کی قولی اور فعلی احادیث اور اس کے مطابق صحابہ کرامؓ و تابعینؒ اور اہل بیتؑ کے عمل کا جائزہ لیا۔

ان تمام احادیث و روایات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ دورانِ وضو پیروں پر مسح فرض ہے۔ اس سلسلے میں مزید تفسیر و تشریح آیہ تیمّم میں آئے گی۔ اس وضاحت کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پیروں پر مسح کا طریقہ دریافت کر لیا جائے۔

پیروں کا مسح کس طرح کیا جائے؟۔

> احمد بن محمد بن ابی نصر نے امام علی ابن موسیٰؑ سے پیروں کے مسح کے متعلق دریافت کیا۔ حضرت نے اپنا ہاتھ پیروں کی انگلیوں پر رکھا، پھر اسی سے مسح کیا ٹخنوں تک پیروں کے اوپر۔ احمد نے کہا میری جان آپ پر فدا ہو۔ اگر کوئی دو انگلیوں سے کرے؟ فرمایا: صحیح نہیں ہاتھ سے کرنا چاہئے۔ [1]

سرزمین عرب میں پانی کی قلت :

ان احادیث اور روایات کے علاوہ اگر آپ اس زمانے میں سرزمین عرب میں پانی کی قلت کو ذہن میں رکھیں، تو وضو تین چلّو کا ہی سمجھ میں آتا ہے۔ یعنی ایک چلّو منہ دھونے کے لئے، اور دو چلّو پانی ہاتھوں کو دھونے کے لئے، سر اور پیروں کا مسح۔ یہ ہے حکم الٰہی اور اس کے بَرخلاف جو وضو کیا جاتا ہے، اس میں پانی جس مقدار میں درکار ہوتا ہے اور وہ بھی دن میں پانچ مرتبہ۔ وہ اُس زمانے کے عرب باشندوں کے لئے ایک خواب کی مانند تھا۔

یہاں تک ہم نے دورانِ وضو پیروں پر کیا طریقہ اختیار کیا جائے؟۔ اس کا جائزہ لیا۔ کیونکہ یہی وضو میں سب سے بڑا اختلاف ہے۔

آیہ وضو اور مسلمان مترجم :

اس گفتگو کو نقل کرنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ اس گفتگو میں ذہن میں اٹھنے والے کافی

---

[1] فروعِ کافی جلد اول کتاب طہارت۔ ص ۹۰ طبع کراچی

سوالات کا جواب موجود ہے۔

ہمارے ایک دوست جو اپنے مسلک کے مبلغ بھی ہیں۔ اور ہر وقت تبلیغ میں کوشاں رہتے ہیں ان کا دعویٰ یہ تھا کہ ہمارا کوئی عمل قرآن سے متصادم نہیں، ان کا یہ دعویٰ بار بار سن کر ہم آجز آ گئے تو اتفاق سے ان کی موجودگی میں ہمارے دوستوں کے درمیان وضو کے موضوع پر گفتگو چھڑ گئی، تو ہم نے اپنے دوستوں کی توجہ آیہ وضو کی جانب دلائی، اور پوچھا کہ آیہ وضو کے ترجموں میں بریکٹ میں دھولو کا ترجمہ کہاں سے کیا گیا ہے کہ "وامسحوا" (مسح) کے بعد "ارجلکم" (پیروں) کا ذکر ہے اور اس مقام پر لفظ غسل کا اعادہ نہیں ہو رہا؟۔ ان میں سے بعض دوستوں نے عربی صَرف و نحو کا ذکر چھیڑ دیا۔ ہم نے وہ تمام بحث ان کے سامنے پیش کی جس کا جائزہ ہم نے پچھلے صفحات پر امام رازیؒ کے حوالے سے لیا۔ اور عرض کیا کہ کیا آپ قرآنِ مجید میں کوئی آیت دکھا سکتے ہیں، جس کا ترجمہ یا مفہوم اسی طرح کیا گیا ہو جس طرح آیہ وضو کا بیان کیا جاتا ہے؟۔ قرآنِ مجید میں کوئی آیت ایسی نہیں جس کا ترجمہ آیہ وضو کے ترجمے کی طرح کیا گیا ہو۔ جب یہ بحث مکمل ہوئی تو ہم نے صحابہ کرامؓ کی تفاسیر پیش کیں۔ اس کے بعد ہمارے مبلغ دوست نے کہا کہ ہم پیروں کو دھوتے بھی ہیں اور اس کے بعد مسح بھی کرتے ہیں۔ ہم نے کہا چلیں آپ کے کہنے کو ہم صحیح مان لیتے ہیں کہ آپ کے مسلک میں یہ دونوں عمل ہیں۔ لیکن اللہ تو آپ کو وضو میں پیر دھونے کا حکم نہیں فرما رہا۔ تو جواب میں فرمانے لگے کہ چونکہ پیر ناپاک ہوتے ہیں، اس لئے پیروں کا پاک کرنا ضروری ہے۔ ہم نے کہا کہ کیا آپ لوگ پاکیزگی اللہ سے زیادہ جانتے ہیں؟۔ جب جسم کا کوئی حصہ ناپاک تھا، تو آپ کو وضو سے قبل اطمینان کر لینا چاہئے تھا، پھر نماز کے لئے وضو کا ارادہ کرنا چاہئے۔ کیونکہ دورانِ وضو صرف ان اعضاء کو پاک کرنے کی اجازت ہے۔ جن کو پاک کرنے کا حکم اللہ تعالیٰ آیہ وضو میں دے رہا ہے۔ جبکہ پیروں کو دھونے کا ذکر آیہ وضو میں نہیں ہے۔ اس پر دوسرے دوست نے کہا کہ وضو میں کلیاں اور ناک میں پانی بھی تو ڈالتے ہیں جبکہ آیت میں ان کا ذکر نہیں؟۔ اسی طرح پیر بھی دھو لیتے ہیں۔ ہم نے جواب دیا کہ بھائی کلیاں اور ناک میں پانی ڈالتے ہیں، چہرہ دھونے سے پہلے یعنی اصل وضو سے پہلے، جو وضو کا لازمی جزو نہیں ہے۔ اس عمل کو کہتے ہیں سنت رسولؐ جس کے پس پردہ یہ حکمت کارفرما ہے کہ

وضو کے لئے پانی کا تین عیّوب سے پاک ہونا ضروری ہے۔

۱۔ پانی رنگ دار نہ ہو۔
۲۔ پانی کا ذائقہ بدلا ہوا نہ ہو۔ یعنی سڑا ہوا یا آمیزش کیا ہوا نہ ہو۔
۳۔ پانی بدبودار یا خوشبودار نہ ہو۔ مثلاً عرقِ گلاب وغیرہ

رنگ دار کا پتہ چلّو میں پانی لے کر۔ ذائقہ کا علم، چکھنے سے یعنی منہ میں پانی لے کر۔ اور بو کا علم، ناک میں پانی لے کر ہوتا ہے۔ اس لئے پانی کے قابلِ وضو ہونے کا یقین کر لینے کے بعد وضو کیا جانا چاہئے، ورنہ وضو نہیں ہوسکتا۔ اس سلسلے میں حدیثِ نبویؐ بھی ہے۔

ان الماء لا ینجسه شیء الا ماغلب علے ریحه و طعمه ولونه

پانی سے بدبو آنے لگے یا اس کا مزا بگڑ جائے، یا رنگ تبدیل ہو جائے،
تو وہ پانی ناپاک (ہو جاتا) ہے۔

اگر یقینِ کامل ہو کہ وضو کے لئے پانی ان عیّوب سے مبّرا ہے، تو صرف احکاماتِ وضو پر ہی عمل کافی ہوگا۔ جبکہ ہاتھ دھونے، کلی کرنے اور ناک میں پانی لینے سے سنت رسولؐ بجالانا بھی ہے۔ مگر جزوِ وضو نہیں ہے۔

لیکن جب کوئی نمازی منہ دھونے کیلئے منہ پر پانی ڈالتا ہے تو وہ فرض (حکم الٰہی) میں داخل ہو جاتا ہے۔ اور فرض میں داخل ہونے کے بعد نمازی صرف اللہ کے بتائے ہوئے طریقے کے علاوہ کچھ نہیں کرسکتا۔ اور اللہ کے بتائے ہوئے طریقے کے درمیان کوئی زائد عمل حکم الٰہی میں شرک ہے۔ جو ہماری اپنی ایجاد ہوگی یہی حکم عدولی ہے، جو بنی اسرائیل کی عادت تھی۔ جب ہم "اطیعو اللہ" کہتے ہیں، تو اس کا مطلب اللہ کی غیر مشروط اطاعت ہوتا ہے۔ اور اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ جس طرح اللہ حکم دے، بندے کا فرض ہے کہ بے چوں چرا اس پر عمل کرے۔ اپنی خود ساختہ ایجاد کو اللہ کے حکم میں شامل نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ نے آیہ وضو میں چار (۴) چیزوں کو فرض قرار دیا۔ جن میں دو (۲) چیزوں کو دھونے کا حکم ہے، اور دو (۲) پر مسح کرنے کا حکم ہے۔ یہ گفتگو ہی نماز کے بارے میں ہماری مزید تحقیق کا آغاز ثابت ہوئی۔

اللہ تعالیٰ نے ہم پر دورانِ وضو چار چیزوں کو فرض قرار دیا ہے۔ تو آیئے اس مقام پر فرض کی اہمیت کو مختصراً سمجھتے چلیں۔

فرض کے معنی :

فرض کے لغوی معنی کاٹنے یا شگاف کرنے کے ہیں۔ شریعت میں فرض ایسے عمل کو کہتے ہیں۔ جس کے کرنے میں ثواب اور نہ کرنے میں عذاب ہو۔ فقہاء کی اصطلاح میں فرض (کا حکم) رکن کے برابر ہے۔ یعنی رکن اور فرض دونوں ایک ہی شے ہیں۔ کسی عبادت کا کوئی فرض (رکن) ادا نہ ہونے کی صورت میں وہ عبادت باطل ہو جاتی ہے۔

امام ابو حنیفہؒ :

امام اعظم ابو حنیفہؒ بھی وضو میں چار فرائض کے قائل ہیں۔ [۱]

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک بھی چار فرائض کے علاوہ باقی اعمال جزوِ وضو نہیں۔ جن کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔

پیروں پر مسح یا دھونے کے بارے میں مزید جائزہ آگے آیہ تیمّم کے ضمن میں لیں گے۔ فی الحال ہم اس موضوع کو یہاں روک کر، وضو کے دیگر اُمور کا جائزہ لیتے ہیں۔

سر کے مسح کی تعداد اور ائمہ اربعہؒ :

سر کے مسح کی تعداد کے بارے میں ائمہ اربعہ میں سے امام ابو حنیفہؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ ایک مرتبہ سر کے مسح کے قائل ہیں۔ [۲]

صحابہ کرامؓ اور اہل بیتؓ کا عمل :

سنن ابوداؤد میں حضرت عثمانؓ بن عفان کے وضو کا ذکر ہے۔ اسی روایت میں سر کے

---

[۱] کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ جلد اول۔ ص ۸۷ (جامعہ الازہر مصر)

[۲] تفسیر ابن کثیر جلد اول پارہ ۶۔ ص ۶۳ ، جامع ترمذی جلد اول کتاب الطہارت۔ ص ۴۲

مسح کرنے کے ساتھ ہی یہ الفاظ بھی ہیں کہ سر کا مسح ایک مرتبہ کیا۔ اس کے علاوہ حضرت عثمانؓ سے جو روایات صحاح ستہ اور دیگر احادیث کی کتابوں میں مروی ہیں، ان میں بھی سر کا مسح ایک ہی مرتبہ ثابت ہے۔ اور حضرت علیؓ، ابن عباسؓ، جابر بن عبداللہ انصاریؓ وغیرہ سے بھی ایک ہی مرتبہ سر کا مسح ثابت ہے۔

سر کے مسح کی حد اور ائمہ اربعہؒ :

جہاں تک سر کے مسح کی حد کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں ائمہ اربعہ کے درمیان اختلاف ہے۔

مسلکِ حنفیہ :

امام اعظم ابوحنیفہؒ چوتھائی سر کے مسح کے قائل ہیں۔ مسلک حنفیہ میں فرائض وضو میں سے تیسری چیز، ایک چوتھائی سر کا مسح کرنا ہے۔ چوتھائی سر کی مقدار ہتھیلی کے برابر قرار دی گئی ہے۔ لہذا واجب ہے کہ پوری ہتھیلی کے برابر سر کے حصے کا مسح کیا جائے۔ اس کیلئے یہ ضروری نہیں ہے کہ ہتھیلی ہی سے مسح کیا جائے۔ بلکہ چوتھائی سر پر (ہتھیلی کے برابر جگہ پر) تر ہاتھ کا پانی پہنچ جائے، تو کافی ہے۔ ہاتھ سے مسح کرنے کیلئے یہ شرط ہے کہ کم از کم تین انگلیوں کو استعمال کیا جائے۔ تاکہ خشک ہونے سے پہلے چوتھائی سر تک پانی پہنچ جائے۔ اگر انگلیوں کے سرے سے مسح کیا، جن سے اتنا پانی ٹپک رہا ہو کہ پانی وہاں تک پہنچ گیا جہاں تک پہنچانا مطلوب تھا تو مسح صحیح ہوگا ورنہ نہیں، دوبارہ نئے پانی سے سر کا مسح کرنا شرطِ صحت (جائز) نہیں ہے۔ لہذا اگر ہاتھ تر تھا تو مسح جائز ہوگا۔ کسی اور اعضاء سے مسح کی خاطر ہاتھ تر کرنا جائز نہیں۔ [1]

اس بارے میں علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں۔ ''مسلکِ حنفیہ میں چوتھائی سر کا مسح ~~فرض ہے، جو سر کا ابتدائی حصہ ہے''~~۔ [2]

---

[1] کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ جلد اول۔ ص ۹۱

[2] تفسیر ابن کثیر جلد ۱، پارہ ۶۔ ص ۶۳

لیکن مسلکِ حنفیہ کے بَرخلاف حنفی حضرات پورے سر پر مسح کرتے ہیں؟۔

مسلکِ شافعیہ :

امام شافعیؒ سر کے کسی بھی حصے کا ، خواہ چھوٹا ہو یا بڑا ، مسح کر لینا کافی قرار دیتے ہیں۔ [1]

اس بارے میں علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں۔

''فرض صرف اتنا ہے، جتنے پر مسح کا اطلاق ہو جائے ۔ اسکی کوئی حد نہیں ۔ سر کے چند بالوں پر بھی مسح ہو گیا تو فرضیت پوری ہو گئی''۔ [2]

امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ کے بَرخلاف امام مالکؒ اور امام حنبلؒ پورے سر کے مسح کے قائل ہیں۔

سر کے مسح کی حد اور ائمہ اہلِ بیتؑ :

ائمہ اہل بیتؑ سر کے کچھ حصے کے مسح کو فرض قرار دیتے ہیں۔ اس لئے اہل تشیع میں سر کے کچھ حصے پر مسح کیا جاتا ہے۔

سر کے مسح کی حد اور مسلکِ اہل حدیث :

اس سلسلے میں اہل حدیث کے جید عالم علامہ وحید الزماں اپنی تفسیر ''وحیدی'' میں لکھتے ہیں کہ ''اور اپنے سر پر مسح کرو، اتنے سر کا جس کو مسح کہیں۔ اور امام مالک کے نزدیک سارے سر کا، اہلحدیث نے اسی کو اختیار کیا ہے''۔ [3]

قرآنِ مجید کی کسی آیت سے پورے سر کا مسح ثابت نہیں۔ ورنہ علامہ وحید الزماں

---

[1] کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ جلد اول۔ ص۹۵ (جامع الازہر مصر)

[2] تفسیر ابن کثیر جلد اول، پارہ ۶۔ ص۶۳ طبع کراچی

[3] علامہ وحید الزماں کی تفسیر وحیدی۔ ص۱۴۲

صاحب کو ترجمہ ان الفاظ میں کرنے کی ضرورت پیش نہ آتی کہ "مسح کرواتنے سر کا جس کو مسح کہیں"۔ ان الفاظ میں اقرار کے باوجود حکم الٰہی کے برخلاف امام مالکؒ کے قول کو فوقیت دی، اور اہل حدیث نے اسی کو اختیار کیا۔ جبکہ مسلکِ اہلحدیث کا دعویٰ یہ ہے کہ وہ غیر مقلد ہیں۔ اس دعویٰ کے باوجود انہوں نے عملی طور پر حکم الٰہی کو ثانوی حیثیت دی امام مالکؒ کے فتویٰ کے مقابلے میں؟۔ (نعوذ باللہ) جبکہ ائمہ اربعہؒ میں سے ہر امام کا قول ہے کہ ان کا کوئی قول کتاب وسنت سے خلاف ملے، تو ان کے قول کو ترک کر دیا جائے اور کتاب وسنت کو اختیار کیا جائے۔

سر کے مسح کی حد اور سنت رسولؐ :

عن انس بن مالك قال رايت رسول الله صلى الله عليه وسلم تيوضا و عليه عمامة قطرية فادخل يده من تحت العمامة فمسح مقدم راسه و لم ينقض العمامة ..

حضرت انسؓ بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو میں نے وضو کرتے ہوئے دیکھا اور آپؐ کے سر مبارک پر عمامہ تھا۔ تو آپؐ نے اپنا ہاتھ عمامہ کے نیچے لے جا کر سامنے کی جانب مسح کیا، اور عمامہ کو نہ توڑا۔ [۱]

قدیم اہل سنت عالم امام شوکانیؒ سر کے مسح کی حد کے بارے میں مندرجہ بالا حدیث کو نقل کرنے کے بعد مزید لکھتے ہیں:

"قال ابن حجر فيه دليل على الا جتزاء بالسمع على الناصية و قد نقل عن سلمة ابن الاكوع انه يمسح مقدم راسه"

یعنی ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ مذکورہ بالا حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ صرف سر کے اگلے حصے پر مسح کرنا درست ہے۔ اور مسلمہ ابن الاکوعؓ سے منقول ہے کہ وہ بھی سر کے اگلے ہی حصے کا مسح کیا کرتے تھے"۔ [۲]

---

[۱] سنن ابوداؤد جلد اول۔ ص ۸۸ کتاب الطهارة، باب المسح على العمامة، حدیث ۱۴۷ طبع لاہور

[۲] امام شوکانی کی نیل الاوطار جلد اول۔ ص ۱۵۰

گردن کا مسح اور علامہ ابن تیمیہ کا فتویٰ :

جہاں تک گردن کے مسح کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں علامہ ابن تیمیہ لکھتے ہیں کہ ''گردن کے مسح کے باب میں حضرت رسول اللہ سے کوئی حدیث صحیح وارد نہیں ہوئی ہے۔ اور اس لئے جمہور علماء نے شافعی و مالک و احمد بن حنبل کی طرح اس کو مستحب نہیں جانا ہے۔ اور جس نے مستحب کہا ہے، اس نے اس باب میں ابو ہریرہ کے اثر پر یا حدیث پر جو ضعیف ہے اور وہ یہ ہے **انہ مسح راسہ حتی بلغ القذال** اور یہ دونوں امر دلیل ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتے ہیں''۔ [۱]

اہل حدیث عالم فرماتے ہیں :

گردن کے مسح کے بارے میں اہل حدیث عالم علامہ وحید الزماں فرماتے ہیں

''ابو داؤد کی جس حدیث سے لوگوں نے گردن کے مسح کا استدلال لیا ہے۔ ان کا یہ استدلال درست نہیں، کیونکہ اس حدیث سے گردن کا مسح ہی ثابت نہیں ہوتا۔ علاوہ اس کے یہ حدیث ضعیف ہے۔ کیونکہ اس کے راوی طلحہ بن مصرف کے دادا کا حال معلوم نہیں کہ وہ صحابی بھی تھے یا نہیں۔ اس کی اسناد کو امام ابن القطانؒ، امام ابی حاتمؒ اور امام ابوزرعہؒ نے ناقابلِ اعتبار بیان کیا ہے۔ اور ابن الہمامؒ نے فتح القدیر میں جو حدیث گردن کے مسح کی ترمذی سے نقل کی ہے وہ صحیح نہیں ہے، بعد تلاش کے معلوم ہوا کہ یہ حدیث جامع ترمذی میں نہیں پائی جاتی۔ اس کے علاوہ جو احادیث اور ہیں وہ سب ضعیف بلکہ قریب بہ موضوع ہیں''۔ [۲]

شاہ عبد العزیزؒ کے شاگرد مولانا محمد معین فرماتے ہیں :

گردن کے مسح کے متعلق شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ کے شاگرد مولانا محمد معین اپنی کتاب

---

[۱] علامہ ابن تیمیہ کی فتاویٰ شیخ الاسلام۔ ص ۵۱

[۲] علامہ وحید الزماں کی شرح ابوداؤد جلد اول۔ ص ۸۴ طبع لاہور

"**دارسات اللبیب**" میں تحریر فرماتے ہیں کہ گردن کا مسح کرنا احادیث صحیحہ اہلسنت کے خلاف ہے اور نہ اسکی کوئی سند ہے۔ لیکن میں (محمد معین) اس کو ترک نہیں کرتا"۔ [۱] ------------ ملاحظہ فرمائیں مولانا کی ہٹ دھرمی۔

ایک اور عالم جناب علامہ مجد الدین فیروز آبادی اپنی کتاب "سفر السعادہ" میں تحریر کرتے ہیں کہ "گردن کے مسح میں کوئی حدیث ثابت نہیں ہوئی"۔ [۲]

وضو کی ترتیب اور ائمہ اربعہؒ :

وضو کی ترتیب کے بارے میں ائمہ اربعہ کے درمیان اختلاف ہے۔ امام مالکؒ اور امام ابو حنیفہؒ وضو کی ترتیب کی فرضیت کے قائل نہیں۔ وہ وضو میں ترتیب کو شرط نہیں جانتے۔ ان کے نزدیک اگر کوئی شخص پہلے پیروں کو دھولے، پھر سر کا مسح کرلے، پھر ہاتھ دھولے، پھر منہ دھولے جب بھی جائز ہے۔ جبکہ امام شافعیؒ اور امام حنبلؒ ترتیب کے قائل ہیں۔ ان کے نزدیک بے ترتیب وضو قطعاً باطل ہے۔ [۳]

دیگر اعضاء اور ائمہ اربعہؒ :

دورانِ وضو کلی اور ناک میں پانی ڈالنے کو امام حنبلؒ واجب قرار دیتے ہیں۔ جبکہ امام شافعیؒ اور مالکؒ اسے مستحب قرار دیتے ہیں اور امام ابو حنیفہؒ غسل میں واجب قرار دیتے ہیں، وضو میں نہیں۔ [۴]

ائمہ اہل بیتؑ :

ائمہ اہل بیتؑ وضو کی ترتیب کو فرض قرار دیتے ہیں۔ اور ان کے نزدیک عملِ وضو وقفہ کے

---

[۱] مولانا محمد معین کی **دارسات اللبیب**۔ ص ۲۶۷

[۲] علامہ مجد الدین فروز آبادی کی **سفر السعادہ**۔ ص ۱۵۷

[۳] کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ جلد اول ص ۱۰۱ ، تفسیر ابن کثیر جلد اول، پارہ ۶۔ ص ۶۲

[۴] تفسیر ابن کثیر جلد اول، پارہ ۶۔ ص ۶۱ طبع کراچی

بغیر مکمل ہونا لازم ہے۔ اور دورانِ وضو کلی اور ناک میں پانی ڈالنے کو سنت قرار دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک وضو میں فرض صرف وہ ہیں جن کا ذکر آیہ وضو میں ہوا۔۔۔۔ ۔۔۔۔یعنی چار۔ [۱]

ائمہ اہل بیتؑ کے مطابق وضو میں فرض چہرے اور کہنیوں تک ہاتھوں کو دھونا اور سر و پاؤں کا مسح ہے، کلی اور ناک میں پانی ڈالنا سنت ہے۔ گردن کے مسح کی کوئی دلیل نہیں۔

---

[۱] علامہ یعقوب کلینیؒ کی فروع کافی جلد اول۔ ص ۸۹ طبع کراچی

آیہ تیمّم

قرآنِ مجید میں سورۂ مائدہ کی آیہ وضو، حکمِ وضو پر ختم نہیں ہوئی۔ بلکہ پانی نہ ملنے کی صورت میں تیمّم کا حکم بھی اس آیہ مبارکہ میں موجود ہے۔ تیمّم کا حکم قرآنِ مجید میں دو مقامات پر وارد ہوا ہے۔ ایک سورۂ النساء میں اور دوسرا سورۂ مائدہ میں جس کا ذکر جاری ہے۔

ارشادِ ربُّ العزت ہے

...فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَ اَيْدِيْكُمْ ط
اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا☆

اورتم کو پانی میسر نہ ہو تو پاک مٹی سے تیمّم کرو۔ (اسطرح کہ) اپنے چہرے اور ہاتھوں پر مسح کرلو۔ بیشک اللہ معاف کرنے والا اور بخشنے والا ہے۔

سورۂ النساء۴ آیت ۴۳

فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ
وَ اَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ ط

اورتم کو پانی نہ مل سکے تو پاک مٹی سے تیمّم کرو۔ پس مسح کرلو، چہرے کا اور ہاتھوں کا۔۔۔ سورۂ مائدہ۵ آیت ۶

آیہ تیمّم سے استدلال :

سورۂ مائدہ کی مذکورہ آیہ مبارکہ کے اس حصے میں تیمّم کا ذکر ہو رہا ہے کہ اگر پانی میسر نہ ہو تو تیمّم کرو۔ یعنی وضو میں جن دو حصوں (چہرے اور ہاتھوں) کے دھونے کا ذکر تھا۔ تیمّم میں ان دونوں حصوں پر مسح کرنے کا حکم ہے۔ اور وضو میں جن دو حصوں (سر اور پاؤں) پر مسح تھا، ان کو چھوڑ دیا گیا اگر وضو میں پاؤں کے دھونے کا حکم ہوتا، تو تیمّم میں پاؤں کا ذکر بھی ضرور ہوتا۔ لیکن اللہ نے تیمّم میں پاؤں کا ذکر نہ کر کے یہ سمجھا دیا کہ وضو میں پاؤں پر صرف مسح کا حکم ہے، دھونے کا

نہیں ۔ تیمّم کے ذریعے بھی وضو کے صحیح حکم کو سمجھا جا سکتا ہے۔ تیمّم کی آیات باطل کر دیتی ہیں ان تاویلوں کو جن میں دورانِ وضو پیر دھونا مذکور ہیں۔

صحابہ کرامؓ و تابعین عظامؒ کی تفاسیر :

آیہ تیمّم سے مندرجہ بالا استدلال جو ہم نے پیش کیا۔ یہ استدلال صحابہ کرامؓ و تابعین عظامؒ کی تفاسیر کی روشنی میں قائم کیا گیا ہے۔ کیونکہ آیہ تیمّم کی تفسیر جن صحابہ کرامؓ و تابعینؒ نے فرمائی۔ انہوں نے بھی یہی استدلال پیش کیا۔

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کی تفسیر :

> حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے مروی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ''اللہ نے **غسلین** (منہ اور ہاتھوں کا دھونا) اور **مسحین** (سر اور پاؤں پر مسح کرنا) فرض کیا ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ نے تیمّم کا ذکر کیا، اور **غسلین** کا قائم مقام **مسحین** (چہرے اور ہاتھوں کا مسح) قرار دیا۔ اور **مسحین** (سر اور پاؤں کے مسح) کو تیمّم میں چھوڑ دیا''۔ [۱]

تابعی کی تفسیر :

> حضرت شعبیؒ فرماتے ہیں کہ ''حضرت جبرئیلؑ کی معرفت مسح کا حکم نازل ہوا۔ کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ جن چیزوں کے دھونے کا حکم وضو میں تھا۔ ان پر تو تیمّم کے وقت مسح کا حکم رہا اور جن چیزوں کے مسح کا حکم وضو میں تھا۔ ان کو تیمّم کے وقت چھوڑ دیا گیا''۔ [۲]

آیہ تیمّم کی مندرجہ بالا تفاسیر جو صحابیِ رسول اور تابعی نے بیان فرمائی اس کے بعد

---

[۱] علامہ ابوبکر جلال الدین سیوطیؒ کی تفسیر در منثور جلد ۲۔ ص ۷۱۸ طبع لاہور

[۲] علامہ تفسیر ابن کثیر جلد اول، پارہ ۶۔ ص ۶۴ ، تفسیر در منثور جلد ۲۔ ص ۷۱۹ ، تفسیر طبری جلد ۶۔ ص ۱۵۶

دورانِ وضو پیروں پر مسح کرنے کی حُجت تمام ہو جاتی ہے۔ کیونکہ دورانِ وضو جن اعضاء کا غسل تھا، ان پر تیمّم میں مسح کرنے کا حکم ہے اور وضو میں جن اعضاء پر مسح کرنے کا حکم تھا ان کا تیمّم میں ذکر نہیں۔ تیمّم میں پیروں کا ذکر نہ ہونا، اس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ وضو میں پیروں کو دھونے کا حکم نہیں بلکہ مسح کا حکم ہے۔

سر کے مسح کی ایک وضاحت :

دورانِ وضو سر کے مسح کے متعلق ایک وضاحت ضروری ہے۔ امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ اور ائمہ اہل بیتؑ کے بَرخلاف جو حضرات پورے سر کے مسح پر کاربند ہیں۔ وہ اگر آیت کے الفاظ پر غور کریں تو سر کے مسح کیلئے "بـروسکم" آیا ہے۔ رؤس عربی میں سر کے اوپری حصے کو کہتے ہیں۔ اس مقام پر "ب" تخفیف کیلئے آیا ہے۔ یعنی "روسکم" (اپنے سر کا)۔ "بـروسکم" (اپنے سر کے کچھ حصے کا)۔ یہی "ب" تیمّم کی آیت میں وجوھکم (چہرے) کے ساتھ استعمال ہوا ہے۔ اسی لئے ائمہ کی اکثریت تیمّم میں چہرے کے کچھ حصے پر مسح کی قائل ہے۔

صحیح وضو شرطِ نماز :

نماز کے قبول ہونے کی پہلی شرط وضو کا صحیح ہونا ہے۔ اسی لئے تمام مکاتبِ فکر اس بات پر متفق ہیں کہ اگر کسی نے جان بوجھ کر، بے وضو یا غلط وضو سے نماز ادا کی، تو وہ نہ صرف گنہگار ہوگا بلکہ اس کی نماز بھی باطل ہوگی۔ اور امام ابوحنیفہؒ اس شخص کو کافر قرار دیتے ہیں۔ کیونکہ اس نے دین کے ساتھ مذاق کیا۔

وضو کے صحیح ہونے کی اہمیت اس وقت اور بڑھ جاتی ہے جب ہمیں رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث ملتی ہے کہ "وضو آدھے ایمان کے برابر ہے"۔ (صحیح مسلم جلد اول صفحہ ۳۶۱)

اس ارشادِ رسول ﷺ کے مطابق جس کا وضو حکمِ الٰہی کے مطابق نہ ہو۔ اس کی صرف نماز ہی باطل نہیں ہوگی۔ بلکہ آدھا ایمان بھی ـــــــــــــــــ

حکم الٰہی اور حدیثوں میں تضاد؟۔

جہاں تک دورانِ وضو رسولؐ اللہ کے پاؤں دھونے کی روایات کا تعلق ہے ہم تھوڑی دیر کیلئے مان لیتے ہیں کہ رسولؐ اللہ نے وضو کے دوران اپنے پاؤں کو دھویا۔ اس سلسلے میں قابل غور بات یہ ہے کہ قرآنِ مجید میں وضو سے متعلق حکم سورۂ مائدہ میں نازل ہوا۔ سورۂ مائدہ ترتیب کے لحاظ سے پانچواں اور نزول کے لحاظ سے ایک سو بارواں (۱۱۲) سورہ ہے۔ جبکہ قرآنِ مجید میں کُل سوروں کی تعداد ایک سو چودھا (۱۱۴) ہے۔ یعنی سورۂ مائدہ کے بعد صرف دو سورے اور نازل ہوئے۔ اس حساب سے سورۂ مائدہ رسولؐ اللہ کی حیات مبارک کے آخری زمانے میں نازل ہوئی۔ [۱]

آیہ وضو کے نازل ہونے سے قبل جو بھی وضو ہوتا رہا، اس سے ہمیں بحث نہیں۔ کیونکہ قرآنِ مجید میں حکم الٰہی نازل ہونے کے بعد یہ ناممکن ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کے خلاف عمل کیا ہو

امام فخر الدین رازیؒ تصدیق کرتے ہیں۔

امام فخر الدین رازیؒ بھی اس بات کی تصدیق کرتے ہیں۔

"رسولؐ اللہ کے پیر دھونے کی روایات قرآنی حکم سے پہلے کی ہیں"۔ [۲]

ایک تیکنیکی غلطی

محدثین نے پیر دھونے کی روایات لیتے وقت یہ غور نہیں کیا کہ راوی جو روایت بیان کر رہا ہے۔ آیا وہ آیہ وضو کے نازل ہونے سے پہلے کی ہے یا بعد کی۔ کیونکہ ہمیں رسولؐ اللہ کے پاؤں پر مسح کرنے کی حدیثیں بھی کافی تعداد میں مل جاتی ہیں۔ جن میں سے چند کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔

---

[۱] تفسیر ابن کثیر جلد اول، پارہ ۶۔ ص ۳۹ طبع کراچی

[۲] امام رازیؒ کی تفسیر کبیر جلد ۳۔ ص ۵۴۶ طبع مصر

پھر فرق کیوں؟۔

وضو سے متعلق احکام الٰہی اور سنت رسولؐ کا جائزہ لینے کے بعد جب ہم مسلمانوں کے طریقہ وضو پر غور کرتے ہیں، تو کافی فرق نظر آتا ہے۔ یہ فرق کیسے پیدا ہوا------؟۔ آیت قرآنی تو واضح ہے اور اس کے مطابق سنت رسولؐ بھی ہے، تو پھر ان احکامات اور مسلمانوں کے عمل کے درمیان یہ اختلاف کیوں ہوا-------------؟۔

اس کی واحد وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں نے رسولؐ اللہ کے وصال کے بعد اپنی اپنی پسند کے ذرائع سے دین کو سمجھنے کی کوشش کی۔ حالانکہ اس انتخاب کا حق اللہ تعالیٰ نے بندوں کے سپرد نہیں کیا تھا کہ وہ جس کو چاہیں اس کام کیلئے منتخب کرلیں۔ یہ اختیار اللہ نے صرف اور صرف اپنے پاس رکھا۔

ارشادِ ربُ العزت ہے

وَ رَبُّکَ یَخْلُقُ مَایَشَآءُ وَ یَخْتَارُ ط مَاکَانَ لَهُمُ الْخِیَرَةُ سُبْحٰنَ اللهِ
وَ تَعٰلٰی عَمَّا یُشْرِکُوْنَ ☆

اور تمہارا پروردگار جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور (جس کو چاہتا ہے) منتخب کرتا ہے۔
اور یہ انتخاب لوگوں کے اختیار میں نہیں ہے۔ اللہ پاک اور بالاتر ہے اُس شرک سے
جو یہ لوگ کرتے ہیں۔ سورۂ القصص ۲۸ آیت ۶۸

ان احکام الٰہی کے باوجود لوگوں نے بعد از رسولؐ یہ اختیار اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔ حالانکہ ان ذرائع کو قرآنِ مجید کا نہ تو پورا علم تھا۔ اور نہ اس کی تشریح و تاویل کرنے کا اختیار تھا۔ اگر صحیح علم و اختیار ہوتا تو مسلمانوں میں عموماً اور اس مسئلہ پر خصوصاً اختلاف نہ ہوتا۔

اس بات سے ذہن میں فوراً سوال اٹھتا ہے کہ پھر یہ اختیار کس کو تھا؟۔

ارشادِ ربُ العزت ہے

وَمَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَهٗ اِلَّا اللهُ وَ الرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ

قرآن کی تاویل اللہ اور راسخون فی العلم کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ سورۂ آلِ عمران ۳ آیت ۷

اس سلسلے میں ارشادِ رسالتمآب ﷺ ہے

من فسر القرآن بر ایه فلتیبوء مقعده من النار۔

جو شخص اپنی رائے سے قرآنِ مجید کی تفسیر کرے گا۔ اس کا ٹھکانہ جہنم ہو گا۔ [1]

احکام الٰہی اور اپنی تاویل

اللہ تعالیٰ اور رسول مقبولؐ کے مندرجہ بالا واضح احکامات کے باوجود ہر دور کے لوگوں نے اللہ اور رسول ﷺ کے احکامات میں اپنی ذہنی سطح کے مطابق تاویلوں سے کام لیا۔ ان تاویلوں میں اس چیز کا بھی خیال نہ رکھا کہ ان کی تاویل سے حکم الٰہی کی تنسیخ (منسوخ) ہو رہی ہے۔ ان بیشمار مثالوں میں سے صرف دو مثالیں حاضرِ خدمت ہیں۔ ان میں سے پہلی شیخ المحدثین امام مسلمؒ کی کتاب صحیح مسلم شریف کے حوالے سے اور دوسری امام المحدثین امام بخاری کی شہرہ آفاق کتاب صحیح بخاری شریف کے حوالے سے۔ دونوں روایات کو بیان کرنے کا مقصد صرف اپنی بات واضح کرنا ہے۔

> ابی حازم سے روایت ہے کہ میں حضرت ابو ہریرہؓ کے پیچھے تھا۔ وہ نماز کیلئے وضو کر رہے تھے۔ تو اپنے ہاتھ کو دھوتے تھے، لمبا کر کے یہاں تک کہ بغل تک دھویا۔ میں نے کہا۔ اے ابو ہریرہؓ! یہ کیسا وضو ہے؟۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے کہا۔ اے فروخ کی اولاد! تم یہاں موجود ہو؟۔ اگر میں جانتا کہ تم یہاں موجود ہو، تو میں اس طرح وضو نہ کرتا۔ میں نے رسولؐ اللہ سے سنا۔ آپؐ فرماتے تھے کہ قیامت کے دن مومن کو وہاں تک زیور پہنایا جائے گا۔ جہاں تک اس کا وضو پہنچتا ہو۔ [2]

---

[1] تفسیر کبیر، تفسیر درمنثور، تفسیر ابن کثیر، تفسیر جلالین، تفسیر برہان، مفتی محمد شفیع کی تفسیر وغیرہ

[2] صحیح مسلم شریف جلد اول۔ ص ۲۸۴ کتاب الطهارہ، باب استحباب اطالة الغرة والتحجيل في الوضوء طبع لاہور

آیہ وضو میں حکم خداوندی ہے۔ دھولو" **ایدیکم الی المرافق**" یعنی اپنے ہاتھوں کو کہنیوں تک۔ اور حضرت ابو ہریرہؓ حکم الٰہی کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنی تاویل پر عمل پیرا ہیں۔ اور بغلوں تک ہاتھوں کو دھو رہے ہیں۔

اب ملاحظہ فرمائیں تیمّم کے بارے میں تاویلات۔ یہ الفاظ ہیں امام المحدثین امام بخاریؒ کی کتاب صحیح بخاری شریف کے۔

> شقیق بن سلمہ سے روایت ہے کہ میں حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ تو ابوموسیٰ نے ان (ابن مسعودؓ) سے پوچھا اگر ایک آدمی جنبی (نجس) ہو جائے اور ایک مہینے تک پانی نہ پائے، تو کیا تیمّم کر کے نماز پڑھتا رہے؟۔ حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ تیمّم نہ کرے۔ خواہ مہینہ بھر پانی نہ ملے۔ حضرت ابوموسیٰؓ نے ان سے کہا کہ آپ سورۂ مائدہ کی اس آیت کا کیا کریں گے کہ اگر پانی نہ ملے، تو پاک مٹی سے تیمّم کر لو؟۔ حضرت ابن مسعودؓ نے کہا کہ اگر اس صورت میں انھیں (مسلمانوں کو) اجازت دی گئی، تو خطرہ ہے کہ انھیں پانی ٹھنڈا لگا، تو پاک مٹی سے تیمّم کر لیں گے۔ میں (شقیق) نے کہا کہ آپ نے اس لئے اسے ناپسند کیا ہے؟۔ فرمایا: ہاں۔ حضرت ابوموسیٰؓ نے کہا کہ آپ نے عمار یاسرؓ کی بات نہیں سنی کہ انہوں نے حضرت عمرؓ سے کہا۔ رسولؐ اللہ نے مجھے ایک کام سے بھیجا، تو میں حنب ہو گیا۔ اور پانی نہ ملا۔ پس میں پاک مٹی میں مویشیوں کی طرح لوٹ پوٹ ہوا۔ جب رسولؐ اللہ سے اس کا ذکر کیا تو آپؐ نے فرمایا تمہارے لئے کافی تھا کہ ایسا کر لیتے، اور زمین پر اپنی ہتھیلی سے ایک ضرب ماری، پھر اسے جھاڑا پھر اس کے ساتھ چہرے اور ہاتھوں پر مسح کیا۔ حضرت ابن مسعودؓ نے کہا کہ آپ نے نہیں دیکھا کہ عمرؓ نے عمار یاسرؓ کی بات کو نہیں مانا۔ [1]

واضح رہے کہ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ دیگر صحابہ کرامؓ کے مقابلے میں اعلیٰ درجہ کے معلم القرآن تھے۔ اس کے باوجود اپنی تاویل کو قرآنی حکم پر ترجیح دی۔ اس کے علاوہ تیمّم کے بارے میں حضرت عمارِ یاسرؓ نے حضرت عمر بن خطابؓ کو سمجھایا۔ لیکن آپؓ نے اس کو قبول نہیں کیا۔

---

[1] صحیح بخاری جلد اول۔ ص ۲۳۲ کتاب التیمم ضربتہ، باب ۲۳۹ حدیث ۳۳۷ طبع لاہور

کیا قرآن کی تاویل میں انسان مختار ہے؟۔

ان مثالوں کے بیان کرنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے قرآن کی تشریح کا اختیار عام مسلمانوں کی مرضی پر نہیں چھوڑا تھا کہ جو چاہیں ان احکامات کی تشریح میں اپنی تاویلیں قائم کریں۔ اور اپنی تاویلوں کو قرآن و سنت پر ترجیح دیں۔ جبکہ قرآنِ مجید اور احادیث نبویؐ میں بار بار اس سلسلے میں تاکید کی گئیں۔

ارشادِ ربُّ العزت ہے (جس کا ذکر ہم نے پہلے بھی کیا)

وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ ۘ وَ الرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ

قرآن کی تاویل اللہ اور راسخون فی العلم کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

سورۂ آل عمران ۳ آیت ۷

اللہ تعالیٰ نے قرآن کی تاویل کا حق اپنے علاوہ صرف رٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْم کو تفویض فرمایا ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا رٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ ہر وہ شخص ہے جو علم میں راسخ (پختہ) ہو؟۔ آیئے قرآن سے پوچھتے ہیں۔

سورۂ فاطر میں ارشاد ہوا:

ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا

پھر ہم (اللہ) نے قرآن کا وارث ان لوگوں کو بنایا جن کو ہم (اللہ) نے اپنے بندوں میں سے چن لیا۔ سورۂ فاطر ۳۵ آیت ۳۲

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید کی تشریح کا اختیار صرف اور صرف اپنے منتخب بندوں کو عنایت فرمایا ہے۔ جن کی نشانیاں قرآنِ مجید میں مختلف مقامات پر بیان فرمائی ہیں۔ اور جن کی نشاندہی رسولؐ اللہ نے متعدد مواقعوں پر فرمائی۔ چونکہ یہ ہمارے موضوع سے باہر ہے۔ اس لئے اپنی بات کو مختصر کرتے ہوئے صرف اتنا عرض کرتے چلیں کہ راسخون فی العلم وہ نہیں، جن کا علم دنیاوی مدرسوں کا مرہونِ منت ہو، اور جن کا انتخاب ہمارے اختیار میں ہو۔

سورۂ قصص میں ارشاد ہوا :

وَ رَبُّکَ یَخْلُقُ مَایَشَآءُ وَ یَخْتَارُ ط مَاکَانَ لَهُمُ الْخِیَرَةُ سُبْحٰنَ اللهِ
وَ تَعٰلٰی عَمَّایُشْرِکُوْنَ ☆

اورتمہارا پروردگار جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ اور (جسے چاہتا ہے) منتخب کرتا ہے۔ اور یہ انتخاب لوگوں کے اختیار میں نہیں ہے۔ اللہ پاک اور بالاتر ہے اُس شرک سے جو یہ لوگ کرتے ہیں۔

سورۂ قصص ۲۸ آیت ۶۸

بلکہ ان کا علم اللہ کی طرف سے عطا کردہ ہے۔ سورۂ العنکبوت میں ارشاد ہوا

بَلْ هُوَاٰیٰتٌ بَیِّنٰتٌ فِیْ صُدُوْرِ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ

مگر جن لوگوں کو اللہ کی طرف سے علم عطا ہوا ہے۔ ان کے سینوں میں یہ (قرآن) واضح وروشن آیتیں ہیں۔

سورۂ العنکبوت ۲۹ آیت ۴۹

تاریخِ انسانی میں جب کسی شخص نے کوئی جھوٹا دعویٰ کیا ہے۔ اس کے دعویٰ کی تردید کرنے والا خود اس کے زمانے میں ہی موجود رہا ہے۔ نمرود اور فرعون نے خدائی کا دعویٰ کیا۔ ان کے دعویٰ کی تردید کرنے والے ابراہیمؑ اور موسیٰؑ موجود تھے۔ کسی نے نبوت و امامت کا دعویٰ کیا، تو اس دعویٰ کی تردید کرنے والے اُسی زمانے میں موجود تھے۔ لیکن رَّسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ وہ واحد عہدہ ہے۔ جس کا دعویٰ کرنے کی ہمت کسی جھوٹے شخص کو نہیں ہوئی۔ کیونکہ ہر ایک کو یہ اچھی طرح معلوم تھا کہ اگر اس کا دعویٰ کردیا تو فوراً پکڑ لئے جائیں گے، اور جہالت کھل جائے گی۔ رَّسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ کا دعویٰ صرف انہوں نے ہی کیا جو حقیقتاً رَّسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ تھے۔ اور ان کے اس دعویٰ کی تردید کسی نے نہیں کی۔ بلکہ لوگوں نے ان کے رَّسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ ہونے کی تصدیق کی۔ اگر ان کا دعویٰ جھوٹا ہوتا، تو ضرور کوئی نہ کوئی ان کی تردید کرتا اور اس مسئلہ کی نشاندہی کرتا کہ فلاں مسئلہ پر آپ زچ (لاچار) ہو گئے تھے۔ مگر کبھی ایسا نہ ہوا۔ یہ دعویٰ کرتے

رہے، اور سلونی، سلونی (پوچھو، پوچھو) کی دعوت دیتے رہے، اور لوگ ہر طرح کے مسائل پوچھتے رہے اور یہ جواب ذیتے رہے اور کبھی یہ نہیں کہا کہ اس مسئلہ کا حل ہم نہیں جانتے۔ یہ غیر مسلموں کو اُن کی کتابوں سے، اور مسلمانوں کو قرآن وسنت رسولؐ کی روشنی میں جواب دیتے رہے۔ کیونکہ یہ حقیقتاً (منجانب اللہ) الرَّسِخُونَ فِی الْعِلْم تھے۔ یہ ہستیاں کون تھیں؟ ---

------ ان کو آپ تلاش کیجئے ----------

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

باب۔۲

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الصلوٰۃ (نماز)

عربی زبان کی لغت میں صلوٰۃ کے معنی ''دعا'' کے ہیں۔ شرعی اصطلاح میں قیام رکوع و سجود اور دیگر مخصوص افعال کو صلوٰۃ کہتے ہیں۔ جو مخصوص اوقات میں جملہ شرائط اور صفات اور اقسام کے ساتھ بجالائی جاتی ہے۔

نماز ہر نبی کی اپنی اُمت کو آخری وصیت تھی۔ نماز کی اہمیت کا اندازہ اس چیز سے لگایا جاسکتا ہے کہ قرآنِ مجید میں سات سو (۷۰۰) مقامات پر نماز کی تاکید فرمائی گئی ہے۔ رسولؐ اللہ کی حدیث مبارک ہے کہ ''روزِ قیامت جس عمل کے بارے میں سب سے پہلے پوچھا جائے گا، وہ نماز ہے''۔

سورۂ بقرہ میں ارشاد ہوا

وَاسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ وَ اِنَّھَا لَکَبِیْرَۃٌ اِلَّا عَلَی الْخٰشِعِیْنَ ☆
الَّذِیْنَ یَظُنُّوْنَ اَنَّھُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّھِمْ وَ اَنَّھُمْ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ ☆

اور (مصیبت کے وقت) صبر اور نماز کا سہارا پکڑو، اور البتہ نماز دوبھر تو ہے، مگر
ان خاکساروں پر نہیں جو بخوبی جانتے ہیں کہ وہ اپنے پروردگار کی بارگاہ میں
حاضر ہوں گے۔ اور ضرور اسی کی طرف لوٹ جائیں گے۔

سورۂ بقرہ ۲ آیات ۴۵، ۴۶

نماز چونکہ اسلام کا پہلا ستون ہے۔ اس لئے جس حد تک ممکن ہو سکے گا اس پر تفصیلی گفتگو کریں گے۔ تاکہ دورانِ نماز بڑے بڑے اختلافی مسائل پر تحقیق کرکے اپنی اس عبادت کو حکم الٰہی اور سنت رسولؐ کے مطابق ڈھال سکیں۔ جن مقامات پر کوئی بڑا اختلاف نہیں، ان مقامات کو ہم نے اختصار کے پیشِ نظر چھوڑ دیا ہے۔

نماز کی اہمیت :

نماز کے علاوہ فروعِ دین میں جتنی عبادات ہیں۔ انکی ادائیگی کو اللہ تعالیٰ نے مشروط رکھا ہے۔ مثلاً اگر صحت مند ہو، تو روزہ رکھو۔ مالی طور پر اس قابل ہو، تو زکوٰۃ دو۔ صحت مند اور مالی استطاعت رکھتے ہو، تو حج کرو۔ لیکن نماز وہ واحد عبادت ہے جس میں چھوٹ نہیں، سوائے پاگل ہونے کے۔ نماز اگر کھڑے ہو کر نہیں پڑھ سکتے تو بیٹھ کر پڑھو، بیٹھ کر نہیں پڑھ سکتے، تو لیٹ کر پڑھو، یہاں تک کے بسترِ مرگ پر بھی اسکی چھوٹ نہیں۔

تمام اعمال کا انحصار نماز پر :

آنحضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ نے فرمایا ''نماز دین کا ستون ہے۔ اگر یہ قبول ہوگئی، تو تمام عبادتیں قبول ہو جائیں گی۔ اور اگر یہ رد ہوگئی، تو تمام عبادتیں مسترد کر دی جائیں گی''۔ (سنن نسائی) پس جب تمام عبادتوں کا قبول ہونا نماز کے قبول ہونے پر منحصر ہے، تو ہر مسلمان کا فرض ہے کہ اس اولین عبادت کو اسی طریقے سے بجالائے، جس طریقے کا حکم اللہ تعالیٰ اور رسول اللہؐ نے دیا ہے۔ کیونکہ نماز سے زیادہ عبدیت کا اظہار کسی اور عبادت میں نہیں ہوتا اس لئے یہ اور بھی زیادہ ضروری ہے کہ اپنی تحقیق کے ذریعے اسکی اصلاح کی جائے۔ اور اسے مکمل طور پر سنت رسولؐ کے مطابق ڈھالا جائے۔ جس کی تاکید رسول اللہؐ نے فرمائی

''صلوا کما رایتمونی اصلی''۔ (صحیح بخاری)

''نماز اسطرح پڑھو جس طرح مجھ کو پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو''۔

رسالت مآب ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے۔

رسول اللہ ﷺ یقول ان اول مایحاسب به العبد بصلوٰۃ فان صلحت فقد افلح و انجع و ان فسدت فقدخاب و خسر۔

رسول اللہؐ نے فرمایا: روزِ قیامت بندے کا سب سے پہلے نماز کا حساب ہوگا، اگر نماز صحیح ہوئی تو وہ کامیاب ہوگیا اور مقصد حاصل کر لیا، اور اگر خراب ہوئی تو وہ برباد ہوگیا۔ [1]

---

[1] سنن نسائی جلد اول۔ ص۱۸۲ کتاب الصلوٰۃ۔ باب المحاسبۃ علی الصلوات۔ حدیث ۴۶۹

باب۔ ۳

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اوقاتِ نماز

اسلام کے مختلف مسالک کے درمیان سخت ترین پیچیدہ فقہی مسائل میں سے ایک اوقاتِ نماز کا مسئلہ بھی ہے۔ اس میں چند بڑے شدید اختلافات ہیں۔ مثلاً ہر نماز کے کتنے اوقات ہیں؟۔ ہر نماز کا وقت فضیلت کب شروع ہوتا ہے۔ اور کب ختم ہوتا ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔ انہی میں سے ایک بڑا اختلاف جمع صلاتین کے متعلق بھی ہے۔

جمع صلاتین دو نمازوں کو یکے بعد دیگرے پڑھنے کو کہتے ہیں۔ یعنی ظہر کے بعد عصر کی نماز پڑھی جائے۔ اور نمازِ مغرب کے تھوڑی دیر بعد عشاء کی نماز ادا کی جائے، تو اس کو جمع صلاتین کہتے ہیں۔

اسلام کے مختلف مکاتبِ فکر میں جمع صلاتین کے جواز اور عدم جواز پر خاصہ اختلاف پایا جاتا ہے۔ درحقیقت اکثر اختلافی مسائل کی طرح یہ مسئلہ بھی افراط وتفریط کا شکار ہو گیا۔ اصل اختلاف تو اس عمل کے جواز میں تھا۔ یعنی نمازوں کا جمع کرنا جائز ہے، یا نہیں؟۔ اس میں قطعاً کوئی اختلاف نہیں کہ ہر نماز کو اس کے افضل میں وقت پڑھنا افضل ہے۔ مگر اس افراط وتفریط کا نتیجہ یہ نکلا کہ جمع صلاتین کو جائز سمجھنے والوں نے اس عمل کو ہر حال میں اپنے اوپر لازم کر لیا۔ اور وہ سمجھتے ہیں کہ اگر کبھی انہوں نے ان نمازوں کو الگ الگ پڑھ لیا تو ان کی یہ نمازیں باطل ہو جائیں گی۔ اور اسی طرح جمع صلاتین کو ناجائز سمجھنے والوں نے اس کو اس طرح شجرہ ممنوعہ سمجھ رکھا ہے کہ اگر انہوں نے کبھی ان نمازوں کو ملا کر پڑھ لیا، تو ان کی نمازیں باطل ہو جائیں گی۔

اس باب میں ہم جمع صلاتین کے جواز اور عدم جواز پر تحقیق کریں گے۔ اور اس سلسلے میں حکم الٰہی، سنت رسولؐ اور صحابہ کرامؓ کے عمل کا جائزہ لیں گے۔

سب سے پہلے ہم قرآنِ مجید میں تلاش کرتے ہیں کہ اوقاتِ نماز کے بارے کوئی حکم ہے؟۔ اور اگر حکم ہے، تو وہ کیا ہے؟۔

اوقاتِ نماز اور قرآن :

قرآنِ مجید میں پانچ مقامات پر نمازوں کے اوقات کا ذکر ہے۔ ایک **سورہ ھود** میں، دوسرا **سورہ بنی اسرائیل** میں، تیسرا **سورہ ق** میں، چوتھا **سورہ طه** میں اور پانچواں **سورہ روم** میں۔

یہ الفاظ ہیں سورۂ بنی اسرائیل کے، ارشادِ ربُّ العالمین ہے

اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِدُلُوْکِ الشَّمْسِ اِلٰی غَسَقِ الَّیْلِ وَ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ ؕ اِنَّ
قُرْاٰنَ الْفَجْرِ کَانَ مَشْھُوْدًا ۝

نماز کو سورج کے ڈھلنے سے (ظہر وعصر)، رات کے اندھیرے تک (مغرب وعشاء) پڑھا کرو۔ اور نماز فجر کیونکہ فجر کی نماز گواہی ہے۔

سورۂ بنی اسرائیل ۱۷ آیت ۷۸

آیہ مبارکہ کی تفاسیر :

زرارہؒ سے روایت ہے کہ میں نے امام محمد بن علیؑ سے سوال کیا۔ کتنی نمازیں فرض ہیں؟۔ فرمایا پانچ دن اور رات میں، میں نے کہا کیا اللہ نے ان کا نام رکھا ہے، اور اپنی کتاب (قرآن) میں بیان فرمایا ہے؟۔ فرمایا ہاں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ نماز پڑھو "**دلوک شمس**" سے "**غسق الیل**" تک۔ بس "**دلوک شمس**" سے مراد زوالِ آفتاب ہے۔ اور "**غسق الیل**" تک، نصف شب کا وقت ہے۔ اور صبح کی نماز جو گواہ بنے گی۔

یہ پانچوں نمازیں ہیں۔ [1]

---

[1] علامہ یعقوب کلینیؒ کی فروع کافی جلد دوئم۔ ص ۱۲ طبع کراچی

امام فخر الدین رازیؒ کی تفسیر :

قدیم شافعی عالم امام فخر الدین رازیؒ اس آیت کے ذیل میں تحریر فرماتے ہیں۔

ھذا آلایتہ لو ھم ان للظھر و العصر وقتا واحدا و للمغرب و العشاء وقتا واحدا۔

یہ آیت بتاتی ہے کہ یقیناً نماز ظہر و عصر کا ایک وقت ہے۔ اور مغرب اور عشاء کا ایک وقت ہے۔ [۱]

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی تفسیر :

اس آیہ مبارکہ کی تفسیر میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اپنی مشہور کتاب حجتہ اللہ البالغہ میں تحریر فرماتے ہیں۔

> ''یعنی نماز کے اوقات حقیقت میں تین ہی ہیں۔ صبح، ظہر اور رات کی تاریکی کا وقت۔ اور یہی معلوم مفہوم خدا کے اس قول '' اقم الصلوٰۃ لدلوک الشمس'' کا ہے اور'' الی غسق اللیل'' اس وجہ سے فرمایا ہے کہ ظہر کی نماز کا وقت غروبِ آفتاب تک پھیلا ہوا ہے۔ کیونکہ دونوں کے درمیان کوئی فاصلہ نہیں ہے۔ اور اس وجہ سے ضرورت کے وقت نمازِ ظہر اور عصر میں۔ نیز نمازِ مغرب وعشاء میں جمع کرنا جائز ہے''۔ [۲]

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اپنے قائم کردہ عقائد سے مغلوب ہو کر آخر میں اشتباہ کر گئے کہ '' ضرورت کے وقت نمازِ ظہر و عصر اور مغرب اور عشاء میں جمع کرنا جائز ہے''۔ حالانکہ ابتداء میں خود اعتراف کر چکے ہیں کہ '' اوقاتِ نماز حقیقت میں تین ہی ہیں''۔ جس آیت کی تفسیر شاہ صاحب فرما رہے ہیں۔ اس میں کہیں '' ضرورت کے وقت''۔ کا ذکر نہیں۔ اس کو کہتے ہیں

---

[۱] امام رازیؒ کی تفسیر کبیر جلد ۴۔ ص ۴۵۲ طبع مصر

[۲] شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی حجتہ اللہ البالغہ۔ ص ۱۹۳

اپنے عقائد کو حکمِ قرآنی میں ڈھالنے کے بجائے، قرآنی حکم کو اپنے عقائد کے مطابق ڈھالنے کی کوشش۔

سورۂ بنی اسرائیل کی مذکورہ آیہ مبارکہ، اور مفسرین کی تفاسیر کا جائزہ لینے کے بعد یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو اوقاتِ نماز کا حکم دیا ہے۔ وہ در حقیقت تین ہی ہیں۔ یعنی (۱) زوالِ آفتاب کے بعد، اور (۲) رات کی تاریکی میں اور (۳) نماز فجر۔ یہ تین اوقات نماز کے ہیں۔ سورۂ بنی اسرائیل کی مذکورہ آیہ مبارکہ کے علاوہ قرآنِ مجید میں جن دیگر مقامات پر اوقاتِ نماز کا ذکر ہو رہا ہے۔ آیئے مختصراً ان کا بھی جائزہ لے لیں تا کہ حکمِ الٰہی اور واضح ہو سکے، اور ہم ان احکامات کی روشنی میں سنت رسولؐ کا جائزہ لیں سکیں۔

یہ الفاظ ہیں سورۂ ھود کے، ارشادِ ربانی ہے۔

وَ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ طَرَفَیِ النَّھَارِ وَ زُلَفًا مِّنَ الَّیۡلِ ؕ اِنَّ الۡحَسَنٰتِ
یُذۡہِبۡنَ السَّیِّاٰتِ ؕ ذٰلِکَ ذِکۡرٰی لِلذّٰکِرِیۡنَ ☆

اور دن کے دونوں کنارے اور کچھ رات گئے نماز پڑھا کرو (کیونکہ) نیکیاں یقیناً گناہوں کو دور کر دیتی ہیں، اور ہماری یاد کرنے والوں کیلئے یہ باتیں نصیحت و عبرت ہیں۔

سورۂ ھود۱۱ آیت۱۱۴

یہاں ''دن کے دونوں کناروں'' سے مراد نمازِ فجر، ظہر و عصر اور ''کچھ رات گئے'' سے مراد نمازِ مغرب و عشاء ہیں۔ سورۂ ھود کی مذکورہ آیہ مبارکہ میں بھی تین اوقاتِ نماز کا ذکر ہے۔ قرآنِ مجید میں پانچ نمازوں کے اوقات کا ذکر سورۂ ق میں ہوا۔

ارشادِ ربُّ العزت ہے

فَاصۡبِرۡ عَلٰی مَا یَقُوۡلُوۡنَ وَ سَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّکَ قَبۡلَ طُلُوۡعِ الشَّمۡسِ
وَ قَبۡلَ الۡغُرُوۡبِ ☆ وَمِنَ الَّیۡلِ فَسَبِّحۡہُ وَ اَدۡبَارَ السُّجُوۡدِ ☆

اور آفتاب کے نکلنے سے پہلے (نمازِ فجر) اور غروب سے پہلے (نمازِ ظہر و عصر)

اپنے پروردگار کی حمد کی تسبیح کیا کرو۔ اور تھوڑی دیر رات کو (نمازِ مغرب و عشاء) بھی۔ اور نماز کے بعد بھی اسکی تسبیح کرو۔

سورۃ ق ۵۰ آیات ۳۹، ۴۰

قرآنِ مجید میں جن مقامات پر بھی پانچ نمازوں کے اوقات کا ذکر ہوا ہے۔ وہاں ان نمازوں کے اوقات تین ہی مذکور ہیں۔ مندرجہ بالا آیات مبارکہ میں آپ نے بھی یہ بات محسوس کی ہوگی کہ یہ حکم الٰہی مشروط نہیں۔ یعنی اگر غیر معمولی حالات ہوں تو جمع صلاتین کریں اور اگر حالات معمول پر ہوں، تو ایسا نہ کریں۔ اس قسم کی کوئی بات ان تمام آیات میں نہیں۔ بلکہ ان تمام آیات کے الفاظ میں ہمشگی ہے، جو واضح ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جن مفسرین نے ان آیات پر غور کیا ہے۔ انہوں نے یہ بات تسلیم کی ہے کہ اوقاتِ نماز حکم الٰہی کے مطابق تین ہی ہیں۔ ان احکاماتِ قرآنی کا جائزہ لینے کے بعد آیئے اب سنت رسولؐ کا جائزہ لیتے ہیں کہ وہ اس سلسلے میں کیا تھی؟۔

اوقاتِ نماز اور سنت رسولؐ :

حدثنا أبو النعمان قال حدثنا حماد ابن زید عن عمرو بن دینار عن جابر بن زید عن ابن عباسؓ ان النبی ﷺ بالمدینة سبعاد و ثمانیا الظهر و العصر و المغرب و العشآء فقال ایوب لعله فی لیلة مطیرة قال عسیٰ۔

جابر بن زید نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مدینہ منورہ میں نماز پڑھائی تو سات اور آٹھ رکعتیں ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی۔ ایوب نے کہا کہ شاید بارش والی رات ہوگی؟۔ (جابر) نے فرمایا ممکن ہے۔ [1]

مندرجہ بالا حدیث میں رسولؐ اللہ کا ظہر و عصر اور مغرب و عشاء کو جمع کرنا مجبوراً بارش کے باعث بیان کیا جا رہا ہے، شاید یہ شک حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کے سامنے کیا گیا ہو۔ جس

---

[1] صحیح بخاری جلد اول۔ ص ۲۹۷ کتاب مواقیت الصلوٰة، باب ۳۶۲۔ حدیث ۵۱۳ طبع لاہور

کے بارے میں حضرت ابن عباسؓ کے شاگرد سعید بن جبیرؒ اس شک کی تردید یوں کرتے ہیں۔ یہ الفاظ ہیں سنن ابوداؤد کے اور تقریباً انہی الفاظ سے دیگر ائمہ حدیث نے اس حدیث کو اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے۔

عن ابن عباس قال جمع رسول الله صلى الله عليه وسلم بين الظهر و العصر و المغرب و العشآء بالمدينة من غير خوف ولا مطر فقيل لابن عباس مآ اراد الى ذلك قال اراد ان لايحرج اُمته۔

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے جمع کیا ظہر اور عصر اور مغرب اور عشاء کو مدینہ میں، بغیر خوف اور بغیر بارش کے، لوگوں نے ابن عباسؓ سے کہا اس سے کیا مقصد تھا؟۔ انہوں نے جواب دیا تا کہ اُمت میں سے کسی کو تکلیف نہ ہو۔ [1]

تیسری حدیث :

عن ابن عباس قال صليت ورآء رسول الله ﷺ ثمانيا جميعا و سبعا جميعا۔

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے پیچھے آٹھ رکعتیں (ظہر و عصر) جمع کیں، اور سات رکعتیں (مغرب و عشاء) جمع پڑھیں۔ [2]

---

[1] سنن ابوداؤد جلد اول۔ ص۴۵۳ **ابواب صلوة السفر، باب الجمع بين الصلوتين**، حدیث ۱۱۹۸ طبع لاہور ، صحیح مسلم جلد ۲۔ ص۲۲۴ کتاب **صلوٰة المسافرين** ، سنن نسائی جلد اول۔ ص۲۱۹ کتاب **المواقيت، باب الجمع بين الصلوتين فى الحضر**، حدیث ۶۰۵ ، جامع ترمذی جلد اول **ابواب الصلوة**۔ ص۱۱۳ ، مسند احمد بن حنبل جلد اول۔ ص۲۲۳ طبع مصر

[2] صحیح بخاری جلد اول۔ ص۳۰۲ کتاب **مواقيت الصلوٰة**، باب ۳۶۸، حدیث ۵۳۲ ، صحیح مسلم شریف جلد دوئم۔ ص۲۲۵ کتاب **صلوٰة المسافرين، باب جواز الجمع بين الصلوتين** سنن ابوداؤد جلد اول۔ ص۴۵۴ **ابواب صلوة السفر، باب الجمع بين الصلوتين**، حدیث ۱۲۰۱

چوتھی حدیث :

جامع ترمذی، سنن نسائی، ابن حبان، الرویانی، مستدرک الحاکم اور طبرانی کی الکبیر میں حضرت حذیفہ یمانی ؓ سے روایت مذکور ہے کہ میں نے اپنی والدہ سے کہا کہ جنابِ رسولؐ اللہ تشریف لائے ہیں۔ میں ان کے ساتھ نماز پڑھنے جاتا ہوں۔ اور نبی کریمؐ سے اپنے لئے اور آپ کیلئے دعائے مغفرت چاہوں گا۔ پس میں خدمتِ رسولؐ میں حاضر ہوا اور حضورؐ کے پیچھے مغرب کی نماز ادا کی۔ پھر حضرتؐ نے عشاء کی نماز پڑھائی اور پھر لوٹ پڑے میں نے حضرتؐ کی اتباع کی۔

رسولؐ اللہ کے جمع صلاتین کی کافی حدیثیں مختلف کتابوں میں مرقوم ہیں۔ جن میں سے چند حدیثیں ہم نے بیان کیں۔ اب صحابہ کرامؓ کے عمل کا جائزہ لیتے ہیں کہ وہ اس سلسلے میں کیا تھا۔

صحابہ کرامؓ کا عمل :

حدثنا العلآء انه دخل علی انس بن مالك فی داره بالبصرة حین انصرف من الظهر و داره بجنب المسجد فلما دخلنا علیه قال صلیتم العصر قلنالا انما انصر فنا الساعه الظهر قال فصلوا العصر قال فقمنا فصلینا فلما انصر فنا قال سمعت رسول الله ﷺ یقول تلك صلوة المنافق جلس یرقب صلوة العصر حتي اذا كانت بین قرنی الشطان قام فنقرار بعالا یذكر الله عزوجل فیها الا قلیلا ۔

حضرت علاء بن عبدالرحمٰن سے روایت ہے کہ میں بصرہ میں انسؓ بن مالک کے گھر گیا۔ ہم ظہر کی نماز پڑھ کر آئے تھے۔ ان کا (انسؓ) گھر مسجد کے ساتھ ہی تھا۔ جب ہم ان کے ہاں داخل ہوئے، تو انھوں نے پوچھا کہ کیا تم نے عصر کی نماز پڑھ لی ہے؟۔ ہم نے کہا نہیں، ابھی تو ہم ظہر کی پڑھ کر آ رہے ہیں۔ فرمانے لگے تو پھر عصر پڑھ لو، چنانچہ ہم کھڑے ہوئے اور عصر کی نماز پڑھی۔ جب فارغ ہوئے تو انہوں نے رسولؐ اللہ کا

ارشاد نقل فرمایا: یہ منافق کی نماز ہے کہ بیٹھ کر عصر کا انتظار کرتا ہے۔ اور جب سورج شیطان کے دونوں سینگوں میں پہنچ جائے، تو اٹھ کر چار چونچیں مار دے۔ اور ان میں اللہ کو بہت کم یاد کرے۔ [۱]

دوسری روایت:

حضرت ابوامامہ بن سہلؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم نے عمر بن عبدالعزیزؒ کے ساتھ ظہر کی نماز پڑھی۔ اور پھر میں انسؓ بن مالک کے پاس گیا، تو وہ عصر کی نماز پڑھ رہے تھے میں نے پوچھا، چچا! آپ کون سی نماز پڑھ رہے تھے؟۔ فرمایا: عصر کی نماز ہم لوگ (صحابہؓ) اس وقت رسولؐ اللہ کے ساتھ عصر کی نماز پڑھا کرتے تھے۔ [۲]

یہاں آپ کے ذہن میں یہ بات آ سکتی ہے کہ حضرت انسؓ بن مالک نماز باجماعت ادا کیوں نہیں فرماتے تھے؟، تو اس سلسلے میں عرض یہ ہے کہ کتاب کی ابتداء میں ہم نے حضرت انسؓ بن مالک کی ایک روایت نقل کی تھی جس میں وہ دیگر صحابہ کی طرح نماز میں کی جانے والی تبدیلیوں پر شکوہ فرما رہے تھے۔ ان روایات کو ذہن میں رکھ کر اگر اس اعتراض کا تجزیہ کیا جائے، تو جواب آسانی سے مل جاتا ہے کہ نماز میں کی جانے والی تبدیلیوں سے دلبرداشتہ ہو کر انہوں نے اپنی نمازیں فرادہ ادا فرمانی شروع کر دیں تھیں۔

تیسری روایت:

یہ الفاظ ہیں صحیح مسلم شریف کے

شقیق کے بیٹے عبداللہ نے کہا: ہم میں ایک دن عبداللہ ابن عباسؓ نے وعظ کہا، جب آفتاب ڈوب گیا اور تارے نکل آئے اور لوگ کہنے لگے نماز، نماز، پھر ایک شخص قبیلہ تمیم

---

[۱] سنن نسائی شریف جلد اول۔ ص ۱۹۳ کتاب المواقیت، باب ۳۰۸، حدیث ۵۱۵ طبع کراچی

[۲] صحیح بخاری شریف جلد اول۔ ص ۲۹۸ کتاب مواقیت الصلوۃ، باب وقت العصر، حدیث ۵۱۹،
سنن نسائی شریف جلد اول۔ ص ۱۹۳ کتاب المواقیت، باب ۳۰۵، حدیث ۵۱۳

کا آیا۔ وہ دم نہ لیتا تھا نہ باز آتا تھا برابر کہہ جاتا تھا نماز، نماز، تب ابن عباسؓ نے فرمایا تو مجھے سنت سکھاتا ہے، تیری ماں مرے۔ پھر کہا کہ میں نے رسولؐ اللہ کو دیکھا کہ آپ جمع کرتے ظہر و عصر کو اور مغرب و عشاء کو۔ عبداللہ بن شقیق نے کہا کہ میرے دل میں خلش رہی، تو میں ابوہریرہؓ کے پاس گیا۔ اور ان سے پوچھا، تو انہوں نے کہا کہ ابن عباسؓ کا قول سچا ہے۔ [1]

اہل حدیث عالم فرماتے ہیں :

صحیح مسلم شریف کی مندرجہ بالا روایت کے ضمن میں اہلحدیث کے عالم علامہ وحید الزماں صاحب لکھتے ہیں

> عبداللہ بن شقیق نے حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت کی کہ ''ہم رسولؐ اللہ کے زمانے میں دو نمازیں جمع کیا کرتے تھے''۔ ''تو اب یہ کیونکر کہہ سکتے ہیں کہ اس عمل کے ترک کرنے پر اجماع ہے؟۔ اور جو چیز آپ ﷺ کے زمانے بابرکت میں صحابہ کرامؓ کا معمول رہا ہو، اس کو سارا زمانہ مل کر کیونکر چھڑا سکتا ہے''۔ [2]

علامہ وحید الزماں صاحب نے سنن ابوداؤد کی شرح میں جمع صلاتین کے مسئلہ پر کافی تفصیلی بحث فرمائی ہے۔ علامہ تحریر فرماتے ہیں ''جن لوگوں کے نزدیک جمع صلاتین درست نہیں ہے۔ ان کے دلائل ضعیف ہیں۔ اور جمع جائز رکھنے والوں کے دلائل بہت قوی ہیں''۔ اور جمع صلاتین کی مخالف حدیثوں کے بارے میں علامہ تحریر فرماتے ہیں۔ ''ترمذی نے ابن عباسؓ سے جو روایت کیا کہ رسولؐ اللہ نے فرمایا : جو جمع کرے دو نمازوں کو بغیر عذر کے، تو وہ بڑے گناہوں کے دروازوں میں سے ایک دروازے میں گیا۔ اس کی اسناد میں حنش بن قیس راوی ضعیف ہے۔ ابن

---

[1] صحیح مسلم شریف جلد۲۔ ص ۲۲۵ کتاب صلوٰۃ المسافرین، باب جواز الجمع بین الصلوٰتین فی السفر مطبوعہ نعمانی کتاب خانہ لاہور

[2] شرح صحیح مسلم امام نووی جلد۲۔ ص ۲۲۶ مطبوعہ نعمانی کتاب خانہ لاہور

جوزی نے اس حدیث کو موضوعات میں ذکر کیا ہے۔ وہ ان صحیح حدیثوں کے معارض نہیں ہو سکتی جن سے جمع کرنا ثابت ہوتا ہے۔ بغیر سفر اور بغیر خوف اور بغیر بارش کے، بعضوں نے یہ تاویل کی ہے کہ شاید یہ مرض کے سبب سے کی ہو۔ اور امام نوویؒ نے اس تاویل کو قوی کہا ہے۔ لیکن اگر سچ پوچھو، تو یہ تاویل بھی غلط ہے۔ اس واسطے کہ اگر مرض تھا تو آنحضرتؐ کو ہوگا، صحابہ کرامؓ کو نہیں۔ دوسرے یہ کہ ابن عباسؓ کا یہ کہنا کہ ''میری اُمت کو تکلیف نہ ہو''۔ مرض والی تاویل کے صریح منافی ہے۔ اور ابن مسعودؓ سے جو مروی ہے کہ انہوں نے آنحضرتؐ کو جمع کرتے نہیں دیکھا سوائے مزدلفہ کے، تو یہ شہادت نفی پر ہے، اور وہ مقبول نہیں ہے۔ دوسرے یہ کہ ابن مسعودؓ سے اسکے خلاف ثابت ہے۔ ابویعلی نے روایت کیا ابی لیلی سے اس نے ابوقیس ازدی سے، اس نے ابن مسعودؓ سے کہ رسولؐ اللہ جمع کرتے تھے، دو نمازوں کو اور طبرانی نے روایت کیا ابن مسعودؓ سے کہ رسولؐ اللہ نے جمع کیا ظہر و عصر اور مغرب و عشاء کو، لوگوں نے اس باب میں آپؐ سے کہا تو آپؐ نے فرمایا: میں نے یہ اس واسطے کیا تا کہ میری اُمت کو تکلیف نہ ہو''۔ [1]

شرح صحیح مسلم میں علامہ وحید الزماں حیران ہیں کہ '' جمع صلاتین کی متفقہ سنت کو سارا زمانہ مل کر کیونکر چھڑا سکتا ہے؟''۔ علامہ کی اس حیرانگی پر، ہم حیران ہیں۔ کیونکہ علامہ موصوف نے خود بھی اور تمام اہل حدیث حضرات نے جمع صلاتین کے حکم الٰہی، سنت رسولؐ اور عہد رسالتؐ میں جاری صحابہ کرامؓ کے معمول کو نہ صرف چھوڑ دیا۔ بلکہ ان تمام اعترافات و اقرار کے باوجود جن کا ذکر علامہ نے اپنی تصانیف میں فرمایا، اپنے سابقہ عقائد سے مغلوب ہو کر اتنی جُرات پیدا نہ کر سکے کہ حقیقت آشکار ہونے کے بعد اپنے عمل کی اصلاح فرماتے اور ان کو حکم الٰہی اور سنت رسول ﷺ کے مطابق ڈھالتے۔

یہ بات کسی خاص مکتبہ فکر تک محدود نہیں بلکہ اکثر مکاتبِ فکر کے علماء نے اپنی تاویلوں سے کام لیتے ہوئے ان احکامات کو بالکل اُلٹ دیا۔ یعنی غیر معمولی حالات میں جمع صلاتین جائز ہے۔ اور اگر حالات معمول پر ہوں، تو جمع صلاتین ہرگز جائز نہیں۔ بات ان دونوں آراء تک

---

[1] شرح سنن ابوداؤد جلد اول۔ ص ۴۵۳۔ (حدیث ۱۱۹۸ کی ذیل میں) مطبوعہ اسلامی اکادمی لاہور

محدود نہیں رہی بلکہ علماء کا ایک گروہ وہ بھی سامنے آ گیا جو دونوں صورتوں میں جمع صلاتین کو ناجائز قرار دیتا ہے۔ جمع صلاتین کو ناجائز قرار دینے والے دونوں مکاتبِ فکر نے اس کے ناجائز ہونے کی دلیل کہاں سے لی؟۔ یہ ہمارے علم میں نہیں۔ کیونکہ قرآنِ مجید کی جن آیات میں اس کا حکم ہے، ان آیات کے منسوخ ہونے کی کوئی آیت نہیں۔ اور اگر اس کے ناجائز ہونے کی دلیل حدیث سے لی گئی، تو کوئی حدیث کسی آیت کو منسوخ نہیں کر سکتی۔ وہ حدیث از خود باطل ہو جائے گی۔ کیونکہ محدثین کے نزدیک جو حدیث قرآن سے ٹکرائے وہ باطل ہے۔ کیا کوئی مسلمان یہ تصور کر سکتا ہے کہ رسولؐ اللہ نے حکم الٰہی کے خلاف کوئی عمل کیا ہو؟۔ اس بات کا تصور بھی کفر ہے۔ کیونکہ حکم الٰہی کو تبدیل کرنے کا اختیار رسول اللہ ﷺ کو بھی نہیں۔

قُلْ مَایَکُوْنُ لِیٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِینَفْسِی ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰی اِلَیَّ ۚ

(اے رسولؐ) کہہ دیں کہ مجھے یہ اختیار نہیں کہ میں اسے اپنی مرضی سے بدل ڈالوں، میں تو بس اسی کا پابند ہوں جو میری طرف وحی کی گئی ہے۔

سورۂ یونس ۱۰ آیت ۱۵

اگر جمع صلاتین کے قرآنی حکم اور متفقہ سنت کو ناجائز قرار دینے کو اجماعِ اُمت کا نام دیا جائے، تو اس اجماع میں شامل علماء (معاذ اللہ) کیا رسولؐ اللہ سے زیادہ بااختیار ہیں؟۔ اس بات کا فیصلہ کرنا، ان علماء کے پیروکاروں کا کام ہے۔ جنہوں نے حکم الٰہی کے خلاف اجماع کی پیروی کرتے ہوئے جمع صلاتین کو ناجائز کیا ہوا ہے۔ حالانکہ یہی حضرات تمام مسلمانوں کے ساتھ دورانِ حج مزدلفہ کے مقام پر جمع صلاتین کرتے ہیں۔

حکم الٰہی، سنت رسولؐ اور صحابہ کرامؓ کے متفقہ عمل کے مطابق نماز ظہر کے فوراً بعد نماز عصر کا اور نمازِ مغرب کے فوراً بعد نمازِ عشاء کا وقت شروع ہو جاتا ہے جو ان نمازوں کا اولین وقت ہے۔ اور کسی نماز کا اولین وقت، ''وقت فضیلت'' ہوتا ہے۔ جو حضرات جمع صلاتین کو ناجائز سمجھ کر اسے ترک کئے ہوئے ہیں وہ نمازِ عصر اور نمازِ عشاء وقت فضیلت گذر جانے کے بعد ادا کرتے ہیں۔ جبکہ تمام مسالک کا اس پر اتفاق ہے کہ وقت فضیلت میں ادا کی جانے والی نماز، بعد میں

پڑھی جانے والی نماز سے افضل ہوتی ہے۔

وقت فضیلت اور نماز کی ادائیگی :

امام شافعیؒ فرماتے ہیں :

وقت فضیلت پانچوں نمازوں کے اوقات میں پایا جاتا ہے۔ اسکو ''وقت فضیلت'' اس لئے کہا جاتا ہے۔ اس وقت کے اندر جو نماز پڑھی جائے گی۔ وہ اس کے بعد پڑھی جانے والی نمازوں سے افضل ہوگی۔ [۱]

امام جعفر صادقؒ فرماتے ہیں :

ہر نماز کیلئے دو وقت ہیں، اول وقت۔ وقت فضیلت ہے۔ کسی کیلئے یہ مناسب نہیں کہ وہ آخر وقت میں نماز ادا کرے۔ ہاں، بیماری کے سوا کوئی عذر نہیں۔ [۲]

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

---

[۱] کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ جلد اول۔ ص ۲۹۶ (جامعہ الازہر مصر)

[۲] فروع کافی جلد ۲۔ ص ۱۷ اکتاب الصلوٰۃ۔ باب ۴ طبع کراچی

باب۔ ۴

بِسۡمِ اللہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

رفع یدین

رفع یدین سے مراد نماز کے دوران تکبیروں پر ہاتھ اٹھانا ہے۔ اس موضوع پر سب سے پہلے احادیث کی روشنی میں سنت رسولؐ کا جائزہ لیں گے۔ اس کے بعد صحابہ کرامؓ واہل بیتؑ اور تابعینؒ کے عمل کے جائزے کے بعد ائمہ اربعہؒ اور ائمہ اہل بیتؑ کی آراء کا۔ اور آخیر میں رفع یدین سے انکار کی احادیث وروایات کا جائزہ لیں گے۔ تاکہ اپنی نمازوں کو حکم الٰہی اور سنت رسولؐ کے مطابق ڈھال سکیں۔ اور روزِ قیامت ہماری یہ اولین عبادت صرف اس وجہ سے رائیگاں نہ ہو جائے کہ یہ حکم الٰہی وسنت رسولؐ کے مطابق نہیں تھی۔

تمام احادیث کی کتابوں میں رفع یدین سے متعلق احادیث کی اس قدر فراوانی ہے کہ ان کے ذکر کرنے کیلئے ایک الگ کتابؒ کی ضرورت ہے۔ یہاں ہم مختصراً ان چند حدیثوں کا ذکر کریں گے۔ جن میں رسولؐ اللہ کی ساری حیات مبارک رفع یدین جاری رکھنے کا ذکر مروی ہے۔

پہلی حدیث :

اخبرنا محمد بن المثنیٰ قال حدثنا ابن ابی عدی عن شعبة عن قتادة عن نصر بن عاصم عن مالك بن الحویرث انه رای النبی صلعم رفع یدیه فی صلوة و اذا رکع و اذا رفع راسه من الرکوع و اذا سجدو اذا رفع راسه من السجود حتیٰ یحاذی بهما فروع اذنیة ۔

حضرت مالک بن حویرثؓ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریمؐ کو نماز (شروع کرتے وقت)، رکوع کرتے وقت، رکوع سے سر اُٹھاتے وقت، سجدہ کرتے

وقت اور سجدے سے اٹھتے وقت رفع یدین کرتے ہوئے دیکھا ہے، آپ ؐ ہاتھ کانوں کی لوتک لے جاتے تھے۔ [۱]

دوسری حدیث :

حدثنا ایوب بن محمد نه الهاشمی ثنا عمر عن عبدالله طاوس عن ابیه عن ابن عباس رضی الله عنه ان رسول ؐ الله کان یرفع یدیه عند کل تکبیرة۔

حضرت طاؤس ؒ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عباس ؓ فرماتے ہیں کہ رسول ؐ اللہ ہر تکبیر کے وقت ہاتھ اٹھایا کرتے تھے۔ [۲]

تیسری حدیث :

عن عبیدالله بن ابی رافع عن علی بن ابی طالب کرم الله وجهه قال کان النبی ﷺ اذا قام الی الصلوة المکتوبته کبرو رفع یدیه حتی یکونا حذو منکبیکه و اذا ارادان یرکع فعل مثل ذلك و اذا رفع راسه من الرکوع فعل مثلذلك و اذا قام من السجد تین فعل مثل ذلك۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ جب نماز کیلئے کھڑے ہوتے، تو تکبیر کہتے اور شانوں تک ہاتھ اُٹھاتے۔ رکوع میں جاتے وقت بھی ایسا ہی کرتے اور رکوع سے اُٹھتے وقت بھی اور جب دونوں سجدوں سے اُٹھتے تب بھی ایسا ہی کرتے تھے۔ [۳]

---

[۱] سنن نسائی جلد اول۔ ص۳۵۲ کتاب الافتتاح، باب رفع الیدین للسجود، حدیث ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱ یہ تین حدیثیں ہیں

[۲] سنن ابن ماجہ جلد اول ص۲۷۳، ابواب اقامة الصلوٰت و السنة فیها۔ باب ۲۳۸، حدیث ۹۱۱

[۳] سنن ابن ماجہ جلد اول۔ ص۲۷۳ حدیث ۹۱۰ طبع لاہور ، مسند احمد بن حنبل جلد ۳۔ ص ۱۶۵ طبع مصر، صحیح ابن خزیمہ جلد اول۔ ص۳۱۳ ، نصب الرایۃ جلد اول۔ ص۴۱۲

چوتھی حدیث :

حدثنا هشام بن عمار ثنا و فدة بن فضاعته الغسانی ثنا الاوزاعی عن عبدالله بن عبید بن عمیر عن ابیه عن جده عمیر بن حبیب قال و کان رسول ﷺ یرفع یدیه مع کل تکبیرة فی الصلوة المکتوبة۔

حضرت عمیر بن حبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ ہر تکبیر کے ساتھ ہاتھ اٹھایا کرتے تھے۔ [1]

پانچویں حدیث :

حضرت انسؓ بن مالک نے فرمایا کہ حضور اکرم ﷺ نے اپنی پوری حیات مبارکہ میں ایسی کوئی نماز نہیں پڑھی، جس میں رفع یدین نہ کیا ہو۔ [2]

چھٹی حدیث :

امام بیہقیؒ کی سنن بیہقی میں حضرت ابوبکرؓ سے، امام دارقطنیؒ کی سنن کبیر میں حضرت عمر بن خطابؓ اور تعلیق المغنی میں حضرت عثمانؓ سے مروی احادیث ہیں کہ ان سب حضرات نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی اور آپؐ ہمیشہ نماز میں رفع یدین کیا کرتے تھے۔ [3]

ساتویں حدیث :

اس حدیث کو غور سے پڑھیے۔ کیونکہ اس حدیث کو بعد میں ہم اپنے استدلال میں پیش کریں گے۔

---

[1] سنن ابن ماجہ جلد اول۔ ص۲۷۲ **ابواب اقامة الصلوٰت و السنة فیها۔** باب ۲۳۸ حدیث ۹۰۷

[2] مجمع الزوائد۔ ص۱۸۲ ، **التعلیق المغنی**۔ ص۱۱۰

[3] سنن بیہقی جلد ۲۔ ص۷۳ ، سنن کبیر جلد اول۔ ص۱۷۵ ، **التعلیق المغنی**۔ ص۱۱۱

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے بچشم خود رسول اکرم ﷺ کو رفع یدین کرتے دیکھا اور یہ عمل ساری زندگی جاری رہا۔ [1]

رسول اللہ کے رفع یدین کرنے کی احادیث حدِ تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں۔ اُن میں سے چند احادیث پیش کرنے کی ہم نے سعادت حاصل کی۔ جن میں رسول اللہ کی ساری حیات مبارک رفع یدین کرنے کا ذکر مروی ہے۔

ائمہ حدیث اور رفع یدین :

علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے اپنی کتاب **الازھار المتناثرہ فی الاخبار المتواترہ** میں رفع یدین کی حدیثوں کو متواتر قرار دیا ہے۔ جبکہ امام بخاریؒ نے رفع یدین پر ایک مستقل کتاب جاری کی جس میں تحریر کرتے ہیں۔ ''اہل حجاز اور اہل عراق کے اہل تحقیق علماء جن کو ہم نے پایا، ان میں سے کسی کے نزدیک ایسی کوئی حدیث ثابت نہیں تھی۔ جس میں یہ ہو کہ رسول اللہ نے یا کسی ایک صحابی نے بھی رفع یدین نہ کیا ہو''۔ [2]

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی رفع یدین، اہل بیت اور صحابہ کرام کا معمول رہا۔

اہل بیتؓ، صحابہ کرامؓ اور تابعین عظامؒ کا عمل :

ابن مردویہؒ، ابو نعیمؒ اور مستدرک الحاکم میں حضرت انسؓ بن مالک، زید بن ارقمؓ
اور عمران بن حصینؓ سے روایات ہیں کہ حضرت علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ
ہمیشہ دورانِ نماز ہر تکبیر میں رفع یدین کیا کرتے تھے۔

امام بخاریؒ نے رفع یدین پر اپنی کتاب میں رسول اللہ کے انیس (۱۹) صحابہ کرامؓ کے متعلق روایت نقل کی ہے کہ وہ دورانِ نماز رفع یدین کرتے تھے، ان میں حضرت ابن عباسؓ،

---

[1] سنن بیہقی جلد ۲۔ ص ۷۷ ، اس حدیث کو امام حاکمؒ نے اپنی مستدرک میں بھی پیش کیا۔

[2] امام بخاری کی جزء رفع یدین۔ ص ۱۶

عبداللہ بن عمرؓ، انسؓ، ابوہریرہؓ، ابوقتادہؓ، ابواسیدؓ، محمد بن مسلمؓ، عبداللہ بن زبیرؓ، سہل بن سعدؓ، ابوموسیٰ اشعریؓ، وائل بن حجرؓ، ابوحمید الساعدیؓ، مالک بن حویرثؓ، ابن عمروؓ شامل ہیں۔

امام بیہقی نے ان صحابہ کرام کے اسمائے گرامی جن سے رفع یدین کی حدیثیں مروی ہیں، جمع کیے ہیں ان کی تعداد تیں (۳۰) تک پہنچ گئی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ رفع یدین نماز کی زینت ہے۔ [۱]

ابن عون سے روایت ہے کہ یحیی بن سعیدؒ فرماتے تھے کہ میں نے حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کو واعظ کے ہاں دیکھا۔ رفع یدین کرتے وقت کندھوں تک ہاتھ اٹھاتے تھے۔ [۲]

رفع یدین اور ائمہ اہلِ بیتؒ :

زرارۃ سے روایت ہے کہ میں نے امام محمد باقرؒ کے ساتھ نماز پڑھی، آپؒ نے ہر تکبیر پر رفع یدین کیا۔ [۳]

تابعینِ عظامؒ :

اور تابعین عظام میں حضرت طاؤس بن کیسانؒ، ابن سیرینؒ، حسن بصریؒ، عطاء بن رباحؒ، مجاہدؒ، مکحولؒ، سعید بن جبیرؒ، قاسم بن محمدؒ، قتادہؒ، سالمؒ، امام شافعیؒ، احمد بن حنبلؒ، اسحٰقؒ، عبداللہ ابن مبارکؒ، اور سفیان بن عیینہؒ رفع یدین کے قائل تھے۔

امام سیرینؒ فرماتے ہیں کہ نماز میں رفع یدین کرنا نماز کی تکمیل کا باعث ہے۔ اور عبدالمالکؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت سعید بن جبیرؒ سے نماز میں رفع یدین کرنے کے متعلق پوچھا، تو انہوں نے کہا کہ یہ وہ چیز ہے کہ تیری نماز کو مزین کر دیتی ہے۔ [۴]

---

[۱] العینی جلد ۳۔ ص ۷

[۲] امام ذہبیؒ کی تذکرۃ الحفاظ جلد اول۔ ص ۱۲۶

[۳] فروع کافی جلد ۲۔ ص ٦٦

[۴] شرح صحیح مسلم امام نووی جلد اول۔ ص ۱۸

سنت رسولؐ اور اہل بیتؓ وصحابہ کرامؓ اور تابعینؒ کے عمل کا جائزہ لینے کے بعد، اب ہم رفع یدین کے متفقہ عمل کے بارے میں ائمہ اربعہ کی آراء کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

رفع یدین اور ائمہ اربعہؒ :

رفع یدین کے متعلق ائمہ اربعہؒ کے درمیان اختلاف ہے۔ ائمہ اربعہ میں سے دو ائمہ تکبیر تحریم کے علاوہ دیگر تکبیروں پر رفع یدین کے قائل ہیں۔ جبکہ دو ائمہ تکبیر تحریم کے علاوہ دیگر تکبیروں پر رفع یدین کو جائز قرار نہیں دیتے۔

مسالکِ شافعی وحنبلی :

امام شافعیؒ اور امام حنبلؒ کے مطابق ''کامل ترین سنت یہ ہے کہ تکبیر تحریم کے وقت اور رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت اور تشہد کے بعد کھڑے ہونے کے وقت، دونوں ہاتھ اٹھائے جائیں، یہ حکم عورت اور مرد دونوں کیلئے یکساں ہیں''۔ [۱]

مسلکِ حنفیہ :

مسلکِ حنفیہ کے مطابق مرد کیلئے صرف تکبیر تحریم کے وقت دونوں ہاتھوں کو کانوں تک اٹھانا اور انگلیوں کو منتشر رکھنا سنت ہے، یعنی پنجہ کھلا رہے۔ لونڈی کیلئے بھی یہی حکم ہے، لیکن آزاد عورت کیلئے سنت یہ ہے کہ وہ دونوں شانوں تک اٹھائے۔ عیدین کی نمازوں اور دعائے قنوت کی تکبیروں کا وہی حکم ہے جو تکبیر تحریم کا ہے۔ یعنی ان سب میں دونوں ہاتھ اٹھائے جائیں۔ [۲]

مسلکِ مالکیہ

مسلکِ مالکیہ کے مطابق ''تکبیر تحریم میں دونوں ہاتھوں کا مونڈھوں تک اٹھانا سنت ہے۔ جبکہ باقی اعمال میں مکروہ ہے۔ [۳]

---

[۱] کتاب الفقہ علی المذاھب الاربعہ جلد اول۔ ص ۳۹۷ ، شرح مسلم امام نووی جلد اول۔ ص ۱۶۸ طبع لاہور

[۲] و [۳] کتاب الفقہ المذاھب الاربعہ جلد اول۔ ص ۳۹۷ (جامعہ الازہر مصر)

امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک تکبیر تحریم سمیت دیگر تکبیروں پر رفع یدین کرنا کامل ترین سنت ہے۔ جبکہ امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک رفع یدین صرف تکبیر تحریم کے وقت کرنا سنت ہے، دیگر تکبیروں پر ناجائز ومکروہ ہے۔ دیگر تکبیروں پر رفع یدین ناجائز ومکروہ ہونے کے استدلال کا جائزہ ہم بعد میں لیں گے۔ مگر اس سے پہلے رفع یدین کے سلسلے میں ائمہ اہل بیتؑ کی آراء بھی جان لیں کہ وہ کہاں تک سنت رسولؐ کے مطابق ہے۔

رفع یدین اور ائمہ اہل بیتؑ :

ائمہ اہل بیتؑ کے نزدیک نماز کی ہر تکبیر کے وقت رفع یدین کرنا مستحب ہے۔ اور تکبیر کے وقت پورا جسم حالتِ سکوت میں ہو۔ یعنی تکبیر کے وقت جب ہاتھ اٹھائے جائیں، تو ہاتھ اپنے مقام پر جامد رہیں جب تک کہ پوری طرح "اللہ اکبر" نہ کہہ لیا جائے۔ [1]

رفع یدین سے انکار کی احادیث اور روایات :

تکبیر تحریم کے علاوہ دیگر تکبیروں کے وقت رفع یدین کو ناجائز ومکروہ قرار دینے والے علماء اپنے استدلال میں جن احادیث کو پیش کرتے ہیں۔ آیئے ہم ان کا جائزہ لیتے ہیں۔ ان احادیث کے بارے میں ہم اپنی رائے کے بجائے، صرف قدیم علمائے حدیث کی آراء پیش کریں گے۔

پہلی دلیل : رفع یدین کو ناجائز قرار دینے والے علماء پہلی دلیل کے طور پر حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کی حدیث جو سنن ابوداؤد اور جامع ترمذی میں مذکور ہے، پیش کرتے ہیں۔

> حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے نماز پڑھائی **فلم یرفع یدیه الامرة** یعنی ایک مرتبہ ہاتھ اُٹھائے۔ [2]

---

[1] شیخ صدوقؒ کی **علل الشرایع** کتاب **الصلوٰة** جلد اول۔ ص۲۲۵

[2] سنن ابوداؤد جلد اول۔ ص۲۹۸ پارہ ۵، باب ۲۶۹، حدیث ۷۴۳، جامع ترمذی جلد اول۔ ص۱۳۶، **ابواب الصلوٰة**۔ ، مسند احمد بن حنبل جلد۳۔ ص۱۶۸!

اس حدیث کا سلسلہ سند، ان راویوں پر مشتمل ہے۔ عثمان بن ابی شیبہ، وکیع، سفیان، عاصم بن کلیب، عبدالرحمٰن بن اسود، علقمہ اور حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ۔

- ☆ اس حدیث میں سنت رسولؐ کا ذکر نہیں۔ بلکہ عملِ حضرت ابن مسعودؓ بیان ہو رہا ہے۔
- ☆ اس حدیث کے متعلق خود امام ابوداؤدؒ اپنی سنن میں نقل کرنے کے ساتھ فرماتے ہیں "**ولیس هو بصحیح علی هذا اللفظ**" یعنی یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ صحیح نہیں ہے۔ [۱]
- ☆ اس حدیث کو امام بخاریؒ، امام احمد بن حنبلؒ، امام یحیٰی بن آدمؒ، اور امام ابو حاتم نے ضعیف قرار دیا۔ [۲]
- ☆ حضرت عبداللہ ابن مبارکؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی صحت ہی ثابت نہیں۔ [۳]

امام نووی شافعیؒ اس حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اس کی ضُعف میں کوئی شک نہیں۔ لہذا یہ قابل حجت نہیں۔

دوسری دلیل : رفع یدین کو ناجائز قرار دینے والے علماء دوسری دلیل کے طور پر حضرت براء بن عازبؓ کی حدیث پیش کرتے ہیں۔ جو سنن ابوداؤد میں مذکور ہے۔

عن البرآء ان رسول الله صلی الله علیه وسلم کان اذا افتتح الصلوة رفع یدیه الیٰ قریب من اذنیه ثم لا یعود۔

حضرت براء بن عازبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز شروع

---

[۱] تا [۳] شرح سنن ابوداؤد جلد اول۔ ص ۲۹۸ پارہ ۵ حدیث ۷۴۳ کی شرح میں۔

جامع ترمذی جلد اول۔ ص ۱۳۶، ابواب الصلوة، مسند احمد بن حنبل جلد ۳۔ ص ۱۶۸

کرتے تو دونوں ہاتھ اپنے کانوں تک اٹھاتے، پھر نہ اٹھاتے۔ [۱]

اس حدیث کے راوی محمد بن الصباح، شریک، یزید ابی زیاد، عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ اور حضرت براء بن عازبؓ ہیں۔

اس حدیث کو امام ابوداوُدؒ نے اپنی سنن میں دو جگہ، الفاظ کے فرق کے ساتھ نقل کیا ہے۔ مندجہ بالا حدیث جن الفاظ میں امام ابوداوُدؒ نے نقل کی۔ اس کے بارے میں محدثین اور علمائے حدیث کی آراء معلوم کرتے ہیں۔

☆ اس حدیث کو امام علی بن مدینیؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور امام دارقطنیؒ نے ضعیف قرار دیا ہے۔ [۲]

☆ اور اس کو امام بخاریؒ نے بھی ضعیف قرار دیا۔ کیونکہ اس کے راویوں میں ایک راوی شریک ہیں، جو اکثر غلطی کیا کرتے تھے۔ اس حدیث میں بھی شریک نے غلطی سے **ثم لا یعود** کہہ دیا۔ امام بخاریؒ نے اپنی کتاب رفع یدین میں کہا کہ ''وہم کیا اس حدیث میں سفیان نے **ثم یعود** کے نقل کرنے میں''۔ اور امام ابن القطانؒ نے بھی یہی کہا۔ اور محمد بن نصر مروزیؒ اور امام دارقطنیؒ نے کہا'' **ثم لا یعود** (پھر نہ اٹھائے) کی زیارت منکر ہے''۔ [۳]

امام ابوداوُدؒ نے حضرت برآء بن عازبؓ کی اس حدیث کو الفاظ کے فرق کے ساتھ دوسری جگہ بھی نقل فرمایا۔ تو حدیث کو ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا۔ "**قال ابوداؤد هذاالحديث ليس بصحيح**" ۔ یعنی امام ابوداوُدؒ نے کہا یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ [۴]

جب کوئی محدث حدیث نقل کرنے کے ساتھ ساتھ اس کے غلط ہونے کی نشاندہی بھی

---

[۱] سنن ابوداوُد جلد اول۔ ص ۲۹۹ پارہ ۵، حدیث ۷۴۵ طبع لاہور

[۲] تا [۳] شرح سنن ابوداوُد جلد اول۔ ص ۲۹۹، حدیث ۷۴۵ کی شرح میں، طبع لاہور

[۴] شرح سنن ابوداوُد جلد اول۔ ص ۲۹۹، حدیث ۷۴۷ کی شرح میں، طبع لاہور

کر دے۔ تو اس حدیث کو کس طرح حجت مانا جا سکتا ہے؟۔

حضرت براء بن عازبؓ کی ایک حدیث سنن بیہقی کے حوالے سے ہم پچھلے صفحات پر پیش کر چکے ہیں۔ جس میں انہوں نے بچشم خود رسولؐ اللہ کو رفع یدین کرتے ہوئے دیکھا اور یہ بھی بیان کیا کہ رسولؐ اللہ کا یہ عمل ساری زندگی جاری رہا۔

تیسری دلیل : رفع یدین کو ناجائز قرار دینے والے علماء تیسری دلیل میں حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کی روایت جو امام دار قطنیؒ نے اپنی سنن میں نقل کی ہے، پیش کرتے ہیں کہ یہ حضرات رفع یدین پہلی ہی بار (تکبیر تحریم) میں کیا کرتے تھے، بعد میں نہیں۔

☆ اس روایت کو سنن دار قطنی کے محدث امام دار قطنیؒ نے خود ضعیف اور ''مردود'' قرار دیا ہے۔ اور اس روایت کے متعلق حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کہتے ہیں کہ امام جوزیؒ کے مطابق یہ روایت گھڑی ہوئی (خود ساختہ) ہے۔ [1]

حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ کے حوالے سے حضرت ابوبکرؓ کے رفع یدین کرنے کی ایک روایت ہم اگلے صفحات پر پیش کریں گے۔ جس میں رسولؐ اللہ کے وصال کے بعد کے زمانے کا ذکر مذکور ہے۔ جو اس روایت کی تردید کیلئے واضح ثبوت ہے۔

ان کے علاوہ وہ تمام احادیث اور روایات جو رفع یدین کے انکار کرنے کے سلسلے میں پیش کی جاتی ہیں۔ ان پر ہم نے تحقیق کی ان تمام کے بارے میں قدیم محدثین و علمائے حدیث نے اعتراضات کئے ہیں۔ اور برملا کہا ہے کہ ''ان کو حجت نہیں بنایا جا سکتا''۔ اختصار کے پیش نظر ان سب کا ذکر یہاں ممکن نہیں۔

رفع یدین کو ناجائز قرار دینے والے علماء یہ تسلیم کرتے ہیں کہ حضور اکرمؐ نے اور صحابہ کرامؓ نے رفع یدین کیا۔ لیکن ان کا کہنا یہ ہے کہ یہ بعد میں منسوخ ہو گیا۔ اس کے ساتھ ساتھ ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ رفع یدین کے متعلق رسولؐ اللہ کی کوئی قولی حدیث نہیں ملتی۔ [2]

---

[1] تلخیص الجبیر۔ ص۸۴ [2] فیوض الباری۔ ص۳۷۰

دونوں اقوال کا مختصر جائزہ :

اس سلسلے میں عرض یہ ہے کہ پچھلے صفحات پر سنت رسولؐ کے ضمن میں چند احادیث مختصراً پیش کی گئیں۔ ان میں ہر صحابی نے آپ ﷺ کی ساری حیات مبارکہ کی نمازوں میں رفع یدین کا ذکر کیا۔ یہ تمام وہ صحابہ کرامؓ ہیں جنہوں نے رسولؐ اللہ کے وصال تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نمازیں ادا کیں۔

اس کے علاوہ ہماری قدیم اہل سنت کتابوں میں ایک روایت بہت مشہور ہے۔ یعنی تین روز تک حضرت جبرئیلؑ، رسولؐ اللہ کے ساتھ نماز پڑھتے رہے۔ اور اس میں انہوں نے رسولؐ اللہ کو نماز کے اوقات کے ساتھ ساتھ نماز کے طریقے کی تعلیم بھی فرمائی (یہ روایت بہت طویل ہے اس لئے اس کا تفصیلی ذکر یہاں ممکن نہیں۔ اس روایت میں اوقات نماز کا حصہ سنن ابوداؤد جلد اول حدیث ۱۹۲ اور جامع ترمذی میں بھی مذکور ہے۔) یہ بات تو یقینی ہے کہ حضرت جبرئیلؑ نے نماز کی یہ تعلیم اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ہی دی ہوگی۔ اور اس کے بعد رسولؐ اللہ نے نمازیں حکم الٰہی کے مطابق ادا فرمائیں۔ اس کے بعد جو تبدیلیاں ہوئیں۔ ان کا ذکر قرآن مجید میں موجود ہے۔ یعنی قبلہ کی تبدیلی کا حکم ہوا تو اس کا ذکر سورہ بقرہ میں ان الفاظ میں موجود ہے۔ **قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِی السَّمَآءِ فَلَنُوَلِّیَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَیْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ** یعنی (اے رسولؐ قبلہ بدلنے کے واسطے) بیشک تمہارا (بار بار) آسمان کی جانب چہرہ کرنا ہم دیکھ رہے ہیں تو ہم ضرور تم کو ایسے قبلہ کی طرف پھیر دیں گے کہ تم نہال ہو جاؤ (اچھا) تو (نماز ہی میں) تم مسجد الحرام (کعبہ) کی طرف منہ کرلو۔۔۔۔۔۔ الخ۔ (سورہ بقرہ ۲ آیت ۱۴۴)۔ دوسرے مقام پر ارشاد ہوا **وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَیْنَ ذٰلِكَ سَبِیْلًا** ☆ (اے رسولؐ) نہ تو اپنی نماز بہت چلا کر پڑھو اور نہ بالکل چپکے سے بلکہ اس کے درمیان ایک اوسط طریقہ اختیار کرو (سورہ بنی اسرائیل ۱۷ آیت ۱۱۰) ان کے علاوہ نماز کے متعلق جو بھی نیا حکم ہوا۔ اس حکم کی آیت قرآن مجید میں موجود ہے۔ اگر رفع یدین بعد میں منسوخ ہو گیا، تو اُسے منسوخ کس نے کیا؟۔ کیونکہ حکم الٰہی کو تبدیل کرنے کا اختیار رسولؐ اللہ کو بھی نہیں۔

قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِيْ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ۚ

(اے رسولؐ) آپ کہہ دیں کہ مجھے یہ اختیار نہیں کہ میں اسے اپنی مرضی سے بدل ڈالوں میں تو بس اسی کا پابند ہوں، جو میری طرف وحی کی گئی ہے۔

سورہ یونس ۱۰ آیت ۱۵

اس قول کا دوسرے طریقے سے جائزہ :

اگر اس قول (رفع یدین بعد میں منسوخ ہوگیا) کا دوسرے طریقے سے جائزہ لیں۔ تو ہمیں اہلِ بیت میں حضرت علیؓ، حضرت حسن بن علیؓ، امام محمد باقرؒ اور صحابہ کرام میں حضرت عمر فاروقؓ، ابن عباسؓ، ابن عمرؓ، انسؓ بن مالک، ابوقتادہؓ، ابواسیدؓ، عبداللہ ابن زبیرؓ، ابوموسیٰ اشعریؓ، مالک بن حویرثؓ، ابوحمید الساعدیؓ وغیرہ کی بہت زیادہ روایات بآسانی ملتی ہیں جن میں ان حضرات نے رسولؐ اللہ کے وصال کے بعد بھی رفع یدین کے اپنے معمول کو جاری رکھا۔ یہاں تمام کا ذکر ممکن نہیں۔ صرف ایک روایت سنن بیہقی سے پیش کرتے ہیں۔ کیونکہ رفع یدین سے انکار کرنے والے علماء حضرت ابوبکرؓ کی ایک روایت اپنی دلیل میں پیش کرتے ہیں۔

عن عبداللّٰه بن الزبير قال صليت خلف ابی بكر فكان يرفع يديه اذا افتتح الصلوة و اذا ركع و اذا رفع راسه من الركوع وقال صليت خلف رسول اللّٰه ﷺ فذكر مسلم۔

حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ نماز ادا کی۔ آپ ہمیشہ شروع نماز اور ہر رکعت میں اور رکوع میں جاتے وقت رفع یدین کیا کرتے تھے اور فرماتے تھے۔ اب نہیں، بلکہ رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ بھی آپ ﷺ کو رفع یدین کرتے دیکھ کر اسی طرح نماز پڑھا کرتا تھا۔ [1]

اگر رفع یدین دورِ رسالتؐ میں منسوخ ہوگیا تھا تو حضرت ابوبکر صدیقؓ اپنے دورِ

---

[1] امام بیہقیؒ کی سنن الکبیر جلد دوئم۔ ص ۱۹۷ طبع مصر

خلافت میں اسے جاری کیوں رکھے ہوئے تھے؟۔ ظاہر ہے کہ خلیفہ اولؓ کا اپنے دور میں رفع یدین جاری رکھنا اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ دورِ رسالت میں منسوخ نہیں ہوا۔

امام بخاریؒ اپنی کتاب " **رفع یدین فی الصلوۃ** " میں تحریر کرتے ہیں کہ رسولؐ اللہ کے انیس (۱۹) صحابہ کرامؓ رفع یدین کرتے تھے، ابن اثیرؒ نے لکھا ہے کہ بیس (۲۰) صحابہ کرامؓ رفع یدین کرتے تھے۔ امام حاکمؒ نے کہا عشرہ مبشرہ رفع یدین کرتے تھے۔

اب ہم پیش کررہے ہیں حضرت ابو ہریرہؓ کی وہ حدیث جس میں وہ رفع یدین ترک کرنے کا شکوہ کررہے ہیں۔

سعید بن سمعان قال جآء ابوهریره الی مسجد بنی زریق فقال ثلاث کان رسول الله ﷺ یعمل بهن ترکهن الناسکان یرفع یدیه فی الصلوة مداویسکت هنیهةویکبر اذا سجد واذا رفع۔

حضرت سعید بن سمعانؒ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت ابو ہریرہؓ مسجد بنی زریق میں تشریف لائے تو فرمایا: تین چیزیں ایسی ہیں کہ رسولؐ اللہ انہیں کیا کرتے تھے، اور لوگوں نے انہیں ترک کردیا ہے۔ آپؐ نماز میں دونوں ہاتھ بڑھا کر اُٹھاتے، پھر تھوڑی دیر خاموش رہتے اور پھر سجدہ کرتے وقت اور سجدے سے سر اٹھاتے وقت رفع یدین کرتے۔ [1]

حضرت ابو ہریرہؓ مندرجہ بالا حدیث میں شکوہ فرمارہے ہیں کہ لوگوں نے رفع یدین کو ترک کردیا ہے۔ حالانکہ رسولؐ اللہ سجدہ کرتے وقت اور سجدے سے سر اٹھاتے وقت رفع یدین ہاتھ اٹھا کر کیا کرتے تھے۔ اس حدیث کے الفاظ بتارہے ہیں کہ یہ حدیث رسولؐ اللہ کے وصال کے بعد کی ہے۔ بعد از وصالِ رسولؐ حضرت ابو ہریرہؓ کا یہ شکوہ واضح ثبوت ہے کہ رفع یدین دورِ رسالت میں منسوخ نہیں ہوا۔

---

[1] سنن نسائی جلد اول۔ ص ۲۹۹ کتاب الافتتاح، باب رفع الیدین مداً۔ حدیث ۸۸۷ طبع کراچی

حضرت عبدالحی حنفیؒ کا فتویٰ :

رفع یدین کے منسوخ ہونے کے بارے میں ہمارے قدیم حنفی عالم علامہ عبدالحی حنفی اپنے فتویٰ میں فرماتے ہیں۔

ان ثبوته عن النبی صلی الله علیه وسلم اکثر وارحج واما دعویٰ نسخه............فلیست بمبرهن علیها بما یشفی العلیل ویروی الغلیل

یعنی آنحضرت ﷺ سے رفع یدین کرنے کے کافی اور نہایت عمدہ ثبوت ہیں۔ اور جو لوگ کہتے ہیں کہ یہ بعد میں منسوخ ہوگیا۔ ان کا قول بے دلیل ہے۔ [1]

رفع یدین کے سلسلے میں جن علماء کرام نے تحقیق کی وہ اسی نتیجے پر پہنچے جس پر علامہ عبدالحی حنفیؒ پہنچے ہیں کہ رفع یدین بعد میں منسوخ ہونے کا قول ثابت نہیں۔ اس سلسلے میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں۔

شاہ ولی اللہ کی تحقیق :

"**والذی یرفع احب الی ممن لا یرفع**"۔ یعنی رفع یدین کرنے والا مجھ کو نہ کرنے والے سے زیادہ محبوب ہے۔ کیونکہ اس کے بارے میں دلیل بکثرت اور صحیح ہیں [2]

دوسرا قول : قولی حدیث

رفع یدین کو ناجائز قرار دینے والے علماء کا رفع یدین کے متعلق دوسرا اعتراض یہ ہے کہ رفع یدین سے متعلق رسول اللہ ﷺ کی کوئی قولی حدیث نہیں ملتی۔

شریعت اسلامی میں سنت رسولؐ کے تین ماخذ ہیں۔ اسلام کے تمام مکاتب فکر ان پر متفق ہیں۔ اور یہ ماخذ ہر مسلمان کیلئے حجت ہیں۔

---

[1] **تعلیق الممجد**۔ ص٣٦٢

[2] شاہ ولی اللہ کی الحجۃ اللہ البالغہ۔ جلد٢۔ ص٨

۱۔ قولِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

۲۔ فعلِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

۳۔ سکوتِ رسول ﷺ (یعنی کسی چیز کو دیکھ کر رسول اللہ نے سکوت (خاموشی) اختیار کی ہو)۔

ان تینوں میں سے کسی ایک میں بھی دوام اور ہمیشگی ہو، تو باقی دو کی ضرورت نہیں رہتی۔ مثلاً قولِ رسولؐ میں دوام و ہمیشگی ہو، تو فعلِ رسولؐ اور سکوتِ رسولؐ کی ضرورت ختم ہو جاتی ہے۔ اور اگر فعل میں دوام و ہمیشگی ہو، تو باقی دو (قولِ رسولؐ اور سکوتِ رسولؐ) کی ضرورت ختم ہو جاتی ہے۔ پچھلے صفحات پر جو احادیث پیش کی گئیں ہیں۔ وہ تمام فعلِ رسولؐ میں دوام و ہمیشگی پر دلالت کرتی ہیں۔ اس لئے سکوتِ رسولؐ اور قولِ رسولؐ کی ضرورت نہیں رہتی۔

رسولؐ اللہ کا وہ عمل جو آپؐ نے حیات مبارکہ کے آخری دنوں تک جاری رکھا۔ وہ قیامت تک ہر مسلمان کیلئے حُجت ہے۔ پچھلے صفحات پر سنت رسولؐ کے ضمن میں جو احادیث ہم نے پیش کیں۔ ان کے علاوہ اگلے باب میں جامع ترمذی کے حوالے سے حضرت ابوحمید ساعدی کی حدیث جو انہوں نے دیگر دس (۱۰) صحابہ کرامؓ کی موجودگی میں بیان کی اور اسکی تصدیق محفل میں موجود تمام صحابہ نے کی، پیش کریں گے۔ یہ حدیث رسولؐ اللہ کے وصال کے بعد پیش کی گئی۔ اور اس میں ہر تکبیر پر رفع یدین کا ذکر موجود ہے۔ اگر رفع یدین رسولؐ اللہ کی حیات مبارکہ کے آخری زمانے میں منسوخ ہوتا تو ان دس صحابہ میں سے کوئی تو اعتراض اٹھاتے، مگر ایسا کسی صحابی نے نہیں کیا۔ بلکہ ابوحمیدؓ کے بیان، جس میں رسولؐ اللہ کی پوری نماز کا طریقہ بتایا گیا۔ اس کی تمام صحابہ کرامؓ نے تصدیق فرمائی۔

رفع یدین کی عقلی دلیل :

تکبیر تحریم کے وقت رفع یدین کرنے کو تمام مکاتب فکر فرض قرار دیتے ہیں۔ اختلاف نماز کے درمیان باقی تکبیروں پر رفع یدین کرنے پر ہے۔ جس کی کوئی معقول وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔ کیونکہ تکبیر تحریم میں جس اللہ کی بزرگی کا اعلان کیا جاتا ہے۔ اس ہی اللہ کا ذکر باقی تکبیروں میں

بھی کیا جاتا ہے۔ ان پر تعظیماً ہاتھ کیوں نہ اٹھائے جائیں؟۔ جبکہ یہ سنت رسولؐ بھی ہو۔

علماء نے تکبیروں پر رفع یدین کی توجیہہ یہ بیان کی ہے کہ بندے کا تکبیروں پر ہاتھوں کا اٹھانا اس بات کا اظہار ہے کہ میں دنیا کی تمام آسائشوں اور نعمتوں سے دستبردار ہو کر اللہ کی بزرگی کا اعلان کرتا ہوں۔

امام ابوعبداللہؑ (جعفر صادقؑ) نے فرمایا **اذ کبرت فاستصغر ما بین العلی والثریٰ دون کبریائہ**۔ یعنی جب تم تکبیر کہہ دو تو جو آسمانوں و زمین کے درمیان ہے، سب کو اللہ کی بزرگی کے سامنے حقیر سمجھو۔ لہ

رفع یدین پر تحقیق کے بعد ہم جس نتیجے پر پہنچے وہ یہ ہے کہ رفع یدین کرنا، نہ صرف سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ بلکہ اہلِ بیت وصحابہ کرام کا متفقہ عمل بھی ہے۔ کسی طور پر بھی یہ ثابت نہیں کیا جاسکتا کہ رسولؐ اللہ کی حیات پاک کے کسی حصے میں بھی رفع یدین منسوخ ہوا ہو۔ رفع یدین پر اختلاف کا آغاز کس زمانے سے ہوا؟۔ اس کا تفصیلی جائزہ بسم اللہ کے باب میں لیں گے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

لہ آیت اللہ دستغیب کی کتاب اسرار الصلوۃ۔ ص٦٩

باب۔ ۵

بِسۡمِ اللهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حالتِ قیام ہاتھ باندھنا اور کھولنا

دورانِ نماز اسلام کے تمام مکاتبِ فکر کے درمیان سب سے بڑا اور واضح فرق ہاتھ باندھ کر اور ہاتھ کھول کر نماز کی ادائیگی ہے۔ چونکہ نماز میں قیام کا دورانیہ (نماز کے) تمام ارکان میں سب سے زیادہ ہے۔ جس کی وجہ سے یہ فرق اور زیادہ نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔ اس فرق کے بارے میں عام طور پر لوگوں کا خیال یہ ہے کہ رسولؐ اللہ نے ہاتھ باندھ کر اور ہاتھ کھول کر دونوں طریقوں سے نماز ادا فرمائی۔ اس بارے میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ابتداء میں نماز ہاتھ باندھ کر پڑھی جاتی تھی۔ لیکن منافقین نے بت رکھنا شروع کر دیئے اور سجدے میں ان بتوں کو اپنے سامنے رکھ کر ان کو سجدہ کرتے تھے۔ جس پر ہاتھ کھول دینے کا حکم آیا۔ لیکن جب ہم نے اس معاملے کی تحقیق کی تو کوئی ایک حدیث یا روایت، اس کی تائید میں نہیں ملی۔

اس ''قیاسی واقعہ'' سے قطع نظر، مسلمانوں کے مختلف مسالک میں دورانِ قیام ہاتھوں کی پوزیشن کے چار مختلف طریقے رائج ہیں۔ ان چار طریقوں میں سے تین طریقے ہاتھ باندھنے سے متعلق ہیں۔

ہاتھ باندھنے کے تین طریقے :

دورانِ قیام ہاتھ باندھنے کی جگہ کے بارے میں ائمہ اربعہؒ کے درمیان اختلاف ہے۔ اور یہ اختلاف ان حدیثوں کی باعث ہے۔ جن میں تین مختلف جگہوں پر رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ باندھنے کا ذکر ہوا ہے۔

۱۔ حدیثوں کی ایک قسم وہ ہے۔ جن کا تعلق سینے پر ہاتھ باندھنے سے ہے۔

اور جس کے قائل امام احمد بن حنبلؒ اور مسلک اہل حدیث ہیں۔ اور اس طریقے کو سنت رسولؐ قرار دیتے ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ امام احمد بن حنبلؒ نمازی کو اختیار دیتے ہیں کہ وہ چاہے ہاتھ باندھ کر یا کھول کر جیسے چاہے نماز ادا کرے۔ [۱]

۲۔ اور دوسری حدیثوں کی وہ قسم ہے۔ جس کا تعلق ناف کے اوپر ہاتھ باندھنے سے ہے۔ جس کے قائل امام شافعیؒ وغیرہ ہیں۔ اور اس طریقے کو سنت رسولؐ قرار دیتے ہیں۔

۳۔ تیسری حدیثوں کی وہ قسم ہے۔ جن میں ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کا ذکر ہے۔ اور اس طریقے کے قائل امام ابوحنیفہؒ، سفیان ثوری، اسحٰق راہویہ اور ابواسحٰق مروزی ہیں۔ اور اسے سنت رسول قرار دیتے ہیں۔ [۲]

چوتھا طریقہ:

چوتھا طریقہ حالتِ قیام ہاتھ کھول کر نماز کی ادائیگی کا ہے۔ جس کے قائل ائمہ اہلِ بیت اور ائمہ اربعہ میں سے امام مالکؒ ہیں۔ اور اس کو سنت رسولؐ قرار دیتے ہیں۔ امام مالکؒ، امام لیث بن سعیدؒ اور فقہاء کی ایک جماعت کا قول یہ ہے کہ ہاتھ باندھنا مکروہ ہے۔ ان کے نزدیک ہاتھ باندھنا باطن کے خلاف ہے (یعنی ظاہر میں خشوع ہے، اور باطن میں خشوع نہیں ہوتا)۔ [۳]

جبکہ امام اوزاعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور ابن منذرؒ اور دیگر فقہاء کا کہنا یہ ہے کہ نمازی کو حالت قیام میں ہاتھ باندھنے اور کھولنے کا اختیار ہے۔ [۴]

---

[۱] و [۲] اور [۴] شرح صحیح مسلم امام نووی جلد۲۔ ص ۲۸ طبع لاہور

[۳] علامہ ابوعبداللہ محمد ابن خلیفہ وشتانی مالکی کی ’’ اکمال المعلم ‘‘ جلد۲۔ ص ۱۵۷ طبع بیروت

اس باب میں ہم ان چاروں طریقوں کے سلسلے میں مروی حدیثوں کا جائزہ عالم اسلام کے قدیم علماء کی معتبر اور مشہور ترین کتابوں کے ذریعے لیں گے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ اس بات کی بھی تحقیق کریں گے کہ آیا اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے نمازی کو اختیار دیا ہے کہ جو چاہے وہ طریقہ اختیار کرے؟۔ یا اس بارے میں ربُّ العزت کی طرف سے کوئی طریقہ بتایا گیا ہے؟۔

ہم اپنی علمی بساط کے مطابق اس موضوع کا پوری طرح احاطہ کرنے کی کوشش کریں گے۔ تاکہ نماز میں اس طریقے کی نشاندہی ہو سکے، جس کا حکم پروردگار عالم نے قرآن مجید میں اور رسولؐ اللہ نے اپنی سنت مبارکہ کے ذریعے مسلمانوں کو دیا۔ کیونکہ ہمارا مقصد صرف احکامات الٰہی اور سنت رسولؐ کو واضح کرنا ہے۔ تاکہ ان کے مطابق اپنے طریقہ عبادت کو درست کیا جا سکے۔ تاکہ روز قیامت ہماری اولین عبادت (نماز) صرف اس وجہ سے رائیگاں نہ ہو جائے کہ وہ اللہ اور اس کے رسولؐ کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق نہیں تھی۔

آیئے اپنی تحقیق کا آغاز اس طریقے سے کرتے ہیں۔ جو مسلمانوں کے اکثر مکاتب فکر میں رائج ہے۔ یعنی حالتِ قیام میں ہاتھ باندھ کر نماز کی ادائیگی۔

حدیث جانچنے کا ابتدائی واہم اصول :

ہاتھ باندھنے سے متعلق حدیثوں کا جائزہ لینے سے قبل دیگر شرائط میں سے سب سے پہلی شرط کا ذکر ضروری ہے۔ جب کسی حدیث سے استدلال یا استنباط کیا جاتا ہے تو ضروری ہے کہ حدیث میں یہ شرط موجود ہو۔

☆ حدیث کی سند صحیح ہو: یعنی حدیث کے راوی ایسے افراد ہوں جن پر اعتماد کیا جا سکتا ہو۔

اصولِ جرح وتعدیل :

علم حدیث میں کسی راوی پر اعتماد کا معیار یہ ہے کہ اس راوی کے متعلق علمائے حدیث

کی کیا رائے ہے؟۔ اس سلسلے میں علم حدیث کا ایک اصول ہے۔ جس کو "جرح و تعدیل" کہتے ہیں۔ اس اصول کے مطابق اگر ایک راوی پر بعض علمائے حدیث جرح (اعتراض و تنقید) کریں۔ اور اسی راوی کی بعض علماء تعدیل (تعریف و توصیف، موافقت) کریں، تو تمام محدثین کا اتفاق ہے کہ جرح (تنقید) قبول کی جائے گی۔ **یعنی جرح مقدم ہے تعدیل پر**، اگر چہ تعدیل (تعریف) کرنے والے تعداد میں زیادہ ہی کیوں نہ ہوں۔ [1]

یعنی تمام محدثین کا اتفاق ہے کہ کسی راوی پر تنقید زیادہ اہمیت رکھتی ہے، اور قابلِ توجہ ہوتی ہے۔ بہ نسبت تعدیل (تعریف) کے۔ اگر چہ تنقید کرنے والے تعریف کرنے والوں سے تعداد میں کم ہی کیوں نہ ہوں۔ اور راوی کے متعلق رائے انکی تنقید کی روشنی میں قائم کی جائے گی۔

حدیث کو جانچنے کے دیگر طریقوں کا ذکر ضرورت کے مطابق مناسب مقامات پر کرتے رہیں گے۔

ہاتھ باندھنے کی روایات :

حالتِ قیام ہاتھ باندھ کر نماز کی ادائیگی پر تحقیق کے آغاز میں جو بات ہمارے لئے حیرت کا باعث بنی۔ وہ یہ تھی کہ احادیث کی کتابوں میں ہاتھ باندھ کر نماز کی ادائیگی کی روایات ہماری توقعات کے برخلاف انتہائی قلیل ہیں۔ یعنی صحیح بخاری شریف کی سات ہزار تین سو ستانوے (۷۳۹۷) حدیثوں میں سنت رسولؐ کی کوئی ایک حدیث بھی نہیں۔ صرف حضرت سہل بن سعدؓ کی ایک روایت۔ صحیح مسلم کی کل سات ہزار دو سو پچھتر (۷۲۷۵) حدیثوں میں صرف حضرت وائلؓ بن حجر کی ایک روایت۔ یہی قلت احادیث کی اکثر کتابوں میں نظر آتی ہے۔

اگر احادیث کی کتابوں میں موجود تمام روایات کو یکجا کیا جائے، تو ان کی تعداد نو یا دس ہوتی ہے۔ یہ تمام روایات فعلی حدیثوں پر مشتمل ہیں۔

چنانچہ صحیح مسلم کے شارح اور قدیم شافعی عالم امام زکریا محی الدین نووی شافعیؒ شرح

---

[1] شرح صحیح مسلم امام نووی شافعی جلد اول۔ ص ۵۹ ، اوصاف الحدیث جلد اول۔ ص ۳۱۱

صحیح مسلم میں تحریر فرماتے ہیں:

''جمہور علماء اور اہل حدیث (محدثین) نے وائلؓ بن حجر، ہلب طائی اور سہل بن سعدؓ کی روایات کو ترجیح دی ہے۔ اور اختیار کیا ہے''۔ [1]

آیئے اسی ترتیب سے ہم حالتِ قیام میں ہاتھ باندھنے کی روایات کا جائزہ لیتے ہیں۔ صحیح مسلم شریف میں حضرت وائلؓ بن حجر کی روایت مروی ہے۔ جو مسلم شریف کی حالت قیام میں ہاتھ باندھنے کی واحد روایت ہے۔

حضرت وائلؓ بن حجر کی پہلی روایت

اس روایت کو امام مسلمؒ کے علاوہ امام ابن خزیمہؒ نے اپنی صحیح میں بھی نقل کیا ہے۔ اور امام نووی شافعی نے اپنی کتاب خلاصہ اور شرح مہذب میں، اور حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے فتح الباری، تلخیص، بلوغ المرام اور درایہ میں نقل کیا ہے۔

یہ الفاظ ہیں صحیح مسلم شریف کے:

عن وائل بن حجر انه راى النبى صلى الله عليه وسلم
رفع يديه حين دخل فى الصلوة كبروصف
.... همام خيا اذنيه ثم التحف
بثوبه ثم وضع يده اليمنى على السيرىٰ فلما ارادان يركع
اخرج يديه من الثوب ثم رفعهما ثم كبر فركع فلما قال سمع
الله لمن حمده رفع يديه فلما سجد سجد بين كفيه -

حضرت وائلؓ بن حجر کا بیان ہے کہ انہوں نے رسول اکرم ﷺ کو بدین طور پر دیکھا کہ آپؐ نے نماز شروع کرتے وقت اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے، اور اللہ اکبر کہا ------------------- اس حدیث کے راوی

---

[1] شرح صحیح مسلم امام نووی شافعی جلد ۲۔ ص ۲۸ طبع لاہور

ھمام کا بیان ہے کہ رسول اللہ نے دونوں ہاتھ کانوں تک اٹھائے ، پھر چادر اوڑھ لی۔ اس کے بعد سیدھا ہاتھ الٹے ہاتھ پر رکھا۔ پھر آپ ﷺ نے چادر میں سے ہاتھ باہر نکال کے دونوں کانوں تک اٹھا کر تکبیر پڑھی۔ اس کے بعد رکوع میں گئے۔ اور حالت قیام **سمع اللہ لمن حمدہ** پڑھ کر رفع یدین کیا اور پھر آپؐ نے دونوں ہتھیلیوں کے درمیان میں سجدہ کیا۔ [1]

صحیح مسلم کی حالتِ قیام میں ہاتھ باندھنے کی اس روایت سے وہ علماء قطعاً استدلال نہیں لے سکتے ، جو رفع یدین کو ناجائز قرار دیتے ہیں ، کیونکہ مندرجہ بالا روایت میں ہر مرحلے پر رفع یدین کرنے کا ذکر ہو رہا ہے۔ یہ تو نہیں ہوسکتا کہ آدھی روایت سے استدلال لیں ، اور آدھی کو نظر انداز کر دیں۔ رفع یدین کے ضمن میں ہم نے اس روایت کو اپنے استدلال میں اس لئے پیش نہیں کیا کیونکہ یہ روایت ضعیف ہے۔ آیئے اس کا تفصیلی جائزہ لیتے ہیں۔

سلسلہ سند: اس حدیث کو بیان کرنے والے راویوں کے نام یہ ہیں۔ حضرت وائلؓ بن حجر سے ان کے صاحبزادے علقمہ بن وائل نے سنا۔ ان سے محمد بن جحادہ نے سنا۔ اور ان کے حوالے سے ھمام بن یحیٰی نے بیان کیا۔

حدیث کا جائزہ :

احکام شرعیہ کے سلسلے میں جب کسی حدیث سے استدلال و استنباط کیا جاتا ہے تو انتہائی ضروری ہے کہ حدیث دو شرطوں پر پورا اترتی ہو۔

۱۔ **حدیث کی سند صحیح ہو:** یعنی حدیث کے راوی ایسے افراد ہوں۔ جن پر اعتماد کیا جاسکتا ہو

۲۔ **حدیث کا متن واضح اور روشن ہو۔**

---

[1] صحیح مسلم شریف جلد دوم۔ ص ۲۸ کتاب الصلوۃ، باب **وضع یدہ الیمنی علی الیسریٰ** ، صحیح ابن خزیمہ۔ جلد اول۔ ص ۲۴۳

لیکن صحیح مسلم کی مندرجہ بالا حدیث میں دونوں صورتیں مخدوش ہیں۔

اس حدیث کے متن کا جائزہ :

حضرت وائلؓ بن حجر کی اس روایت کی پیوندکاری پر غور فرمائیں۔ جس کی ہم نے لمبی لائن کھینچ کر نشاندہی کی ہے۔

صحابیِ رسول حضرت وائلؓ بن حجر نے رسولؐ اللہ کے ہاتھ اٹھانے (رفع یدین) اور اللہ اکبر کہنے تک بیان کیا۔ باقی روایت ھمام راوی نے اپنی طرف سے پیوند لگا کر مکمل کی ہے۔

اس روایت کا بقیہ حصہ جو راوی ھمام نے بیان کیا۔ اگر وہ حضرت وائلؓ نے بیان کیا ہوتا تو اس روایت کو روک کر خود اپنا بیان جاری کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ اور اگر اسے کسی دوسرے صحابی نے بیان کیا تھا۔ تو اس سے دو اعتراض ہوتے ہیں۔

۱۔ دوسرے صحابی کی روایت کو حضرت وائلؓ کی روایت میں شامل نہیں کرنا چاہئے تھا۔ کیونکہ علم حدیث کے مطابق یہ ایک نقص ہے۔

۲۔ ھمام بن یحییٰ کو ان صحابی اور ان راویوں کا نام بیان کرنا چاہئے تھا۔ جن سے انہوں نے بقیہ روایت سنی۔ کسی حوالے کے بغیر بیان کرنے کا مطلب یہ ہے کہ رسولؐ اللہ کا یہ عمل انہوں نے بچشم خود دیکھا۔ یہ بات بھی ناممکن ہے کیونکہ رسولؐ اللہ کے وصال کے انہتر (٦٩) سال کے بعد ھمام بن یحییٰ پیدا ہوئے۔

اگر کوئی راوی جس نے رسولؐ اللہ کا زمانہ نہ پایا ہو۔ اور وہ تابعی بھی نہ ہو، اس کے باوجود کسی حوالے کے بغیر رسولؐ اللہ کے کسی عمل کو بیان کرے۔ وہ روایت محدثین کے نزدیک قابلِ استدلال و حُجت نہیں ہوتی۔

اس حدیث کی پیوندکاری اپنی جگہ، آیئے اس حدیث کے راویوں کے بارے میں علمائے حدیث کی آراء کا جائزہ لیتے ہیں کہ وہ ان کے متعلق کیا رائے رکھتے ہیں۔

لیکن صحیح مسلم کی مندرجہ بالا حدیث میں دونوں صورتیں مخدوش ہیں۔

اس حدیث کے متن کا جائزہ :

حضرت وائلؓ بن حجر کی اس روایت کی پیوندکاری پر غور فرمائیں۔ جس کی ہم نے لمبی لائن کھینچ کر نشاندہی کی ہے۔

صحابیِ رسول حضرت وائلؓ بن حجر نے رسولؐ اللہ کے ہاتھ اٹھانے (رفع یدین) اور اللہ اکبر کہنے تک بیان کیا۔ باقی روایت ھمام راوی نے اپنی طرف سے پیوند لگا کر مکمل کی ہے۔

اس روایت کا بقیہ حصہ جو راوی ھمام نے بیان کیا۔ اگر وہ حضرت وائلؓ نے بیان کیا ہوتا تو اس روایت کو روک کر خود اپنا بیان جاری کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ اور اگر اسے کسی دوسرے صحابی نے بیان کیا تھا۔ تو اس سے دو اعتراض ہوتے ہیں۔

۱۔ دوسرے صحابی کی روایت کو حضرت وائلؓ کی روایت میں شامل نہیں کرنا چاہئے تھا۔ کیونکہ علم حدیث کے مطابق یہ ایک نقص ہے۔

۲۔ ھمام بن یحییٰ کو ان صحابی اور ان راویوں کا نام بیان کرنا چاہئے تھا۔ جن سے انہوں نے بقیہ روایت سنی۔ کسی حوالے کے بغیر بیان کرنے کا مطلب یہ ہے کہ رسولؐ اللہ کا یہ عمل انہوں نے بچشم خود دیکھا۔ یہ بات بھی ناممکن ہے کیونکہ رسول اللہ کے وصال کے انہتر (۶۹) سال کے بعد ھمام بن یحییٰ پیدا ہوئے۔

اگر کوئی راوی جس نے رسولؐ اللہ کا زمانہ نہ پایا ہو۔ اور وہ تابعی بھی نہ ہو، اس کے باوجود کسی حوالے کے بغیر رسولؐ اللہ کے کسی عمل کو بیان کرے۔ وہ روایت محدثین کے نزدیک قابلِ استدلال وحُجت نہیں ہوتی۔

اس حدیث کی پیوندکاری اپنی جگہ، آیئے اس حدیث کے راویوں کے بارے میں علمائے حدیث کی آراء کا جائزہ لیتے ہیں کہ وہ ان کے متعلق کیا رائے رکھتے ہیں۔

اس حدیث کی سند :

علم حدیث میں کسی حدیث کے سلسلۂ سند کے راویوں کو جانچنے کا ایک طریقہ ہے۔ جس کو علم رجال کہتے ہیں۔ اس کے ذریعے یہ تحقیق کی جاتی ہے کہ روایت بیان کرنے والا شخص، جس سے روایت کررہا ہے۔ آیا ان دونوں کی ملاقات ہوئی بھی ہے یا نہیں، اگر ملاقات ممکن ہو یا دونوں کے زمانے میں فرق نہ ہو تو حدیث کو علم حدیث کے دوسرے طریقوں سے پرکھا جاتا ہے۔ اور اگر دونوں اشخاص کا زمانہ مختلف ہو تو حدیث کو پہلے مرحلے پر ہی مسترد کر دیا جاتا ہے۔ آیئے ہم بھی اس حدیث کو علم رجال کی کسوٹی پر قدیم علمائے حدیث کی کتابوں کے ذریعے پرکھتے ہیں۔

ھمام بن یحییٰ کا تعارف :

ان کا پورا نام ھمام بن یحییٰ الغوذی البصری ہے۔ ان کا تعلق محدثین کے پانچوں طبقہ سے تھا۔ ان کا انتقال ۱۶۴ھ میں ہوا۔ [1]

ھمام کے بارے میں علمائے حدیث کی آراء

☆ ھمام کے متعلق امام حاتمؒ فرماتے ہیں کہ ''ھمام کا حافظہ ضعیف ہے''۔ [2]

☆ امام یحییٰ ابن معینؒ اور امام عبداللہ بن مبارکؒ فرماتے ہیں " **كان مدلسا** "۔ وہ حدیثوں میں تدلیس کرتے تھے۔ [3] (یعنی اپنی طرف سے کمی اور زیادتی کرتے تھے)۔

☆ امام یحییٰ ابن سعید القطانؒ فرماتے ہیں " **لا يرضى حفظه** "۔ ان کا

---

[1] میزان الاعتدال فی نقد الرجال جلد ۴۔ ص ۳۰۹ طبع بیروت، تذکرۃ الحفاظ جلد اول۔ ص ۱۷۱، سیرت الحفاظ جلد ۵۔ ص ۶۸، علامہ مامقانی کی **شقيح المقال في العلم الرجال** (ذکر ھمام)

[2] و [3] امام عبداللہ بن محمد بن احمد بن عثمان الذہبیؒ کی تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۱۷۱ طبع لاہور، سیرت الحفاظ جلد ۵۔ ص ۶۸، **شقيح المقال في علم الرجال** (ذکر ھمام)

حافظہ صحیح نہیں۔ [۱]

☆ **قال عمرو بن علی : کان یحییٰ لا یرضی حفظه و لا کتابه ولا یحدث عنه** ۔ عمرو بن علی فرماتے ہیں: یحییٰؒ ان کے حافظہ پر اعتماد نہیں کرتے تھے۔ اور نہ ان کے لکھے ہوئے پر، اور نہ ان سے حدیث لیتے تھے۔ [۲]

☆ **الحسن الحلوانی ، سمت عفان قال : کان همام لا یکاد یرجع کتابه ، ولا ینظر فیه ، و کان یخالف فلا یرجع الی کتابه ، و کان یکره ذلك ۔ قال : ثم رجع بعد فنظر فی کتبه فقال : یا عفان، کنا نخطئی کثیراً ، فنستغفر الله۔**

حسن الحلوانی فرماتے ہیں: عفان سے میں نے سنا کہ ہمام اپنے لکھے سے رجوع نہیں کرتے تھے۔ اور نہ اپنی کتابوں پر نظر ڈالتے تھے۔ اور ان کی مخالفت کی جاتی تھی تو اس کے باوجود وہ اپنے لکھے سے رجوع نہیں کرتے تھے۔ وہ اس سے نفرت کرتے تھے۔ بعد میں وہ اپنی کتابوں پر نظر ڈالنے لگے۔ تو انہوں نے عفان سے کہا کہ ''ہم بہت مرتبہ غلطی کرتے تھے۔ پس ہم اللہ سے معافی مانگیں گے''۔ [۳]

☆ اور تبوذکی کہتے ہیں کہ میں نے ہمام کو یہ کہتے سنا ہے کہ ''علم حدیث کے سوا نیکی کے ہر کام میں اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی امید کرتا ہوں''۔ [۴]

ہمام بن یحییٰ کا مندرجہ بالا جملہ قابلِ توجہ ہے۔

یہ تعارف ہمام بن یحییٰ کا تھا۔ اب حضرت وائلؓ بن حجر کے صاحبزادے علقمہ بن وائل کا جائزہ لیتے ہیں جن پر اس حدیث کا دارومدار ہے۔ ان کے بارے میں علمائے حدیث کیا کہتے ہیں؟۔

---

[۱] تا [۳] امام ذہبیؒ کی میزان الاعتدال فی نقد الرجال۔ جلد۴۔ ص۳۰۹ طبع بیروت

[۴] تذکرۃ الحفاظ جلد اول۔ ص۱۷۱ طبع لاہور

علقمہ بن وائل :

- ☆ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ اپنی کتاب "تقریب التہذیب" میں ان کے بارے میں لکھتے ہیں کہ علقمہ بن وائل نے اپنے والد سے کوئی حدیث نہیں سنی۔

- ☆ امام ذہبیؒ فرماتے ہیں: "**روایتہ عن ابیہ مرسلۃ**"۔ یعنی علقمہ جو روایت اپنے والد سے بیان کرتے ہیں وہ مرسل ہیں۔ یعنی انہوں نے اپنے والد سے براہ راست نہیں سنی۔ [1]

- ☆ امام زیلعی حنفیؒ اپنی کتاب "نصب الرایہ" میں علقمہ کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں کہ علقمہ نے اپنے والد سے نہیں سنا۔ وہ اپنے والد کی وفات کے چھ (۶) ماہ بعد پیدا ہوا۔ [2]

یہ کس طرح ممکن ہے کہ علقمہ اپنی پیدائش سے چھ ماہ پہلے اپنے والد سے کوئی روایت سن لیں۔ کیونکہ علقمہ اپنے والد حضرت وائلؓ بن حجر کی وفات کے چھ ماہ بعد پیدا ہوئے۔ اور انہی سے روایت بیان کر رہے ہیں۔ یہ حدیث مرسل کی شرائط پر بھی پورا نہیں اترتی۔ یہ حدیث دیگر خامیوں کے ساتھ ساتھ منقطع ہے۔ اور منقطع حدیث ضعیف ہوتی ہے۔

امام ابوداؤدؒ نے اپنی سنن میں یہ روایت ھمام بن یحیٰی کے بجائے عبدالوارث بن سعید سے نقل کی ہے۔ (جو قدری العقیدہ تھا۔ اس عقیدے کا تعارف اگلے صفحات پر آئے گا۔) جس کے الفاظ اور متن ھمام کی روایت سے مختلف ہیں۔ اس میں سجدے سے اُٹھتے وقت بھی رفع یدین کا ذکر ہے۔ جبکہ ھمام بن یحیٰی کی مذکورہ روایت میں سجدے سے اُٹھتے وقت رفع یدین کا ذکر نہیں۔

امام ابن شیبہؒ[3] نے اپنی کتاب "**المصنف**" میں اور امام نسائیؒ نے اپنی سنن میں بھی حضرت وائلؓ بن حجر کی روایات علقمہ بن وائل سے نقل فرمائی ہیں۔ یہ روایات بھی صحیح مسلم

---

[1] میزان الاعتدال فی نقد الرجال جلد سوئم۔ ص ۱۰۸ طبع بیروت

[2] امام زیلعی حنفیؒ کی **نصب الرایہ** جلد اول۔ ص ۳۷۰

[3] امام ابن شیبہؒ کی **المصنف** جلد اول۔ ص ۳۹۰

کی روایت کی طرح منقطع ہیں۔ کیونکہ علقمہ کی اپنے والد حضرت وائلؓ سے سماع ممکن نہیں۔

حضرت وائلؓ بن حجر سے دوسری روایت :

امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقیؒ نے سنن کبریٰ میں حضرت وائلؓ بن حجر سے سینے پر ہاتھ باندھنے کی ایک روایت کو دو سندوں سے نقل کیا ہے۔

عن وائل انه رای النبی صلی الله علیه وسلم وضع یمینه
علی شماله ثم وضعهما علی صدره ۔

حضرت وائلؓ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے دیکھا کہ نبی کریم ﷺ نے دایاں
ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھا۔ پھر دونوں ہاتھ سینے پر رکھے۔ [1]

اس حدیث کا مختصر جائزہ

اس حدیث کے پہلے سلسلہ سند میں ایک راوی محمد ابن حجر اور دوسری راوی اُم جبار ہیں۔ نیز امام بیہقیؒ نے کہا کہ اس حدیث کو مؤمل نے بھی روایت کیا ہے۔

آیئے ان دونوں سندوں کے تینوں راویوں کے متعلق علمائے حدیث کی رائے معلوم کرتے ہیں کہ کیا یہ راوی علمائے حدیث کے نزدیک اس قابل تھے کہ ان کی بیان کردہ روایت پر اعتماد کیا جاسکے؟۔

۱۔ محمد ابن حجر ۲۔ اُم جبار ۳۔ مؤمل

۱۔ محمد ابن حجر:

ان کا پورا نام محمد ابن حجر ابن عبد الجبار ابن وائل ابن حجر تھا۔ یہ حضرت وائلؓ بن حجر کے پرپوتے تھے۔

☆ امام ذہبیؒ انکے متعلق لکھتے ہیں کہ وہ اپنے چچا سعید سے منکر روایات بیان کرتا ہے۔ [2]

---

[1] امام بیہقی کی سنن کبریٰ جلد ۲۔ ص ۳۱ [2] میزان الاعتدال فی نقد الرجال جلد ۳۔ ص ۵۱۱ طبع بیروت

۲۔ اُم جبار :

یہ راوی غیر معروف ہیں ۔ اور غیر معروف راوی کی بیان کردہ روایت قابلِ حجت نہیں ہوتی۔

دوسرے سلسلہ سند کے راوی مؤمل کے بارے میں علمائے حدیث کی آرا ملاحظہ فرمائیں۔

۳۔ مؤمل :

ان کا نام مؤمل ابن اسماعیل ہے۔

☆ **تهذيب الكمال في اسماء الرجال** میں اس مؤمل کے متعلق یہ کہا گیا ہے کہ اس نے اپنی کتابوں کو دفن کر دیا تھا۔ اور اپنے حافظہ سے حدیثیں بیان کرتا تھا۔ جس میں اس سے بہت خطائیں ہوتیں تھیں۔

☆ **وقال أبو حاتم : كثير الخطاء.**

امام ابو حاتمؒ نے فرمایا: یہ کثیر الخطاء ہے۔ یعنی حدیثیں بیان کرنے میں کثرت سے خطائیں کرتا ہے۔ [۱]

☆ **وقال البخاري : منكر الحديث.** [۲]

اور امام المحدثین امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ یہ منکر حدیثیں بیان کرنے والا ہے۔

☆ **وقال ابو ذرعه : في حديثه خطا كثير.** [۳]

اور امام ابو ذرعہؒ نے کہا کہ اس کی حدیث میں بہت زیادہ خطائیں ہوتی ہیں۔

جس حدیث میں اس قسم کے راوی ہوں ۔ جن کے بارے میں علمائے حدیث کی یہ رائے ہو ۔ ان کی بیان کردہ روایات پر قطعاً اعتماد نہیں کیا جاتا ۔ اور نہ ہی ان روایات کو قابلِ حجت واستدلال سمجھا جاتا ہے۔

---

[۱] تا [۳] میزان الاعتدال فی نقد الرجال جلد۴۔ ص ۲۲۸ طبع بیروت

حضرت وائلؓ بن حجر سے تیسری روایت :

اس روایت کو امام ابوعبدالرحمٰن نسائیؒ نے اپنی سنن نسائی میں نقل فرمایا ہے۔

اخبرنا سويد بن نصر قال ابنانا عبدالله بن المبارك عن ذآئدة قال حدثنا عاصم ابن كليب قال حدثني ابى ان عن وائل بن حجر اخبرره قال قلت لا نظرن الى صلوة رسول الله ﷺ كيف يصلى فنظرت اليه فقام فكبر و رفع يديه حتى حاذتا باذنيه ثم وضع يده اليمنىٰ على كفه اليسرىٰ و الرسغ و الساعد فلما ارادا نيركع رفع يديه مثلها قال و وضع يديه على ركبتيه ثم لما رفع راسه رفع يديه مثلها ثم سجد فجعل كفيه بحذآء اذانيه۔

حضرت وائلؓ بن حجر فرماتے ہیں کہ میں نے (دل میں) کہا کہ میں رسولؐ اللہ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھوں گا۔ چنانچہ میں نے دیکھا کہ آپؐ کھڑے ہوئے اور تکبیر کہتے ہوئے دونوں ہاتھ کانوں کی لو تک اُٹھائے، پھر دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھا۔ یعنی ایک گٹا دوسرے گٹے پر اور ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ پر، جب رکوع کا ارادہ کیا تو رفع یدین کیا، پھر ہاتھ گھٹنوں پر رکھ دیتے، پھر رکوع سے سر اٹھایا تو اسی طرح دونوں ہاتھ (کانوں تک) اُٹھائے، پھر سجدہ کیا تو دونوں ہاتھوں کو کانوں کے برابر رکھا۔ [1]

اس حدیث سے وہ علماء استدلال نہیں لے سکتے، جو رفع یدین کو ناجائز قرار دیتے ہیں۔ کیونکہ اس میں بار بار رفع یدین کا ذکر ہو رہا ہے۔

اس حدیث کے راویوں کا جائزہ :

سنن نسائی شریف میں مذکور اس حدیث کا سلسلہ سند اس طرح ہے۔

۱۔ سوید بن نصر، ۲۔ عبداللہ ابن مبارک، ۳۔ زائدہ، ۴۔ عاصم ابن کلیب،
۵۔ عاصم کے والد کلیب ابن شہاب۔

---

[1] سنن نسائی جلد اول۔ ص ۳۰۱ کتاب الافتتاح۔ باب موضع اليمين من الشمال فی الصلوة

ان افراد کے متعلق علمائے حدیث کی جرح وتعدیل کی روشنی میں معلومات حاصل کرتے ہیں۔ کہ کیا یہ افراد علمائے حدیث کے نزدیک قابلِ اعتماد تھے کہ ان کی بیان کردہ روایت پر یقین کرکے اپنے عمل کی بنیاد بنایا جاسکے؟۔ (جرح وتعدیل کا تعارف اس باب کے آغاز میں پیش کر چکے ہیں)۔

۱۔ سوید بن نصر :

ان کا پورا نام سوید بن نصر ابن سوید المروزی ہے۔

☆ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ سوید بن نصر سے امام بخاریؒ وامام مسلمؒ نے روایات لینے کے باوجود ان کی روایات کو **صحیحین** میں درج نہیں کیا۔ [۱]
(یعنی انکی روایات کو معتبر نہیں سمجھا اور صحیح بخاری وصحیح مسلم شریف میں جگہ نہیں دی)

۳۔ زائدہ :

علم رجال کی کتابوں میں اس نام کے چار افراد ملتے ہیں۔ ان چاروں میں سے ایک زائدہ ابن ابی الرقاد ہیں۔ جن کے بارے میں خود امام نسائیؒ فرماتے ہیں کہ "**لا ادری ماھو**"۔ ''میں نہیں جانتا وہ کون ہے''۔ ظاہر ہے کہ جس کو امام نسائیؒ نہیں جانتے کہ وہ کون ہے تو یہ زائدہ اس حدیث کے راوی نہیں ہوسکتے۔ ان کے متعلق امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ "**منکر الحدیث**"۔ ''یہ منکر حدیثیں بیان کرنے والا ہے''۔ [۲]

دوسرے زائدہ بن قدامہ ثقفی کوفی ہیں۔ ان سے عبد اللہ ابن مبارک کی سماع (سننا) ثابت نہیں۔ امام ذہبیؒ ان کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ''ان کے اپنے شہر کے علماء کے سوا کسی دوسرے سے ان کی حدیث نہیں ملتی''۔ [۳] زائدہ بن قدامہ کوفہ کے رہنے

---

[۱] تقریب التہذیب جلد۴۔ ص ۲۴۶ [۲] میزان الاعتدال فی نقد الرجال جلد دوئم۔ ص ۶۵

[۳] تذکرۃ الحفاظ جلد اول۔ ص ۲۱۸ طبع لاہور

والے تھے۔ جبکہ ان کے حوالے سے مذکورہ حدیث عبداللہ ابن مبارک بیان کر رہے ہیں۔ جو ''مرو'' کے رہنے والے تھے۔ اس طرح یہ زائدہ بھی اس حدیث کے راوی نہیں ہو سکتے۔

اب ان چاروں زائدہ میں سے دو باقی رہ جاتے ہیں۔

ا۔ زائدہ بن سلیم :

☆ امام ذہبیؒ ان کے متعلق لکھتے ہیں کہ ''یہ مجہول ہے''۔ [۱]

۲۔ زائدہ :

☆ ان کے متعلق امام حاتمؒ کہتے ہیں۔ "حدیثه منکر" اس کی حدیثیں منکر ہیں۔ [۲]

☆ امام بخاری فرماتے ہیں" لا یتابع علی حدیثه " یہ حدیث کی پیروی نہیں کرتا۔ [۳]

ان دونوں زائدہ کے بارے میں علمائے حدیث کی آراء جان لینے کے بعد ان کی بیان کردہ روایت نا قابل حجت ہوگی۔ اب ہم اس راوی کا احوال معلوم کرتے ہیں۔ جس پر اس حدیث کا انحصار ہے۔

۴۔ عاصم ابن کلیب :

حضرت وائلؓ بن حجر کی اس حدیث کا پورا انحصار عاصم ابن کلیب پر ہے۔ جو اپنے والد کلیب بن شہاب کے حوالے سے بیان کر رہے ہیں۔ یعنی عاصم ابن کلیب نے اپنے والد کلیب بن شہاب سے سنا اور انہوں نے حضرت وائلؓ بن حجر سے سنا۔

جب کوئی روایت عاصم اپنے والد کلیب سے بیان کریں تو اس روایت کے بارے میں امام ابوداؤدؒ فرماتے ہیں۔

---

[۱] تا [۳] امام ذہبیؒ کی میزان الاعتدال فی نقد الرجال جلد دوئم۔ ص ۶۴ طبع بیروت

☆ **قال ابو عبيد الآجری سمعت ابا داؤد يقول عاصم بن كليب عن ابيه عن جده ليس بشی الناس بغلطون يقولون كليب عن ابيه ليس هوذاك۔**

ابوعبید الآجری کہتے ہیں کہ امام ابوداؤدؒ یہ فرماتے تھے کہ عاصم بن کلیب اگر اپنے والدکلیب بن شہاب سے روایت کریں تو یہ روایت صحیح نہیں ہے۔ لوگ ان کی غلطی بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ روایت کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ کیونکہ عاصم کی کمسنی میں ان کے والد کا انتقال ہوگیا تھا۔ [1]

☆ امام بخاریؒ کے استاد امام علی بن المدینیؒ ان کے متعلق فرماتے ہیں۔ ”**لا يحتج به اذا انفرد**“ جب یہ (عاصم) منفرد ہوں تو ان کی احتجاج، یعنی انکی روایت کو دلیل بنانا درست نہیں ہے۔ [2]

عاصم بن کلیب کی اس روایت کو امام محمد ابن ماجہ نے مختلف سند سے سنن ابن ماجہ جلداول ابواب اقامة الصلوات و السنة فيها۔ باب ٢٢٦ حدیث نمبر ٨٥٦ میں نقل کیا ہے۔ اس حدیث کا بھی انحصار عاصم بن کلیب پر ہے۔ کلیب بن شہاب سے ان کے بیٹے عاصم کے علاوہ کسی دوسرے راوی نے ہاتھ باندھنے کی روایت بیان نہیں کی۔

جن حدیثوں کے سلسلہ سند کے راویوں کے بارے میں علمائے حدیث کی یہ رائے ہو کہ زائدہ منکر الحدیث ہوں، اور عاصم کے بارے میں یہ ہو کہ جب وہ اپنے والدکلیب بن شہاب سے روایت بیان کریں تو یہ روایت صحیح نہیں بلکہ اس کی کوئی حیثیت نہیں، تو اب اس روایت کو قابل حجت کس طرح مانا جاسکتا ہے؟۔

☆ امام عقیلیؒ نے اپنی کتاب میں عاصم بن کلیب کا ذکر ضعیف راویوں میں کیا ہے۔ [3]

☆ **وقال، شريك: وكان عاصم بن كليب مرجئاً** ۔اور شریک نے کہا کہ

---

[1] امام ابوعبید الآجریؒ کی ”**سوآلات الآجری لابی داؤد**“ جلد سوئم۔ ص ١٦٧ طبع مصر

[2] حافظ ابن حجر کی تہذیب التہذیب جلد ٥۔ ص ٤٩ [3] امام عقیلیؒ کی **ضعفاء العقیلی**۔ ص ١٦٢

بات عالم اسلام کی معتبر اور مشہور ترین کتابوں کے حوالے سے جہاں تک ممکن ہو سکے، مختصر کریں۔

بسم اللہ سے اجتناب کی وجہ :

حضرت معاویہ کا حضرت علیؓ سے بغض و عداوت کھلی ہوئی حقیقت ہے۔ جس سے تاریخ و احادیث کا ادنیٰ طالبِ علم بھی واقف ہے۔ اور جس کا اندازہ احادیث و تاریخ کی تمام کتابوں میں موجود روایات وواقعات سے ہو جاتا ہے۔

اس سلسلے میں مولانا مودودی اپنی کتاب میں تحریر فرماتے ہیں:

> ''ایک اور نہایت مکروہ بدعت حضرت معاویہ کے عہد میں یہ شروع ہوئی کہ وہ اور ان کے حکم سے ان کے تمام گورنر خطبوں میں برسرِ منبر حضرت علیؓ پر سب وشتم کی بوچھاڑ کرتے تھے۔ حتیٰ کہ مسجد نبوی میں منبر رسولؐ پر عین روضہ نبویؐ کے سامنے حضورؐ کے محبوب ترین عزیز کو گالیاں دی جاتی تھیں اور حضرت علیؓ کی اولاد اور ان کے قریب ترین رشتہ دار اپنے کانوں سے یہ گالیاں سنتے تھے''۔ [1]

منبر رسولؐ سے حضرت علیؓ پر تبرّا بازی اُموی بادشاہ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے دور حکومت تک جاری رہی۔ انہوں نے اس سلسلے پر پابندی عائد کی۔ حضرت علیؓ پر تبرّا کرنے سے انکار کرنے والے صحابہ کرام و تابعینؒ کو جو اذیتیں اٹھانا پڑیں۔ وہ تاریخ و احادیث کی کتابوں میں محفوظ ہیں۔ بغض علیؓ کا اندازہ کرنے کیلئے صرف چند مثالیں پیش خدمت ہیں۔

امام مسلم ابن حجاج اپنی صحیح مسلم میں نقل فرماتے ہیں :

> ''معاویہ بن ابوسفیان نے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو حکم دیا کہ وہ حضرت علیؓ کو گالیاں دیں۔ سعدؓ نے معذرت کی۔ معاویہ نے کہا ابوتراب کو گالیاں دینے سے آپ کو کیا چیز روکتی ہے۔ حضرت سعدؓ نے جواب دیا ایک آری سے میرے سر کو چیر دیا جائے مگر

---

[1] خلافت وملوکیت۔ ص۱۷۴ ، تاریخ طبری جلد۴۔ ص۱۷۸ ، کامل ابن اثیر جلد۳۔ ص۲۳۴ ، تاریخ ابن کثیر جلد۸۔ ص۲۵۹ اور جلد۹۔ ۸۰ طبع کراچی وغیرہ

میں علیؑ کو گالیاں نہ دوں گا، مجھے سر میں شگاف کروانا منظور ہے، مگر میں علیؑ کو گالیاں نہ دوں گا۔ [۱]

اور بعد میں حضرت معاویہ نے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو زہر دے کر قتل کرادیا۔ [۲]

دوسرے صحابی رسول حضرت حجر بن عدیؓ اور ان کے ساتھیوں کو حضرت علیؑ پر تبرّا بھیجنے کی مخالفت کرنے پر بے دردی سے شہید کیا گیا۔ ان واقعہ کا مختصر احوال پچھلے صفحات پر حضرت وائلؓ کے حوالے سے پیش کر چکے ہیں۔ اس واقعہ کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت معاویہ کے حکم سے کوفہ کے گورنر زیاد نے منبر سے خاندانِ رسالتؐ اور خصوصاً حضرت علیؑ پر تبّرا بھیجنا شروع کیا تو حضرت عدیؓ نے اس کے جواب میں خاندانِ رسالتؐ کی حمایت اور حضرت علیؑ کے فضائل بیان کرنے شروع کئے۔ جب زیاد اپنے خطبے میں تبّرے کا آغاز کرتا، تو حجر بن عدیؓ بھی کھڑے ہوکر اس کی تردید کرتے اور حضرت علیؑ کے فضائل بیان کرتے۔ زیاد نے تنگ آ کر حجرؓ کی شکایت حضرت معاویہ سے کی۔ انہوں نے حجرؓ کی گرفتاری کا حکم نافذ کیا کہ ان کو اور ان کے ساتھیوں کو گرفتار کر کے میرے پاس دمشق بھیج دو۔ زیاد نے حجر بن عدیؓ اور ان کے ساتھیوں کو باغی قرار دے کر گرفتار کیا۔ اور ان کے خلاف گواہیاں جمع کیں۔ چالیس گواہوں میں تمام کے تمام وہ افراد شامل تھے کہ جو حکومت سے کسی نہ کسی حیثیت میں وابستہ رہے یا جن کو اس گواہی کے صلہ میں انعام واکرام سے نوازہ گیا، ان میں سے ایک وائلؓ بن حجر بھی تھے جن سے منسوب ہاتھ باندھنے والی روایات کا جائزہ پچھلے صفحات پر لیا۔ حجر بن عدیؓ اور ان کے ساتھیوں کو گرفتار کر کے دمشق حضرت معاویہ کے پاس بھیجا گیا۔ جہاں دمشق کے قریبی گاؤں میں ان کو بڑی بے دردی سے شہید کر دیا گیا۔ [۳]

---

[۱] صحیح مسلم جلد۲۔ مناقب علیؓ۔ ص۳۳۳، جامع ترمذی جلد۲۔ ص۵۵۹ ، ابن حجر عسقلانیؒ کی فتح الباری جلد۷۔ ص۴۷ ، شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کی فتاویٰ عزیزی۔ ص۲۱۴ ☆ [۲] فتح الباری جلد۷۔ ص۵۷

[۳] تاریخ کامل ابن اثیر جلد۳۔ ص۲۴۵ (۵۱ھ)، تاریخ ابن عساکر جلد۸۔ ص۸۸، تاریخ ابن خلدون جلد۳۔ ص۱۳ (۵۱ھ)، تاریخ طبری جلد۳۔ ص۱۴۰ (۵۱ھ)، تاریخ ابنِ کثیر جلد۔ ص۴۹ (ذکر ۵۱ھ)، تاریخ ابوالفداء۔ ص۱٦٦، ابن حجر عسقلانی کی الاصابہ فی تمیز الصحابہ جلد اول۔ ص۳۱۳، اسد الغابہ فی معرفت الصحابہ جلد اول۔ ص۴٦۱ (ذکر حجرؓ)، مروج الذھب جلد۳۔ ص۱۲، مستدرک الحاکم جلد۳۔ ص۴٦۸ وغیرہ

اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے بھی حضرت حجر بن عدیؓ کے قتل پر احتجاج فرمایا

> جناب عائشہؓ نے فرمایا: اے معاویہ! تو نے حجر اور ان کے ساتھیوں کو قتل کیا ہے۔ اللہ کی قسم مجھے رسولؐ اللہ کا بیان یاد ہے کہ (دمشق کے قریب) عذرا گاؤں میں سات مرد قتل کر دیئے جائیں گے اور ان کی وجہ سے اللہ اور تمام اہل آسمان غضب ناک ہوں گے۔ ۱؎

مظالم کے پہاڑ ہر اس شخص پر ٹوٹے جس سے حضرت معاویہ کو خطرہ محسوس ہوا۔ حضرت معاویہ نے اپنے دورِ حکومت میں چونسٹھ (۶۴) صحابہ کرامؓ کو قتل کروایا۔ یہاں تک کہ اُم المومنین حضرت عائشہؓ کو بھی ۵۸ھ میں بے دردی سے قتل کر دیا گیا۔ ان کا مختصر احوال یہ ہے کہ حضرت معاویہ نے یزید کو ولی عہد بنانے اور اس کیلئے بیعت لینے پر جب لوگوں کو مجبور کیا، تو دیگر لوگوں کے علاوہ اُم المومنین حضرت عائشہؓ نے بھی شدید مخالفت کی مکہ اور مدینے میں یزید کیلئے بیعت لینے کی ذمہ داری حضرت معاویہ کے رشتہ دار مروان بن حکم (گورنر مدینہ) کی تھی۔ جہاں اُم المومنینؓ مخالفت کر رہی تھیں۔ جب یہ مخالفت حضرت معاویہ کیلئے نا قابل برداشت ہوئی تو وہ اُم المومنینؓ کی جان کے درپے ہو گئے۔ اور ان کو اپنی راہ سے ہٹانے کی ذمہ داری مروان کے سپرد کی۔

اُم المومنین حضرت عائشہؓ کا قتل :

اس بارے میں علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں۔

> ”آپؓ (حضرت عائشہؓ) کو مروان اور اس کے خاندان والوں نے شہید کیا۔ اس کی وجہ وہ مخالفت تھی جو حضرت عائشہ کرتی تھیں۔ اس (مروان) نے دعوت کے بہانے سے اپنے گھر بلایا۔ اور پہلے ایک گڑھا عمیق کھود کر اس میں نیزے تلواریں وغیرہ گاڑھ دی تھیں۔ اور اس پر ایک فرش بچھا دیا تھا۔ اُم المومنینؓ جب تشریف لائیں، تو ان کو وہیں بٹھایا گیا، بیٹھنا تھا کہ نیچے گر پڑیں، معمر اور کمزور تھیں، ایسی چوٹ آئی کہ پھر اس سے جانبر نہ ہوئیں“۔ ۲؎

۱؎ تاریخ ابن عساکر جلد ۸۔ ص ۸۹ (ذکر حجرؓ)

۲؎ تاریخ ابن خلدون جلد ۲۔ ص ۶۶ طبع کراچی ، **اوائل مئولف سیوطی۔ ص ۳۷۵ ، حبیب السیر** جزء سوئم جلد ۳۔ ص ۵۸ ، **الطرائف فی معرفته مذاهب الطوائف۔** ص ۵۰۳

حضرت معاویہ اوران کا خاندان بنواُمیہ حضرت علیؓ سے بغض وعداوت میں تمام حدیں پار کر گئے تھے۔ علامہ ابن حجر عسقلانیؒ اپنی کتاب میں مقری سے نقل کرتے ہیں **وقال المقری کان بنو امیة اذا سمعوا بمولود اسمه علی قتلوه** ۔ یعنی بنواُمیہ جب سنتے کہ کسی بچے کا نام علی ہے، تو اسے قتل کردیتے تھے۔ [1]

☆ امام محمد بن عقیل شافعیؒ اپنی کتاب میں تحریر کرتے ہیں کہ بنواُمیہ کے زمانۂ حکومت میں کسی بچے کا نام علی رکھے جانے کی مخبری ہوجاتی، تو اسے فوراً قتل کردیا جاتا۔ [2]

☆ علامہ خوارزمیؒ تحریر فرماتے ہیں بنواُمیہ، اہل بیتؑ سے ہمدردی رکھنے والے کو اگر پہچان لیتے تو اس کو، اور جو شخص اپنے بیٹے کا نام علی رکھتا تھا، اس کو وہ قتل کر دیتے تھے۔ [3]

☆ علامہ عبدالبرؒ اپنی کتاب میں ابوالقیس رازیؒ سے نقل کرتے ہیں کہ ''میں نے لوگوں کو تین گروہ میں منقسم پایا۔ ایک اہل دین جو کہ حضرت علیؓ کے دوست تھے، دوسرے دنیا کی محبت والے جو معاویہ کو دوست رکھتے تھے، تیسرے خوارج''۔ [4]

ان چند مثالوں سے باخوبی اندازہ ہوجاتا ہے کہ حضرت معاویہ اور بنواُمیہ حضرت علی کا نام ونشان مٹادینا چاہتے تھے۔ تاکہ اقتدار کے ساتھ ساتھ دین پر بھی کُلی اختیار حاصل کیا جاسکے۔ خلفائے ثلاثہ (حضرت ابوبکرؓ، عمرؓ اور عثمانؓ) کے دورِ خلافت میں قرآنِ مجید کی تشریح میں حضرت علیؓ حرفِ آخر تھے۔

عن ابن عباس قال اذا ثبت لنا الشئی عن علی لم نعدل الی غیره۔

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جب ہم کو کوئی بات حضرت علیؓ سے ثابت

---

[1] ابن حجرؒ کی تقریب التہذیب جلد ۷۔ ص ۳۱۹ [2] امام محمد بن عقیل شافعیؒ کی النصائح الکافیہ۔ ص ۱۱۸

[3] رسائل ابوبکر خوارزمی۔ ص ۱۱۵ [4] علامہ عبدالبرؒ کی الاستیعاب فی معرفتہ الاصحاب۔ ص ۴۵۳

ہو جاتی، تو ہم ان کے غیر کی طرف رجوع نہیں کرتے۔ [1]

حضرت علیؓ سے بُغض میں حضرت معاویہ کیلئے یہ چیز ناقابلِ برداشت تھی کہ لوگ حسبِ سابق قرآن کی تاویل وتشریح میں حضرت علیؓ کے خطبات وتفسیر کی طرف رجوع کریں۔ اس کے سدباب کیلئے دورِ حضرت معاویہ میں ہر اس چیز کو فنا کر دینے کی کوشش کی گئی، جو حضرت علیؓ سے منسوب تھی۔ قرآنِ مجید کی ہر اس آیت سے حضرت معاویہ کو بُغض تھا جس سے اہل بیتؓ کی یاد لوگوں کے ذہنوں میں تازہ رہے۔ قرآنِ مجید کی سب سے زیادہ تلاوت کی جانے والی آیت بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہے۔ بقول حضرت عبداللہ ابن عباسؓ بسم اللہ قرآن کی سب سے بڑی آیت ہے۔ اس آیت کی تفسیر کے متعلق حضرت علی کا وہ خطبہ جس کے راوی دیگر صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ کے علاوہ حضرت ابن عباسؓ بھی ہیں، بہت مشہور تھا جس سے خود حضرت معاویہ بھی واقف تھے۔ اور اپنی نجی محفلوں میں بار ہا اس کا ذکر بھی کیا کرتے تھے۔

حضرت علیؓ کا خطبہ :

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ایک رات حضرت علیؓ نے بائے بسم اللہ کے نقطہ کی تفسیر بیان فرمانا شروع کی۔ صبح نمودار ہوگئی لیکن نقطہ بائے بسم اللہ کی تفسیر ختم نہ ہوسکی۔

> پھر حضرت علیؓ نے فرمایا: کائنات کے تمام اسرار قرآنِ مجید میں ہیں۔ جو کچھ قرآنِ مجید میں ہے، وہ سب سورہ الحمد میں ہے۔ اور جو سورہ الحمد میں ہے، وہ سب کچھ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں ہے۔ اور جو کچھ بسم اللہ میں ہے، وہ بسم اللہ کے ''ب'' میں ہے۔ اور جو کچھ ''ب'' میں ہے، وہ ''ب'' کے نقطہ میں ہے۔ پھر فرمایا: ''**وانا النقطة التی تحت البآء**''۔ اور وہ ''ب'' کے تحت کا نقطہ میں (علی) ہوں۔ [2]

---

[1] علامہ عبدالبرؒ کی الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب۔ ص۲۲۸ ، ارجح المطالب۔ ص۱۱۳

[2] مفتی اعظم قسطنطنیہ شیخ سلیمان قندوزیؒ کی **معالم العترہ** ۔ص۱۷۶، حکیم ترمذیؒ کی الفتح المبین ۔ص۳۷۶، ارجح المطالب۔ ص۱۱۳ بحوالہ ابن مغازلی ، علامہ ابن حلبی شافعیؒ کی **الدر المنظم**۔ ص۲۳۷ وغیرہ

اس کا ذکر علامہ اقبالؒ نے یوں کیا :

اللہ اللہ بائے بسم اللہ پدر! معنیِ ذبح عظیم آمد پسر

حضرت علیؓ کے اس خطبے میں بسم اللہ کی تفسیر کے بعد جب بھی لوگ بسم اللہ کی تلاوت کرتے ، تو لوگوں کے دلوں میں حضرت علیؓ کی یاد تازہ ہونا یقینی امر تھا۔ دن میں کم از کم فرض نمازوں میں سترہ (۱۷) مرتبہ جتنے سوروں کی تلاوت ہو، لوگوں کے دلوں میں حضرت علیؓ کی یاد تازہ ہوتی۔ حضرت معاویہ کیلئے یہ بات ناقابلِ برداشت تھی۔ اور یہی ناگوار بات، شاخسانہ تھی حضرت معاویہ کے نماز کے دوران بسم اللہ ترک کرنے کی۔

☆ علامہ ابوبکر جلال الدین سیوطیؒ اپنی کتاب تاریخ الخلفاء میں حضرت معاویہ کی تیرہ (۱۳) بدعات کا ذکر کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں کہ ''معاویہ نے بسم اللہ کو بالجھر (بلند آواز) پڑھنے سے لوگوں کو روک دیا''۔ [۱]

☆ امام فخر الدین رازیؒ تحریر فرماتے ہیں '' **فلما وصلت الدولة الى بنى امية بالغوافي المنع من الجهر سعيا فى ابطال** ''۔ ''جب اقتدار خاندانِ بنی اُمیہ میں آیا، تو ان لوگوں نے زور سے بسم اللہ پڑھنے کے خلاف پوری طاقت صرف کردی۔ اور لوگوں کو ایسا کرنے سے پوری شدت کے ساتھ روکتے تھے''۔ [۲]

امام ابن خزیمہؒ نے اپنی صحیح میں اور امام بیہقیؒ نے اپنی سنن اور المرفتہ میں حضرت سعید بن جبیرؒ کے حوالے سے حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت نقل کی ہے کہ

''شیطان نے لوگوں کے درمیان سے سب سے بڑی آیت
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم چرالی''۔ [۳]

---

[۱] علامہ سیوطیؒ کی تاریخ الخلفاء۔ ص ۲۱۵ طبع مصر (یہ کتاب برس ہا برس سے درسِ نظامی کا حصہ ہے)

[۲] امام رازیؒ کی تفسیر الکبیر جلد اول۔ ص ۱۶۱ طبع مصر

[۳] صحیح ابن خزیمہ جلد اول۔ ص ۲۶۷ ، امام بیہقی کی سنن کبریٰ جلد ۲۔ ص ۵۰ ، تفسیر در منثور جلد ۱۔ ص ۳۷

باب۔ ۷

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

رکعتوں میں قرأت

ہم اس باب میں دورانِ قیام تلاوت کی جانے والی ان سورتوں کا جائزہ لیں گے، جن کی تلاوت کرنا حکم رسولؐ کے مطابق افضل ہے۔ اس کے علاوہ سنت رسولؐ کی روشنی میں ائمہ اربعہؒ اور ائمہ اہل بیتؑ کے اقوال کا بھی جائزہ لیں گے کہ ان حضرت کے اقوال سنت رسولؐ سے کتنی مطابقت رکھتے ہیں۔ اس باب میں ہم اختصار کی خاطر صرف حقائق بیان کرتے ہوئے گزر جائیں گے۔ ان میں مطابقت کا موازنہ کرنا آپ کی صواب دید پر منحصر ہے۔ کیونکہ نماز کے سلسلے میں اس تحقیق کا واحد مقصد اپنی اس اولین عبادت کو حکم الٰہی اور سنت رسولؐ کے مطابق ڈھالنا ہے۔

سنت رسولؐ: قولی احادیث

حد ثنا علی بن عبد الله قال حد ثنا سفیان حد ثنا الزهری عن محمود بن الربیع عن عبادة بن الصامت ان رسول الله صلعم قال لا صلوة لمن یقرآء بفاتحة الکتاب۔

حضرت عبادہ بن صامتؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس کی نماز نہیں، جو سورۂ فاتحہ نہ پڑھے۔ [1]

دوسری قولی حدیث :

حضرت ابو ہریرہؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا: جس نے نماز میں سورۂ فاتحہ

---

[1] صحیح بخاری جلد اول۔ ص ۳۶۲ کتاب **الاذان** باب ۴۸۶ حدیث ۷۱۷ طبع لاہور ، سنن نسائی جلد اول۔ ص ۳۰۸ کتاب **الافتتاح** باب ۵۵۶ حدیث ۹۱۴، ۹۱۵ طبع کراچی

نہیں پڑھی، تو اس کی نماز نامکمل ہے۔ نبی کریم ﷺ نے یہ جملہ تین مرتبہ ارشاد فرمایا۔ [۱]

فعلی حدیث :

عبداللہ بن ابی قتادہ نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلعم ظہر کی پہلی دو رکعتوں میں، سورۂ فاتحہ کے ساتھ دو سورتیں اور پڑھا کرتے تھے۔ اور آخر دو رکعتوں میں، صرف سورۂ فاتحہ پڑھتے۔ پہلی رکعت کو لمبی رکھتے، جبکہ دوسری رکعت کو اتنی لمبی نہیں رکھا کرتے۔ اسی طرح نماز عصر میں اور فجر میں بھی کیا کرتے تھے۔ [۲]

دورانِ نماز سورہ فاتحہ کی تلاوت کی بہت زیادہ احادیث کتابوں میں مروی ہیں۔ اور ان احادیث میں رسولؐ اللہ کا مسلسل تاکیدی حکم ہے کہ جس نے سورہ فاتحہ کی تلاوت نہیں کی اس کی نماز باطل ہے۔ یہاں ہم نے چند احادیث پیش کیں۔ رسولؐ اللہ کے تاکیدی حکم کے مطابق صحابہ کرامؓ کا عمل بھی رہا۔ ان روایات کو اختصار کے پیش نظر چھوڑ رہے ہیں۔ آیئے اب ائمہ اربعہؒ کے اقوال کا جائزہ لیتے ہیں کہ وہ رسولؐ اللہ کے اس تاکیدی حکم سے کتنی مطابقت رکھتے ہیں۔

ائمہ اربعہؒ اور سورۂ فاتحہ :

امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک نماز میں مطلقاً قرآن پڑھنا فرض ہے، خصوصیت کے ساتھ سورۂ فاتحہ پڑھنا فرض نہیں ہے۔ [۳]

جبکہ باقی تینوں ائمہ کے نزدیک سورۂ فاتحہ کا پڑھنا فرض ہے۔ اور اگر قصداً سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی، تو نماز نہیں ہوگی۔ [۴]

---

[۱] صحیح مسلم شریف جلد۲۔ ص۲۳ کتاب **الصلوۃ** طبع لاہور

[۲] صحیح بخاری جلد اول۔ ص۳۶۸ کتاب **الاذان** حدیث ۷۳۷ طبع لاہور

[۳] و [۴] کتاب الفقہ علی المذاھب الاربعہ جلد اول۔ ص۳۳۱ (جامعہ الازہر)، ھدایہ جلد اول۔ ص۵۶، شرح وقایہ۔ ص۲۹ ، **درالمختار** جلد اول۔ ص۹۹ کتاب الصلوۃ،

اس سلسلے میں علامہ سید احمد حسن محدث دہلوی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں: امام مالکؒ، شافعیؒ، احمد بن حنبلؒ کے نزدیک سورۂ فاتحہ کا پڑھنا نماز کا ایک رکن ہے۔ بغیر اس کے نماز نہیں ہوتی۔ جبکہ امام ابو حنیفہؒ اس کے مخالف ہیں۔ ۱؎

ائمہ اہل بیتؑ اور سورۂ فاتحہ :

ائمہ اہل بیتؑ کے اقوال کی روشنی میں سورۂ فاتحہ کا نماز کی ہر رکعت میں
بالتکرار پڑھنا فرضِ عین ہے۔ ۲؎

محمد بن مسلم نے امام جعفر صادقؒ سے اس شخص کے بارے میں پوچھا جس نے نماز میں سورہ فاتحہ نہ پڑھی ہو۔ فرمایا: اس کی نماز نہیں ہوگی۔ جب تک بآواز بلند یا آہستہ اسے نہ پڑھے۔ میں (محمد بن مسلم) نے کہا: اگر وہ خائف ہو یا جلدی میں ہو، تو آپ کے نزدیک کیا صورت بہتر ہوگی۔ کوئی اور سورہ پڑھ لے یا سورۂ فاتحہ؟۔ فرمایا: سورۂ فاتحہ۔ ۳؎

مقتدی کی قرأت اور ائمہ اربعہؒ :

مقتدی کی قرأت پر ائمہ اربعہؒ میں اختلاف ہے۔ امام شافعیؒ اور امام حنبلؒ ایسے مقتدی کی قرأت کو سنت قرار دیتے ہیں، جو امام کی قرأت نہ سن پا رہا ہو۔ جبکہ امام ابو حنیفہؒ کے مطابق مقتدی کو امام کے پیچھے مطلقاً کچھ پڑھنا جائز نہیں ہے۔ اور امام مالکؒ کے نزدیک جہری (بآواز بلند) نمازوں میں مقتدی کا قرأت کرنا مکروہ ہے۔ اگرچہ امام کی آواز سنائی نہ بھی دے یا امام خاموش ہو۔ ۴؎

۱؎ احسن التفاسیر جلد اول۔ ص ۶۸ طبع لاہور ۲؎ تفسیر فضل الخطاب جلد اول۔ ص ۱۷ طبع لاہور

۳؎ فروع کافی جلد ۲۔ ص ۷۲ طبع کراچی ۴؎ کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ جلد اول۔ ص ۳۰۲

عاصم بن کلیب مرجئی تھا۔ [1]

عاصم بن کلیب کا تعلق مرجیہ فرقے سے تھا۔ آیئے اس فرقے کے قائل افراد کے نظریات کا مختصراً تعارف علامہ ابوعبداللہ محمد بن سعد بصریؒ کی زبانی سنئے علامہ اپنی کتاب طبقات ابن سعد میں تحریر کرتے ہیں:

فرقہ مُرجِیَّہ:

> "اس فرقے کا نام مُرجیہ اس لئے ہوا کہ ان کا اعتقاد یہ تھا کہ جس شخص نے ایک مرتبہ کلمہ توحید پڑھ لیا۔ بس وہ مسلمان ہوگیا خواہ وہ اس کلمے کے بنیادی معنی و مفہوم سمجھے یا نہ سمجھے۔ بس وہ مومن اور مسلمان ہوگیا۔ اس کے بعد وہ تمام زندگی شرک و معصیت کی نجاست میں سر سے پیر تک دھنسا رہے اور گناہ کئے چلا جائے۔ وہ ہرگز دوزخ میں نہ جائے گا۔ ان کے مطابق ایمان فقط ایک قول ہے۔ اس میں احکام و اعمال کا کوئی دخل نہیں۔ اگر کوئی مسلمان اسلام کے کسی حکم پر عمل کرے تو اچھی بات ہے اور نہ کرے تو کوئی حرج نہیں"۔ [2]
>
> اعمش کا بیان ہے کہ حضرت ابراہیم نخعیؒ کے سامنے مرجیہ کا ذکر کیا گیا۔ آپ نے فرمایا کہ "خدا کی قسم میں ان کو اہل کتاب سے زیادہ مبغوض سمجھتا ہوں۔ اہل کتاب مسلمانوں کیلئے اتنے خطرناک اور گمراہ کن نہیں جتنے مرجیہ ہیں"۔ [3]

مرجیہ عقائد رکھنے والے راویوں کو امام بخاریؒ سمیت تمام ائمہ حدیث نے ضعیف قرار دیا ہے۔ امام بخاریؒ نے متعدد راویوں کو صرف ان کے مرجیہ عقائد کی وجہ سے ضعیف قرار دے کر ضعیف راویوں کے احوال پر مشتمل اپنی کتاب "الضعفاء" میں ان کا ذکر کیا ہے۔

---

[1] امام ذہبیؒ کی "الذھبی فی الکاشف" جلد دوئم۔ ص ۴۷ ، **ضعفاء العقیلی**۔ ص ۱۶۳

[2] و [3] علامہ ابوعبداللہ محمد بن سعد بصریؒ کی طبقات ابن سعد جلد ۶۔ ص ۳۰۳ طبع کراچی

حضرت وائلؓ بن حجر ہی کیوں؟۔

حضرت وائلؓ بن حجر سے منسوب ہاتھ باندھنے کی تمام روایات جو احادیث کی مختلف کتابوں میں موجود ہیں۔ جن کا ذکر ہم نے پچھلے صفحات پر کیا۔ ان تمام روایات پر تحقیق کرنے کے بعد یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت وائلؓ بن حجر پر کھلا جھوٹ ان روایات کی صورت میں منسوب کیا گیا ہے۔ ان تمام روایات کا جائزہ لینے کے بعد سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس جھوٹ و غلط بیانی کیلئے حضرت وائلؓ بن حجر کو ہی کیوں منتخب کیا گیا؟۔

اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ حضرت وائلؓ گمنام صحابی تھے۔ جن کا زمانہ صحابیت انتہائی قلیل تھا۔ کیونکہ آپ یمن کے رہنے والے تھے۔ فتح مکہ کے بعد آپ اپنے قبیلے والوں کے ہمراہ مدینہ تشریف لائے اور اسلام قبول کیا۔ آپ کو اور آپ کے قبیلے والوں کو مدینے سے باہر مسجد قباء میں ٹھہرایا گیا۔ جہاں چند روز قیام کرنے کے بعد واپس یمن چلے گئے۔ اس کے بعد رسولؐ اللہ سے ملاقات نہیں ہوئی۔ آپ کا زمانہ صحابیت پانچ یا چھ روز پر مشتمل ہے۔ خلافت ثلاثہ (حضرت ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ) کے زمانے میں یمن ہی میں رہے۔ ان کا انتقال حضرت معاویہ کے دورِ حکومت ۴۱ھ تا ۶۰ھ کے درمیان ہوا۔ [1]

قیام یمن کے دوران کسی تابعی کی ان سے حدیث کی سماع ثابت نہیں۔ کیونکہ اس زمانے میں ان کا رابطہ نہ تو صحابہ کرامؓ سے تھا اور نہ تابعین سے، اس زمانے میں ان صحابہ کرامؓ کی بہت بڑی تعداد زندہ تھی جن کا زمانہ صحابیت حضرت وائلؓ کے زمانہ صحابیت سے بہت زیادہ تھا۔ اس لئے تابعین ان کبار صحابہ کرامؓ سے حدیثیں لینے کو ترجیح دیتے تھے۔ حضرت وائلؓ کے دو صاحبزادوں میں سے ایک علقمہ بن وائل کی دورانِ نماز ہاتھ باندھنے کی روایت کا ہم جائزہ لے چکے جو حضرت وائلؓ کی وفات کے چھ ماہ بعد پیدا ہوئے۔ ان کے علاوہ ہاتھ باندھنے کی جو

---

[1] تاریخ ابن خلدون جلد اول۔ ص ۱۹۵ ، سیر الصحابہ جلد ۷۔ ص ۲۳۷ ، سیرت الحفاظ جلد سوئم۔ ص ۱۱۲ تہذیب التہذیب ، شقیع المقال فی العلم الرجال (ذکر وائلؓ) ، طبقات ابن سعد وغیرہ

روایات حضرت وائلؓ بن حجر سے منسوب کی گئیں وہ تمام قیام کوفہ کے دوران کی ہیں۔

حضرت وائلؓ بن حجر کوفہ اس پُر آشوب زمانے میں پہنچے جب زیاد بن سمیہ حضرت معاویہ کی طرف سے کوفہ کا گورنر تھا۔ آپ نے کوفہ کے معروضی حالات اور صحابی رسول حضرت حجر بن عدیؓ کے متعلق پوری معلومات نہ ہونے کے باوجود گورنر زیاد کی خواہش کے مطابق حضرت حجر بن عدیؓ کے خلاف گواہی دی۔ ان کے علاوہ دیگر صحابہ کرامؓ نے حضرت حجر بن عدیؓ کے خلاف گواہی دینے سے انکار کر دیا تھا۔ حضرت وائلؓ نے کوفہ میں نووارد ہونے کے باوجود نہ صرف گواہی دی بلکہ حضرت حجر بن عدیؓ اور ان کے دیگر سات ساتھیوں کو قیدی بنا کر دمشق میں حضرت معاویہ کے دربار میں پیش کیا اور انعام پایا۔ اس گواہی کے نتیجے میں حضرت حجر بن عدیؓ اور ان کے ساتھیوں کو بیدردی سے شہید کر دیا گیا۔ اس سانحے کی تفصیل ہر تاریخ کی کتاب میں درج ہے۔ اور مولانا مودودی نے بھی اس سانحے کا ذکر اپنی کتاب خلافت و ملوکیت میں کیا ہے۔

حضرت حجر بن عدیؓ کی شہادت بہت بڑا واقعہ تھا۔ جس پر اُم المومنین حضرت عائشہ نے نہ صرف احتجاج کیا بلکہ باقاعدہ سوگ منایا۔

چنانچہ اس زمانے میں حضرت وائلؓ کی کوفہ میں موجودگی ان سے منسوب ہاتھ باندھنے کی روایات کا باعث بنی۔ ایسا شخص جس کے بارے میں انتہائی کم معلومات ہوں۔ اس بہتان کیلئے سب سے زیادہ مناسب تھا۔ چنانچہ حضرت وائلؓ کے حوالے سے یہ حدیثیں بنائی گئیں اور نشر کی گئیں۔ لیکن ان تمام چیزوں کے باوجود یہ قدرت کا عجیب معجزہ ہے کہ جھوٹ خواہ کسی حوالے یا کتنے ہی سلیقے سے بولا جائے، لیکن وہ سچ کا متبادل نہیں ہو سکتا۔ کہاوت مشہور ہے کہ جرم کتنے ہی سلیقے سے کیا جائے لیکن اس کے پیچھے کمزور پہلو چھوٹ جاتے ہیں جن کی مدد سے جرم ثابت ہو جاتا ہے۔ حضرت وائل بن حجر سے منسوب ہاتھ باندھنے کی روایات میں بھی وہ پہلو موجود ہیں جن پر تحقیق ان روایات کو ضعیف ثابت کر دیتی ہے۔ حضرت وائلؓ سے ہاتھ باندھنے کی ایک حدیث بھی ایسی نہیں جس کے سلسلہ سند میں ضعیف راوی نہ ہوں۔ اور ان ضعیف راویوں کی بیان کردہ روایات پر کوئی سمجھ دار شخص نماز جیسی اولین عبادت کا کوئی عمل اختیار نہیں کر سکتا۔

یہاں تک ہم نے حضرت وائلؓ بن حجر سے منسوب ہاتھ باندھنے کی تمام روایات کا

جائزہ لیا۔ آیئے اب دیگر صحابہؓ کی روایات کا جائزہ لیتے ہیں۔

امام نووی شافعیؒ کے مطابق :

''جمہور علماء اور اہل حدیث نے وائلؓ بن حجر، ہلب طائی اور سہل بن سعدؓ کی روایات کو ترجیح دی اور اختیار کیا ہے''۔ [1]

حضرت وائلؓ بن حجر سے منسوب تمام روایات کا جائزہ لینے کے بعد اب ہلب طائی کی روایات کا جائزہ لیتے ہیں۔

ہلب طائی سے پہلی حدیث :

اس حدیث کو امام احمد بن حنبلؒ نے اپنی مسند میں نقل فرمایا ہے۔

حدثنا یحییٰ بن سعید عن سفیان ثنا سماك عن قبیصة بن هلب عن ابیه قال رایت رسول الله صلی الله علیه وسلم ینصرف عن یمینه و عن یساره و رایته یضع هذه علی صدره و وصف یحییٰ الیمنیٰ علی الیسریٰ۔

اس حدیث کا سلسلہ سند ان راویوں پر مشتمل ہے۔

۱۔ یحییٰ بن سعید ، ۲۔ سفیان، ۳۔ سماک ، ۴۔ قبیصہ بن ہلب

اور قبیصہ اپنے والد ہلب طائی کے حوالے سے بیان کرتے ہیں۔

ہلب طائی کہتے ہیں کہ میں نے رسولؐ اللہ کو دیکھا جھکتے ہوئے اپنی داہنی جانب سے اور اپنی بائیں جانب سے۔ اور میں نے دیکھا (رسولؐ اللہ کو) رکھتے ہوئے اس (ہاتھ) کو اپنے سینہ مبارک پر اور یحییٰ نے بیان کیا ہے کہ داہنے کو بائیں پر۔ [2]

---

[1] شرح صحیح مسلم امام نووی جلد، دہم۔ ص ۲۸ [2] مسند احمد حنبلؒ جلد اول۔ ص ۲۶۳ طبع بیروت

جیسا کہ ہم نے پہلے عرض کیا کہ احکام شرعیہ کے سلسلہ میں جب کسی حدیث سے استدلال واستنباط کیا جاتا ہے تو اس حدیث میں دو شرائط کا ہونا انتہائی ضروری ہے۔

۱۔ **حدیث کی سند صحیح ہو:** یعنی حدیث کا سلسلہ سند ثقہ (سچے) راویوں پر مشتمل ہو۔ جو حدیث میں کسی قسم کا ردوبدل کئے بغیر بیان کرنے میں شہرت رکھتے ہوں۔ اور علمائے حدیث کے نزدیک اتنے قابلِ اعتماد ہوں کہ جن کی بیان کی ہوئی حدیث پر اعتماد کیا جاسکے۔

۲۔ **حدیث کی دلالت ومتن واضح اور روشن ہو:** یعنی حدیث کے الفاظ اور جملات اپنے مطلب پر اس طرح سے دلالت کریں کہ وہ شخص جو زبان اور اس کی خصوصیات سے آشنا ہو۔ اس کے سامنے جب اس حدیث کو پیش کیا جائے تو وہی مطلب سمجھے جو کوئی دوسرا سمجھا ہو۔ [۱]

ہلب طائی کی مذکورہ حدیث میں یہ دونوں شرائط مخدوش ہیں۔ اس حدیث کے سلسلہ سند کا جائزہ دوسری حدیث کے ساتھ لیں گے۔ مگر یہاں اس حدیث کے متن ودلالت کا مختصراً تجزیہ کریں تو مندرجہ ذیل پہلو سامنے آتے ہیں۔

اس حدیث کی دلالت :

مسند احمد بن حنبل میں ہلب طائی کی مذکورہ حدیث کی دلالت ومتن پر غور کیا جائے تو اس کی خاصی مخدوش صورت سامنے آتی ہے۔ اس حدیث کے الفاظ پر غور فرمایئے، کوئی بات واضح نہیں۔

لفظ "ینصرف" کے معنی ہیں: گھومتے ہوئے یا جھکتے ہوئے یا ڈھلکتے ہوئے۔ DECLINING جیسا کہ قرآنِ مجید میں ارشاد ہوا۔۔۔ **ثُمَّ انْصَرَفُوْا صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ** یعنی پھر (اپنے گھر) پلٹ جاتے اللہ نے انکے دلوں کو پلٹ دیا ہے۔ (سورۂ توبہ ۹ آیت ۱۲۷)

اس سے قطع نظر اگر "**ینصرف**" کا مطلب سلام پھیرنا تصور کرلیا جائے اور "**هذه**"

---

[۱] شرائط الحدیث جلد اول۔ ص ۸۵ طبع مصر، علوم الحدیث۔ ص ۳۷۲

کا مطلب ہاتھ تصور کرلیا جائے۔ تو نماز سلام پھیرنے کے بعد ختم ہوگئی۔ پھر ہاتھوں کا سینہ پر باندھنے کا ذکر کیسا؟ کیونکہ ہمارے علم میں نماز کا کوئی رکن یا غیر رکن ایسا نہیں، جس کی ادائیگی کیلئے قیام سے قبل داہنی اور بائیں جانب جھکا یا گھوما جائے۔ اور اس عمل کے بعد ہاتھ باندھے جائیں۔ اور پھر حدیث کے آخیر میں راوی یحیٰی بن سعید کی وضاحت کرنا کہ داہنے کو بائیں پر۔

اس حدیث کی گرامر کے ساتھ ساتھ اس کی ترتیب بھی غلط ہے۔ یہاں کسی کے ذہن میں سوال پیدا ہوسکتا ہے کہ عربی زبان اور نماز کی ترتیب سے واقفیت کے باوجود امام حنبلؒ نے اس حدیث کو اپنی مسند میں کیوں نقل کیا؟ اس سلسلے میں عرض یہ ہے کہ محدث کا کام کسی حدیث کے الفاظ وترتیب کو اپنی طرف سے درست کرنا نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کا کام صرف اس حدیث کو انہی الفاظ وترتیب سے نقل کرلینا ہوتا ہے، جن الفاظ وترتیب سے اس کے سامنے بیان کی گئی۔ باقی رہا اس حدیث کو قابل حجت سمجھنا یا نہ سمجھنا، یہ الگ مسئلہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہلب طائی کی مذکورہ حدیث کو اپنی مسند میں نقل کرنے کے باوجود امام احمد بن حنبلؒ اسکو قابل حجت نہیں مانتے، کیونکہ انکے نزدیک نمازی کو اختیار ہے کہ وہ ہاتھ باندھ کر یا چھوڑ کر جیسے چاہے نماز پڑھے۔

اس حدیث کی دلالت ومتن میں جو ضعف ہے وہ اپنی جگہ اس کو ضعیف قرار دینے کیلئے کافی ہے۔ لیکن اگر (اس حدیث سمیت) ہلب طائی کی تمام حدیثوں کے سلسلہِ سند کا جائزہ لیا جائے تو بہت پُر لطف اور حیرت انگیز انکشافات سامنے آتے ہیں۔ جن کا جائزہ ہلب طائی کی دوسری حدیث کے ساتھ لیں گے۔ کیونکہ ہلب طائی کی تمام حدیثوں کے ابتدائی تین راوی مشترک ہیں۔

ہلب طائی سے دوسری حدیث:

ہلب طائی سے دوسری حدیث جامع ترمذی اور سنن ابن ماجہ میں مذکور ہے۔ جس کا متن اور سلسلہ سند کے ابتدائی تین راویوں کے علاوہ باقی راوی مختلف ہیں۔

حدثنا عثمان بن ابی شیبه ثنا ابوالاحوص عن سماك عن
قبیصه بن هلب عن ابیه قال كان رسول الله صلی الله علیه

وسلم یومنا فیا خذ شماله بیمینه۔

روایت کی سماک نے قبیصہ بن ہلب سے، وہ روایت کرتے ہیں اپنے والد ہلب طائی سے، وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہماری امامت کرتے تھے تو اپنا بایاں ہاتھ داہنے ہاتھ سے پکڑتے تھے۔ [1]

ہلب طائی کی دونوں حدیثوں کے سلسلہ سند کے راویوں کا جائزہ ایک ساتھ لینے کا مقصد ایک تو اختصار ہے اور دوسرے ہلب طائی کی تمام حدیثوں کے ابتدائی تین راوی مشترک ہیں۔ یعنی خود ہلب طائی، ان کے بیٹے قبیصہ بن ہلب اور سماک ان تینوں حضرات کے حالات کا جائزہ اور ان کے بارے میں علمائے حدیث کی رائے ایک ساتھ لینا ضروری ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اگر مندرجہ بالا حدیثوں کا جائزہ الگ الگ لیتے، تو ان تینوں حضرات کا جائزہ بھی الگ لینا پڑھتا جو طوالت کا باعث ہوتا۔ اس لئے ہماری دانست میں ان کا ایک ساتھ جائزہ ہی مناسب معلوم ہوتا ہے۔

ہلب طائی کی ان دونوں حدیثوں کے باقی راویوں میں فرق ہے۔ تو پہلے ان حدیثوں کے ان راویوں کا جائزہ لیتے ہیں جو مختلف ہیں۔ پھر آخر میں ان تینوں مشترکہ راویوں کے حالات اور ان کے بارے میں علمائے حدیث کی رائے معلوم کریں گے۔

ان حدیثوں کا جائزہ :

کسی حدیث سے استدلال و استنباط لینے کیلئے جن شرائط کا ذکر پچھلے صفحات پر ہوا، ان میں سے ایک شرط حدیث کی سند کا صحیح ہونا بھی تھا۔ جس کے راوی علمائے حدیث کے نزدیک اعتماد کے لائق ہوں۔ آیئے ہلب طائی کی ان دونوں حدیثوں کے راویوں کا جائزہ لیتے ہیں کہ کیا یہ حدیثیں اس شرط پر پورا اترتی ہیں؟

---

[1] جامع ترمذی جلد اول۔ ص ۱۵۵، ابواب الصلوة، باب مأجاء فی وضع المین علی الشمال فی الصلوة طبع لاہور ، سنن ابن ماجہ جلد اول۔ ابواب اقامة الصلوة، باب ۲۲۶۔ ص ۲۶۰ حدیث ۸۵۵

مسند احمد بن حنبل کے راوی :

۱۔ یحییٰ بن سعید ، ۲۔ سفیان ثوری ، ۳۔ سماک ، ۴۔ قبیصہ بن ہلب ، ۵۔ ہلب طائی

۱۔ یحییٰ بن سعید :

اس نام کے بارہ (۱۲) سے زیادہ راوی علم رجال کی کتابوں میں ملتے ہیں۔ جن میں کچھ ضعیف ہیں۔ اور کچھ ثقہ وقوی ہیں۔ ان میں سے کچھ کی سفیان ثوری سے سماع ممکن ہے۔ جب تک ان کے پورے نام کا علم نہ ہو، تب تک ان کا تعین ممکن نہیں۔

۲۔ سفیان ثوری :

ان کا پورا نام ابو عبداللہ سفیان بن سعید بن مسروق الثوری ہے۔ کوفہ کے بہت بڑے عالم تھے۔ اور علم فقہ میں انکا مقام کافی بلند مانا جاتا ہے لیکن حدیثوں میں تدلیس کرنے کی عادت تھی۔ یعنی غیر واقعہ کو واقعہ بنا کر پیش کر دیتے تھے۔ اور غیر مستند افراد کو ثقہ راوی بنا کر حدیث بیان کر دیتے تھے۔

☆ ان کے بارے میں حضرت عبداللہ ابن مبارک کہتے ہیں۔

حدث سفیان بحدیث فجئه و هو یدتسه فلما رانی استحییٰ۔

یعنی سفیان حدیث سنا رہے تھے کہ اچانک میں (ابن مبارکؒ) پہنچا تو میں نے دیکھا کہ وہ حدیث میں تدلیس کر رہے ہیں۔ (یعنی اپنی طرف سے کمی و زیادتی کر رہے ہیں) انہوں نے جب مجھے دیکھا تو بہت شرمندہ ہوئے۔ [1]

☆ امام یحییٰ بن سعید القطانؒ ان کے متعلق فرماتے ہیں۔

”سفیان نے ہر ممکن کوشش کی کہ غیر موثق شخص کو، موثق (ثقہ، سچا) بنا کر ہم پر مسلط کرے۔ لیکن اس کی یہ چال کامیاب نہ ہوسکی“۔ [2]

---

[1] حافظ ابن حجر عسقلانی کی تہذیب التہذیب جلد ۴۔ ص ۱۱۵ [2] تہذیب التہذیب جلد ۱۱۔ ص ۲۱۸

☆ **عن ابن المبارك ۔ قال: قلت لهشيم : لم تدلس و انت كثير الحديث ۔ فقال: ان كبيريك قد دلسا : سفيان و اعمش ۔**

امام عبداللہ ابن مبارکؒ سے روایت ہے کہ میں نے ھشیم سے کہا کہ تم کیوں فریب کرتے ہو؟ ۔ تم سے بہت سی حدیثیں منسوب ہیں ۔ تو انہوں نے کہا کہ تمہارے دو بڑوں نے تو خود فریب دیا ہے ، یعنی سفیان اور اعمش ۔ [1]

۳۔ سماک ، ۴۔ قبیصہ بن ہلب ، ۵۔ ہلب طائی

ان حضرات کا جائزہ دوسری حدیث کے ذیل میں لیں گے ۔

ترمذی اور ابن ماجہ کے راوی

جامع ترمذی اور ابن ماجہ میں موجود ہلب طائی کی حدیث کے راوی یہ ہیں ۔

۱۔ عثمان بن ابی شیبہ ، ۲۔ ابوالأحوص ، ۳۔ سماک ، ۴۔ قبیصہ بن ہلب
۵۔ ہلب طائی

۱۔ **عثمان بن ابی شیبہ** : یہ کوفہ کے رہنے والے حافظِ حدیث ہیں (حافظ حدیث اس شخص کو کہا جاتا ہے جسے کم از کم ایک لاکھ حدیثیں یاد ہوں)

☆ امام ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ " ان سے غریب اور متفرد احادیث مروی ہیں ۔ ان کی طبیعت میں مزاح اور ظرافت تھی ۔ قرآن کریم کی تلاوت میں بھی ظرافت پیدا کرلیتے تھے " [2]

جو شخص کلام الٰہی میں مزاح سے کام لے ۔ وہ کلام رسول ﷺ میں کس طرح سنجیدہ ہوسکتا ہے؟ ۔ شاید یہ ہی وجہ ہے کہ ان سے غریب اور متفرد احادیث مروی ہیں ۔

---

[1] امام ذہبیؒ کی میزان الاعتدال فی نقد الرجال جلد ۴ ۔ ص ۳۰۷ طبع بیروت

[2] امام ذہبیؒ کی تذکرۃ الحفاظ جلد اول ۔ ص ۳۳۱ طبع لاہور

۲۔ **ابوالآحوص** : ان کا نام سلام بن سلیم کوفی اور کنیت ابوالاحوص ہے۔

☆ ان کے بارے میں امام یحیٰ ابن معینؒ فرماتے ہیں۔ "**لیس بشئی**"۔ "ان کی کوئی حیثیت نہیں"۔ [۱]

☆ اور امام یحیٰ ابن سعید القطانؒ فرماتے ہیں۔ "**لا یعرف حال**"۔ اس کا کوئی حال معلوم نہیں۔ [۲]

ہلب طائی کی حدیثوں کے تین مشترکہ راوی :

اب بیان کرتے ہیں ان تین حضرات کے حالات اور ان کے متعلق علمائے حدیث کی آراء جن پر ہلب طائی کی تمام حدیثوں کا دار و مدار ہے۔

۱۔ سماک ، ۲۔ قبیصہ بن ہلب ، ۳۔ ہلب طائی ٭

ہلب طائی کے حوالے سے بیان کی جانے والی تمام حدیثوں کے ابتدائی تین راوی یعنی خود ہلب طائی ، قبیصہ بن ہلب اور سماک ایک دوسرے کیلئے لازم و ملزوم ہیں۔ وہ اسطرح کہ ہلب طائی کی کوئی روایت ان کے بیٹے قبیصہ کے علاوہ کسی دوسرے راوی نے بیان نہیں کی۔ اور ان سے کوئی روایت سماک کے علاوہ کسی دوسرے نے بیان نہیں کی۔

۱۔ سماک :

اس نام کے کئی افراد کا علم رجال کی کتابوں میں ذکر ملتا ہے۔ لیکن جن سماک نے قبیصہ بن ہلب سے روایات بیان کی ہیں، ان کا پورا نام سماک بن حرب بن اوس بن خالد بن نزاد الذھلی الکبری کنیت ابومغیرۃ کوفی ہے۔ [۳]

☆ امام احمد بن حنبلؒ نے اپنی مسند میں سماک بن حرب کے حوالے سے ہلب طائی کی

---

[۱] و [۲] میزان الاعتدال فی نقد الرجال جلد۴۔ ص ۴۸۷ طبع بیروت

[۳] تہذیب الکمال فی اسماء الرجال جلد۱۲۔ ص ۱۱۵ ، میزان الاعتدال فی نقد الرجال جلد۲۔ ص ۲۳۲

حدیث نقل فرمائی۔ لیکن سماک کے بارے میں امام حنبلؒ خود فرماتے ہیں۔

”**سماك مضطرب الحديث**“۔ ”سماک کی حدیثیں مضطرب ہوتی ہیں“۔ [۱]

☆ اور امام شعبہؒ نے فرمایا ”**وكان سماك يضعفه**“ ”وہ ضعیف تھا“۔ [۲]

☆ امام جریر الضبیؒ فرماتے ہیں

وقال جرير الضبى : اتيت سماكا فرايته يبول قائما ، فرجعت و لم اساله . فقلت : خرف امام جریرؒ فرماتے ہیں کہ ”میں سماک کے پاس گیا۔ پس میں نے اس کو کھڑے ہو کر پیشاب کرتے ہوئے دیکھا۔ پس میں نے اس سے کوئی سوال نہیں کیا، پلٹ آیا۔ پس میں کہتا ہوں کہ وہ خرافاتی ہے“۔ [۳]

کھڑے ہو کر پیشاب کرنا حکم رسول ﷺ کے خلاف ہے جو شخص خود حکم رسولؐ کا پابند نہ ہو، وہ سنت رسولؐ بیان کرنے میں کس طرح احتیاط کر سکتا ہے؟۔ ایسے راویوں سے محدثین حدیثیں لینے میں احتیاط کرتے تھے۔

☆ **روى ابن مبارك عن سفيان : إنّه ضعيف .**

روایت کی امام عبداللہ ابن مبارکؒ نے سفیان سے کہ سماک ضعیف راوی ہے۔ [۴]

جبکہ سماک کو ضعیف راوی جاننے کے باوجود سفیان نے ان سے روایت بیان کی، جو مسند احمد حنبل میں مذکور ہے۔

☆ **وقال صالح جزرة : يضعيف.** امام صالح جزرہؒ نے فرمایا وہ ضعیف ہے۔ [۵]

☆ **وقال احمد : سماك مضطرب الحديث . وقال : هواصلع حدثنا من عبدالملك ابن عمير** ۔ امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ سماک کی بیان کردہ حدیثیں

---

[۱] و [۲] میزان الاعتدال فی نقد الرجال جلد ۲۔ ص ۲۳۲ ، تہذیب الکمال فی اسماء الرجال جلد ۱۲۔ ص ۱۱۵

[۳] تا [۵] تہذیب التہذیب جلد ۸۔ ص ۳۵۰ ، تہذیب الکمال فی اسماء الرجال جلد ۲۲۔ ص ۲۹۳ طبع مصر

مضطرب ہوتی ہیں۔ اس نے صحیح حدیث صرف عبدالملک بن عمیر سے لی ہے۔ [۱]

(ہلب طائی کی تمام حدیثیں سماک نے عبدالملک سے نہیں، بلکہ قبیصہ سے بیان کی ہیں۔ اس لئے بقول امام حنبلؒ یہ صحیح نہیں)

☆ امام نسائیؒ فرماتے ہیں۔ "**اذا انفرد باصل لم يكن بحجة ، لا نه كان يلقن قيتلقن**"۔ اگراس نے تنہا اصل حدیث بیان کی، تو اس میں حُجت نہیں۔ یعنی یہ حدیث قابل حجت نہیں۔ [۲]

ہلب طائی کی تمام حدیثیں بیان کرنے میں سماک تنہا ہیں۔ اور امام نسائیؒ کے مطابق یہ تمام حدیثیں قابل حجت نہیں ہیں۔

☆ ابن عمارؒ فرماتے ہیں "**كان يغلط ، و يختلفون في حدثيه**"۔ سماک غلط حدیثیں بیان کرتا ہے۔ اور اس کی حدیثیں مختلف ہوتی ہیں۔ [۳]

☆ امام یعقوب بن شعبہؒ فرماتے ہیں "سماک کی حدیثیں بیان کرنے کے قابل نہیں" [۴]

یہ تھی ہلب طائی کی تمام حدیثوں کے راوی سماک بن حرب کے بارے میں علمائے حدیث کی آراء جس سے آپ کو بخوبی ان کے متعلق اندازہ ہو گیا ہوگا۔ ہلب طائی کی تمام حدیثوں کے ضعیف ہونے کیلئے سماک بن حرب کے بارے میں علمائے حدیث کی آراء ہی کافی ہے۔ لیکن ہم اس سلسلے میں کسی قسم کی تشنگی چھوڑنا نہیں چاہتے۔ اس لئے اب جائزہ لیتے ہیں قبیصہ بن ہلب کا جن سے صرف اور صرف سماک نے روایات بیان کی ہیں۔ اور جب قبیصہ اور ان کے والد ہلب طائی کا جائزہ لیتے ہیں تو بڑے دلچسپ اور حیرت انگیز انکشافات سامنے آتے ہیں۔

---

[۱] و [۲] تہذیب التہذیب جلد ۸_ص ۳۵۰ ، تہذیب الکمال فی اسماء الرجال جلد ۲۲_ص ۴۹۳

[۳] و [۴] میزان الاعتدال فی نقد الرجال جلد ۲_ص ۲۳۲ طبع بیروت

حیرت انگیز انکشافات

قبیصہ بن ہلب : یہ ہلب طائی کے فرزند ہیں۔ اور اپنے والد کے حوالے سے روایات بیان کرتے ہیں۔ ان کے علاوہ کسی دوسرے راوی نے ہلب طائی سے کوئی روایت بیان نہیں کی۔

تمام محدثین اور علمائے رجال کا ہلب طائی کے متعلق تمام معلومات کا انحصار ان کے بیٹے قبیصہ کی روایات پر ہے۔ قبیصہ کی روایات میں ہلب طائی کے صحیح نام تک میں اختلاف ہے۔ ایک روایت میں ہلب طائی کا نام یزید بن عدی بن قنافہ بن عدی بن عبد شمس بیان کیا۔ تو دوسری روایت میں قبیصہ نے اپنے والد کا نام ہلب بن یزید بن قنافہ بیان کیا۔ امام بخاری تک ان کا نام یزید بن قنافہ پہنچا۔ جبکہ الکلبی کہتے ہیں کہ ان سے ہلب طائی کا نام یزید بن عدی بن قنافہ بیان کیا گیا ہے، اور یہی نام علامہ مامقانی تک پہنچا۔ جنہوں نے اپنی کتاب تنقیح المقال فی علم الرجال میں نقل فرمایا۔ [۱]

یعنی تعجب کی بات یہ ہے کہ قبیصہ اپنے والد کے نام کا تعین ہی نہ کر سکے۔ آپ خود اندازہ لگائیں کہ جو شخص اپنے والد کا نام بیان کرنے میں اتنی غلطیاں کرے اس کی بیان کردہ روایات کا کیا حال ہوگا؟۔

اور لطف کی بات یہ ہے کہ قبیصہ نے اپنے والد کا تعارف خود کسی سے براہ راست نہیں کروایا، بلکہ یہ تعارف بھی سماک بن حرب ہی کا مرہون منت ہے۔ کیونکہ ہلب طائی کی شخصیت کا دارومدار قبیصہ کی روایات پر ہے اور خود قبیصہ کی شخصیت کا دارومدار سماک بن حرب کی روایات پر ہے۔ اگر سماک کو درمیان سے ہٹا دیا جائے، تو دنیا کا کوئی شخص نہ تو قبیصہ سے واقف ہے اور نہ ان کے والد ہلب طائی سے، جو سماک کے بقول صحابی رسول بھی ہیں۔

☆ امام نسائیؒ ، قبیصہ بن ہلب کے بارے میں فرماتے ہیں۔ ''**مجہول**'' ۔ یہ مجہول ہے۔ یعنی اس کے بارے میں کچھ معلوم نہیں۔ [۲]

---

[۱] امام ابوالحسن علی الجزری ابن اثیرؒ کی اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ جلد ۹۔ ص ۱۲۴ طبع لاہور

[۲] تہذیب التہذیب جلد ۸۔ ص ۳۵۰ ، تہذیب الکمال فی اسماء الرجال جلد ۲۳۔ ص ۴۹۳

☆ اور امام بخاریؒ کے استاد امام علی بن مدینیؒ فرماتے ہیں۔ "**مجهول ، لم يروعنه غير سماك**"۔ "یہ مجہول ہے اور اس سے سوائے سماک کے کسی نے روایت نہیں کی"۔ [1]

سوال پیدا ہوتا ہے کہ سماک بن حرب کے علاوہ قبیصہ بن ہلب سے کسی تابعی یا تبع تابعی نے روایت کیوں نہیں لی؟۔ حالانکہ کوفہ محدثین اور حفاظِ حدیث کا مرکز تھا۔ ان میں سے کسی کا رابطہ قبیصہ سے نہیں رہا؟۔ اور اگر رابطہ رہا تو صرف سماک بن حرب جیسے ضعیف راوی کا؟۔ اگر سماک کو درمیان سے نکال دیا جائے، تو قبیصہ کی شخصیت کا کوئی وجود باقی نہیں رہتا۔

ہلب طائی کی تلاش

> سماک بن حرب کے بقول قبیصہ بن ہلب سے روایت ہے کہ ان کے والد ہلب طائی ایک وفد کے ساتھ رسول اللہؐ کی خدمت میں آئے۔ جبکہ ان کے سر کے بال نہیں اگے تھے۔ پس نبی کریمؐ نے ان کے سر پر ہاتھ پھیرا، جس سے ان کے سر پر بال نکل آئے، اور وہ کوفہ سے تعلق رکھتے تھے"۔ [2]

ہلب طائی کے متعلق اس سے زیادہ معلومات کسی کتاب میں نہیں ملتی، قبیصہ کی روایت کے مطابق ان کے والد کا تعلق کوفہ سے تھا۔ کوفہ کوئی ایسا علاقہ نہیں تھا جو دیگر علاقوں سے کٹا ہوا ہو، کوفہ حفاظ حدیث کا مرکز تھا۔ کوفہ سے تعلق رکھنے والے صحابہ کرامؓ کا ذکر جن کتابوں میں مذکور ہے۔ ان میں بھی ہلب طائی کا ذکر قبیصہ کی روایت کے بغیر نہیں ملتا۔ دوسرے یہ کہ تابعین کی بہت بڑی تعداد کوفہ میں آباد تھی ان کا یہ عالم تھا کہ اگر ان کے علم میں یہ بات آتی کہ کسی صحابی کے پاس رسولؐ اللہ کی کوئی حدیث ہے تو وہ یہ حدیث حاصل کرنے کی ضرور کوشش کرتے تھے۔ لیکن کسی تابعی نے حدیث لینا تو درکنار، ان کا ذکر تک نہیں کیا۔ ہلب طائی سے کسی صحابی یا کسی تابعی کی ملاقات تک

---

[1] امام ذہبیؒ کی میزان الاعتدال فی نقد الرجال جلد ۳۔ ص ۳۸۴ طبع بیروت ، تہذیب التہذیب،

[2] علامہ عبدالبرؒ کی الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب جلد ۴۔ ص ۱۵۴۹ ، **شقیح المقال فی العلم الرجال**

ثابت نہیں، ہلب طائی کی پوری شخصیت قبیصہ کی روایات پر استوار ہے۔ اس لئے ہلب طائی کے حوالے سے حدیثیں بیان کرنے میں قبیصہ منفرد ہیں۔

☆ علامہ مامقانیؒ، ہلب طائی کے بارے میں لکھتے ہیں کہ "**حاله مجهول**"۔

"ان کا حال مجہول ہے۔ یعنی ان کے حالات کا کچھ علم نہیں"۔ [1]

سماک بن حرب نے قبیصہ کے حوالے سے ان کے والد ہلب طائی سے عجیب و غریب روایات بیان کی ہیں۔ ایک روایت میں ہلب طائی کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ رسولؐ اللہ دورانِ وضو اپنے ہاتھوں کو پکڑ لیتے تھے۔ (اسد الغابہ جلد ۹۔ ص ۱۲۵) حالانکہ اس کا مفہوم و مقصد غیر واضح ہے۔ دوسری روایت میں فرماتے ہیں کہ رسولؐ اللہ نماز کے دوران گھوم جایا کرتے تھے۔ ان کی ایک روایت اپنے والد کے حوالے سے رفع یدین کی بھی ہے۔ لیکن قابل حجت نہیں۔ کیونکہ جب ہلب طائی کے بارے میں معلومات کا یہ حال ہو کہ ان کو ان کے بیٹے کے علاوہ کوئی دوسرا شخص جانتا بھی نہ ہو، اور ان کا صحابیٔ رسول ہونا ہی مشکوک ہو۔ تو ان کی روایات قابل قبول یا قابل حجت کس طرح ہو سکتی ہیں؟۔

ہم نے قبیصہ بن ہلب اور ان کے والد ہلب طائی کی تلاش کی جتنی کوشش کی۔ انکی شخصیات اتنی ہی پر اسرار اور مشکوک ہوتی گئیں۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ کوئی شخص اس دنیا میں لوگوں کے درمیان کوفہ جیسے شہر میں رہائش پذیر ہو، اور سوائے ایک شخص (سماک) کے کوئی دوسرا شخص ان سے واقف تک نہ ہو؟۔ یعنی ہلب طائی سے کوئی واقف نہیں سوائے قبیصہ بن ہلب کے، اور قبیصہ کو کوئی نہیں جانتا سوائے سماک بن حرب کے۔

بغیر کسی ثبوت کے ہم فرض کر لیتے ہیں کہ ہلب طائی کی وفات دورِ رسالتؐ یا اس کے فوراً بعد ابتدائی دورِ خلافت راشدہ میں ہوگئی۔ جس کے باعث ان کے بیٹے قبیصہ کے علاوہ کسی صحابی یا تابعی سے ان کی ملاقات نہ ہو سکی۔ یہ بات صرف ہلب طائی کیلئے تو فرض کی جا سکتی ہے۔ لیکن ان کے بیٹے قبیصہ کیلئے فرض نہیں کی جا سکتی کیونکہ وہ تو بعد تک زندہ رہے یا کم از کم سماک بن حرب کے زمانے تک ضرور زندہ رہے ہوں گے۔ جب ہی تو سماک سے ان کی ملاقات ممکن ہوئی۔ سماک کے

---

[1] علامہ مامقانی کی **شقيح المقال فى العلم الرجال** جلد ۳۔ ص ۳۰۴

زمانے میں کوفہ تابعین اور حفاظِ حدیث کا مرکز تھا۔ اس کے باوجود قبیصہ کی سماک کے علاوہ کسی دوسرے حافظ حدیث سے ملاقات ثابت نہیں۔ کیونکہ کسی اور حافظ حدیث نے ان سے کوئی ایک روایت بیان نہیں کی۔ یہ کیسے ممکن ہو کہ کوفہ جیسے مرکز میں ایک صحابیِ رسول کے فرزند قبیصہ رہائش پذیر ہوں اور حدیثیں بھی بیان کرتے ہوں اور ان حدیثوں کو سوائے سماک کے کوئی سننے والا نہ ہو؟۔

درحقیقت ہم قبیصہ بن ہلب اور ان کے والد ہلب طائی کی تلاش میں اپنی تحقیق کے بعد اس نتیجے پر پہنچے کہ سماک بن حرب نے دو شخصیات تخلیق کیں اور ان کے حوالے سے حدیثیں بیان کیں۔ یعنی قبیصہ بن ہلب اور ہلب طائی کی شخصیات سماک بن حرب کا تخیل ہے اور کچھ نہیں۔ اور سماک بن حرب کتنے قابل اعتماد ہیں۔ ان کے متعلق علمائے حدیث کی آراء آپ پڑھ چکے ہیں۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ محدثین نے اس قسم کی حدیثوں کو اپنی کتابوں میں کیوں نقل کیا؟۔ اس کا تفصیلی ذکر اس موضوع کے آخر میں کریں گے۔

حضرت وائلؓ بن حجر اور ہلب طائی کی مختلف کتابوں میں دورانِ قیام ہاتھ باندھنے کی روایات کا جائزہ لینے کے بعد اب ہم حضرت سہل بن سعدؓ کی روایات کا جائزہ لیتے ہیں۔ امام نوویؒ کے مطابق ”جمہور علماء اور اہل حدیث نے وائلؓ بن حجر، ہلب طائی اور سہل بن سعدؓ کی روایات کو ترجیح دی ہے۔ اور اختیار کیا ہے“۔

جمیل سکینہ
حیدر آباد لطیف آباد، یونٹ نمبر ۸ ۔

حضرت سہل بن سعدؓ کی روایت :

یہ صحیح بخاری شریف کی حالتِ قیام ہاتھ باندھنے کی واحد روایت ہے۔

حدثنا عبدالله ابن مسلمة عن مالك عن ابي حازم عن سهل بن سعد قال كان ناس يومرون ان يضع الرجل اليد اليمنى على ذراعه اليسرى في الصلوة .... وقال ابو حازم لا اعلم الاينمى ذلك الى النبي صلى الله عليه وسلم۔

بیان کیا عبداللہ ابن مسلمۃ نے، انہوں نے سنا امام مالکؒ سے انہوں نے سنا ابی حازم سے کہ سہل بن سعدؓ نے فرمایا: لوگوں کو حکم دیا جاتا تھا کہ اپنے دائیں ہاتھ نماز

میں اپنی بائیں کلائی پر رکھیں   اورابی حازم نے فرمایا کہ مجھے
تو یہی معلوم ہے کہ اسے نبی کریم ﷺ کی طرف مرفوع کیا جاتا ہے۔ [1]

صحیح بخاری میں حالت قیام ہاتھ باندھنے کی یہ واحد روایت ہے۔ اس کے علاوہ ہاتھ باندھنے کی کوئی اور روایت مذکور نہیں۔ اس روایت میں ہاتھ بندھوانے کے مقام کا ذکر نہیں۔

اس روایت کا جائزہ :

صحیح بخاری میں مذکور اس روایت کو پڑھنے والے کے ذہن میں بہت سے سوالات جنم لیتے ہیں۔ حضرت سہل بن سعدؓ خود صحابی رسول ہیں۔ انہوں نے بچپن میں ہی سہی رسولؐ اللہ کا عمل ضرور دیکھا ہوگا۔ (کیونکہ وصال رسولؐ کے وقت یہ نابالغ تھے) ان کو تو رسولؐ اللہ کا عمل بیان کرنا چاہئے تھا، یا دورِ رسالتؐ میں کیا جانے والا عمل بیان کرنا چاہئے تھا۔ لیکن وہ رسولؐ اللہ یا صحابہ کرام کا عمل بیان کرنے کے بجائے فرما رہے ہیں کہ ’’کان ناس یومرون ان یضع الرجل‘‘ ’’یعنی لوگوں کو حکم دیا جاتا تھا‘‘۔ اس جملے سے سوال پیدا ہوتا ہے کہ حکم کون دیتا تھا؟۔

۱۔ حکم دینے والے کی کیا حیثیت تھی؟۔

۲۔ اگر صحابی تھے، تو ان کا ذکر کرنے سے گریز کیوں؟۔

گریز بتا رہا ہے کہ حکم دینے والوں کا تعلق صحابہ کرامؓ میں سے نہیں تھا۔ ان تمام سوالوں کے بعد سوال پیدا ہوتا ہے کہ

۳۔ لوگوں کو حکم دینے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟۔

۴۔ کیا لوگوں کا عمل اس کے مخالف تھا۔ اگر عمل مخالف تھا، تو لوگوں کا مخالف عمل کس کو دیکھ کر ہوا؟۔

---

[1] صحیح بخاری جلد اول۔ ص ۳۵۶ کتاب الاذان، باب وضع الیمنی علی السریٰ فی الصلوۃ، حدیث ۷۰۱ طبع لاہور

روایت کے آخر میں راوی ابی حازم بن دینار کا یہ کہنا کہ " **لا اعلم الا یمنی ذلك الی النبی** "۔ یعنی " مجھے تو یہی معلوم ہے کہ اسے نبی کریم ﷺ کی طرف مرفوع کیا جاتا تھا"۔ یہ جملہ اس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ حضرت سہل بن سعدؓ کی روایت میں دورِ رسالتؐ کا ذکر نہیں ہو رہا۔ کیونکہ جن حدیثوں میں صحابی دورِ رسالتؐ کا ذکر کر رہے ہوتے ہیں تو ان حدیثوں میں راوی کو وہ بات رسولؐ اللہ کی طرف مرفوع کرنے کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ ہمارے علم میں کوئی ایسی حدیث نہیں جس میں صحابی نے دورِ رسالتؐ کا ذکر کیا ہو اور راوی کو رسولؐ اللہ سے مرفوع کرنے کی ضرورت پیش آئی ہو۔ (مرفوع کا مطلب ہے کسی بات کو کسی شخص سے منسوب کرنا)۔

اگر اس روایت کے الفاظ پر غور کیا جائے تو اس میں کسی طور پر بھی دورِ رسالتؐ یا خلفائے راشدینؓ کے زمانے کا ذکر نہیں ہو رہا۔ بلکہ اس زمانے کا ذکر ہو رہا ہے، جب یہ حکم دینے کی ضرورت پیش آئی اور لوگوں کو حکماً نماز ہاتھ باندھ کر پڑھنے کو کہا گیا۔ جس کی تصدیق اس روایت کے راوی ابی حازم بن دینار کے الفاظ کر رہے ہیں " مجھے تو یہی معلوم ہے "۔ یہ الفاظ اس بات کا بیّن ثبوت ہیں کہ اس عمل (ہاتھ باندھنے کو) رسولؐ اللہ کی طرف مرفوع (منسوب) ابی حازم نے نہیں کیا بلکہ اس عمل کو رسولؐ اللہ سے منسوب ان لوگوں نے کیا جو حکم دینے والے تھے۔ اور اس کی تائید، حکم کے مطابق عمل کرنے والوں نے کی۔

اس روایت کا دوسرے طریقے سے جائزہ

حضرت سہل بن سعدؓ کی روایت کسی طور پر بھی قابلِ حجت نہیں بن سکتی کیونکہ اس میں زمانے کا ذکر نہیں کہ لوگوں کو ہاتھ باندھنے کا حکم کس دور میں دیا جاتا تھا۔ لیکن ان تمام باتوں کے باوجود جن کا ذکر ہم نے اوپر کیا۔ آیئے اس روایت کا جائزہ دوسرے طریقے سے لیتے ہیں۔

حضرت سہل بن سعدؓ کا تعارف :

حضرت سہل بن سعدؓ رسولؐ اللہ کے وصال ۱۱ھ کے وقت ۱۵ برس کے تھے۔
آپ کا مدینہ میں سب صحابہ سے آخیر میں ۹۱ھ میں ۹۶ برس کی عمر میں ولید بن

عبدالملک کے عہد حکومت میں انتقال ہوا۔ [۱]

رسول اللہ کے وصال کے وقت حضرت سہلؓ کی عمر ۱۵ برس تھی۔ صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کی روایت موجود ہے کہ جنگ بدر میں شرکت کی غرض سے جب آپؓ (ابن عمرؓ) رسول اللہ کی خدمت میں آئے تو رسول اللہ نے آپ کو واپس کر دیا۔ عبداللہ ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ اس وقت میری عمر ۱۵ برس تھی اور میں نابالغ تھا۔

علم حدیث سے دلچسپی رکھنے والے حضرات بہت اچھی طرح جانتے ہیں کہ محدثین کی ایک جماعت حضرت حسن بصریؒ کی ان روایات کو قابل حجت نہیں مانتی جو وہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کرتے ہیں۔ کیونکہ جب حضرت علیؓ اپنے دور خلافت میں مدینہ چھوڑ کر کوفہ منتقل ہوئے، اس وقت حسن بصریؒ کی عمر ۱۵ برس تھی۔ اور وہ نابالغ تھے۔ حسن بصری کی روایات کے بارے میں علامہ محمد ابن سعدؒ اپنی کتاب طبقات ابن سعد میں لکھتے ہیں کہ "آپ کی مرسلات قابل حجت نہیں ہیں"۔ امام ذہبیؒ اپنی کتاب تذکرۃ الحفاظ میں لکھتے ہیں کہ "ان کی وہ احادیث استدلال کے لائق نہیں"۔

امام یحیٰی ابن معینؒ نے قبیصہ ابن عقبہ کی ان روایات پر اعتراض کیا ہے جو انہوں نے سفیان کے حوالے سے بیان کی ہیں۔ کیونکہ سفیان سے روایت سنتے وقت وہ نابالغ تھے۔ [۲]

حضرت سہل بن سعدؓ کی کُل روایات کی اہمیت

یہی وجہ ہے کہ حضرت سہل بن سعدؓ سے کی جانے والی روایات کی کُل تعداد ایک سو اٹھاسی (۱۸۸) ہے۔ جن میں ایک سو ساٹھ (۱۶۰) پر محدثین نے کلام (اعتراض) کیا ہے۔ اور صرف ۲۸ روایات صحیح ہیں۔ [۳] ان میں وہ روایات شامل ہیں جو دَورِ رسالت ﷺ کے بعد بالغ عمری کی ہیں۔

---

[۱] تاریخ ابن کثیر جلد ۹۔ ص ۱۵۵ ، سیر الصحابہ جلد ۵۔ ص ۸ طبع لاہور ، سیرت الحفاظ جلد اول۔ ص ۱۶۴

[۲] امام ذہبیؒ کی تذکرۃ الحفاظ جلد اول۔ ص ۲۸۶ ، سیرت الحفاظ جلد دوئم۔ ص ۲۱۸

[۳] سیر الصحابہ جلد ۳۔ ص ۹ ، اوصاف الحدیث جلد ۲۔ ص ۱۶۷ طبع کراچی

اگر اس بات پر اصرار کیا جائے کہ حضرت سہل بن سعدؓ کی اس روایت میں دورِ رسالت کا ذکر ہے تو اس کا شمار اُن ایک سو ساٹھ (۱۶۰) روایات میں ہوگا، جو محدثین کے نقطہ نظر سے قابلِ حجت نہیں۔ اور اگر اس روایت میں بعد کے زمانے کا ذکر ہے کہ جب حضرت سہلؓ بالغ تھے تو یہ روایت محدثین کے نزدیک صحیح ہے۔

جیسا کہ ہم اس روایت کی عربی عبارت اور ترجمہ میں تمام راویوں کے نام تحریر کر چکے ہیں۔ ان میں امام مالکؒ کا نام بھی شامل ہے جنہوں نے ابی حازم سے یہ روایت سنی۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر یہ روایت قابلِ حجت ہوتی یا اس میں دورِ رسالت کا ذکر ہوتا تو اس روایت سے امام مالکؒ نے حجت قائم کیوں نہیں کی؟۔ وہ نماز ہاتھ کھول کر پڑھنے کے اپنے مسلک پر قائم کیوں رہے؟۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

اس باب کے آخری حصے میں ہم جامع ترمذی اور سنن ابوداؤد شریف کے حوالے سے حضرت ابی حمید ساعدیؓ کی رسول اللہؐ کے طریقہ نماز کی تفصیلی حدیث بیان کریں گے۔ جو انہوں نے دس صحابہ کرامؓ کی موجودگی میں بیان فرمائی، جن میں حضرت سہل بن سعدؓ بھی موجود تھے۔ انہوں نے دیگر صحابہ کرامؓ کے ساتھ ابی حمیدؓ کی بیان کردہ حدیث کی تصدیق فرمائی۔ ان کی تصدیق واضح ثبوت ہے کہ صحیح بخاری میں حضرت سہل بن سعدؓ کی روایت میں دورِ رسالت کا ذکر نہیں۔

اس روایت کے جائزے کو ہم یہاں روک رہے ہیں۔ کیونکہ صحیح بخاری میں حضرت سہل بن سعدؓ کی مذکورہ روایت میں جس زمانے کا ذکر ہو رہا ہے۔ اس زمانے کے ذکر میں اس حدیث کا دوبارہ ذکر کریں گے تو ہماری بات بالکل واضح ہو جائے گی۔

حالتِ قیام ہاتھ باندھنے کی دیگر روایات

اب تک ہم نے جن روایات کا جائزہ لیا۔ ان کو بقول امام نووی شافعیؒ "جمہور علماء و اہل حدیث نے ترجیح دی اور ان کو اختیار کیا"۔ باقی روایات کو جمہور علماء اور اہل حدیث اتنا قابل حجت نہیں مانا۔ لیکن ہم ان تمام روایات کا جائزہ لینا چاہتے ہیں، جو دورانِ نماز ہاتھ باندھنے سے متعلق

مختلف کتابوں میں ملتی ہیں۔ تا کہ ہم نماز میں وہی طریقہ اختیار کر سکیں جو طریقہ رسول اللہ ﷺ نے اختیار فرمایا۔ اور وصالِ رسولؐ کے بعد صحابہ کرام واہل بیت کا متفقہ عمل تھا۔ تا کہ ہماری نماز بارگاہ ربُّ العزت میں مستجاب ہو سکے۔ کیونکہ ارشادِ ربُّ العزت ہے۔

وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا لِیُطَاعَ بِاِذۡنِ اللّٰہِ

اور ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اس لئے کہ اللہ کے حکم سے لوگ
اس کی اطاعت کریں۔

سورۂ نساء آیت ۶۴

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے روایت

سنن ابوداؤد، سنن ابن ماجہ، اور سنن نسائی میں ایک روایت حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کے حوالے سے مرقوم ہے۔ یہ الفاظ ہیں سنن ابوداؤد کے

حدثنا محمد بن بكار عن هشيم بن بشير عن الحجاج بن ابى زينب عن ابى عثمان النهدى عن ابن مسعود انه كان يصلى فوضع يده اليسرىٰ على اليمنى فراه النبى صلى الله عليه وسلم فوضع يده اليمنى على اليسرى۔

سلسلہ سند محمد بن بکار، ھیشم بن بشیر، حجاج بن ابی زینب، ابوعثمان النہدی روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ فرماتے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے نماز میں بایاں ہاتھ دائیں ہاتھ پر رکھے ہوئے دیکھا تو میرا دایاں ہاتھ پکڑ کر بائیں ہاتھ پر رکھ دیا۔ [1]

اس حدیث کا جائزہ :

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کی یہ حدیث جن کتابوں میں مروی ہے اس کے ابتدائی تین

---

[1] سنن ابوداؤد جلد ۱۔ ص ۳۰۰، باب وضع اليمنىٰ على اليسرىٰ في الصلوة حدیث ۷۵۰، سنن ابن ماجہ جلد اول۔ باب ۲۲۶۔ ص ۲۶۰ حدیث ۸۵۷، سنن نسائی جلد اول کتاب الافتتاح باب ۵۴۲ حدیث ۱۹۲

راوی مشترک ہیں۔ یعنی ابوعثمان النہدی، حجاج بن ابی زینب اور ہیثم بن بشیر۔

حضرت ابن مسعودؓ سے روایت کرنے والے تابعین کی تعداد ساٹھ (۶۰) سے زیادہ ہے جنہوں نے حضرت ابن مسعودؓ سے روایات بیان کی ہیں۔ لیکن یہ واقعہ جو مذکورہ روایت میں بیان ہو رہا ہے اس کو سوائے ابوعثمان النہدی کے کسی اور نے بیان نہیں کیا۔

ابوعثمان النہدی، حجاج اور ہیثم بن بشیر جو اس روایت کے مشترک راوی ہیں۔ ان کا جائزہ ہم بعد میں لیں گے۔ مگر اس سے پہلے اس روایت کے دیگر راویوں کے بارے میں علمائے حدیث کی آراء معلوم کرنا مناسب ہوگا۔ جو ان تینوں کے حوالے سے یہ روایت بیان کر رہے ہیں۔

سنن ابوداؤد کے راوی

حضرت ابن مسعودؓ کی اس روایت کو امام ابوداؤدؒ نے اپنی سنن میں اس سلسلہ سند سے نقل کیا ہے۔

۱۔ محمد بن بکار ، ۲۔ ہیثم بن بشیر ، ۳۔ حجاج بن ابی زینب ،
۴۔ ابوعثمان النہدی

۱۔ محمد بن بکار :

☆ ان کے بارے میں امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں۔ **''محمد ابن بکار مجهول''**۔ ''محمد ابن بکار مجہول ہے''۔ [۱]

☆ امام ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ **'' اما ابن بكار فصيح انه مجهول ، و هو ضعيف متروك بالاجماع ''**۔ ''یہ صحیح ہے کہ محمد بن بکار مجہول ہے اور سب کا اجماع ہے (یعنی سب کا اتفاق ہے) کہ وہ ضعیف ہے، متروک ہے۔ یعنی جس سے روایت لینا ترک کیا ہوا ہو۔ [۲]

سنن ابوداؤد کی اس روایت کے سلسلہ سند کے پہلے راوی محمد بن بکار کے متعلق علمائے حدیث کی آراء ہی اس روایت کے ضعیف ہونے کیلئے کافی ہے۔ باقی تینوں مشترک راویوں کا جائزہ

---

[۱] و [۲] امام ذہبیؒ کی میزان الاعتدال فی نقد الرجال جلد ۳۔ ص ۴۹۲ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت

بعد میں ایک ساتھ لیں گے۔

سنن ابن ماجہ کے راوی :

سنن ابن ماجہ میں حضرت ابن مسعودؓ کی یہی روایت جس سلسلہ سند سے نقل ہوئی۔ اس کے راوی ہیں۔

۱۔ ابراہیم بن عبداللہ بن حاتم ابواسحاق الہروی،

۲۔ ھیثم بن بشیر، ۳۔ حجاج بن ابی زینب، ۴۔ ابوعثمان النہدی۔

۱۔ ابراہیم بن عبداللہ بن حاتم : ان کی کنیت ابواسحاق الہروی ہے۔

☆ ان کے کے بارے میں امام نسائیؒ فرماتے ہیں ''**لیس بالقوی**''۔ ''یہ حدیث بیان کرنے میں قوی (مضبوط) نہیں۔ [1]

☆ امام ابوداؤدؒ فرماتے ہیں ''**الحسین بن ادریس الھروی ، قال ابوداؤد السجستانی : ابراھیم الھروی ضعیف**''۔ حسین بن ادریس سے روایت ہے کہ امام ابوداؤد السجستانیؒ نے کہا ''ابراہیم الہروی ضعیف ہے''۔ [2]

سنن ابن ماجہ میں مذکور حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے منسوب حدیث کے سلسلہ سند کے آخری راوی ابراہیم بن عبداللہ لہروی کے بارے میں محدثین کی آراء آپ نے ملاحظہ فرمائی۔ یہاں کسی قسم کا کوئی تبصرہ کرنے کے بجائے۔ آیئے ان حدیثوں کے مشترکہ راویوں کا جائزہ لیتے ہیں۔

ان روایات کے مشترکہ راوی :

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کی اس روایت کا ذکر جن کتابوں میں مروی ہے۔ اس کے سلسلہ سند میں یہ تین راوی مشترک ہیں۔

---

[1] و [2] میزان الاعتدال فی نقد الرجال جلد اول۔ ص ۳۹ طبع بیروت

۱۔ ھیثم بن بشیر، ۲۔ حجاج بن ابی زینب ، ۳۔ ابو عثمان النہدی

۱۔ ھیثم بن بشیر: ان کا پورا نام ھیثم بن بشیر ابی خازم الواسطی ہے۔

☆ امام ذہبیؒ ان کے متعلق فرماتے ہیں کہ ''ھیثم تدلیس کرنے کے بہت عادی تھے۔ ایک ایسی جماعت سے احادیث بیان کرتے ہیں۔ جن سے ان کو سماع حاصل نہیں تھا''۔ (یعنی جن سے انہوں نے نہیں سنا تھا) [۱]

☆ امام دورقیؒ فرماتے ہیں ''کان مذھبه جواز التدلیس بعن ، عنده عشرون الف حدیث''۔ قاله الدّوَرقی ۔یعنی وہ حدیثوں میں تدلیس کو جائز سمجھتا تھا۔ اور ایسی بیس (۲۰) ہزار حدیثیں اس کے پاس تھیں۔ [۲]

☆ امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں ''ھیثم نے ایک ایسی جماعت سے روایت کی ہے۔ جن سے ان کو قطعاً سماع حاصل نہیں''۔ [۳]

☆ امام ابوالحسن بن القطانؒ فرماتے ہیں'' و لھیثم صنعة محذورة فی التدلیس ''۔ ''ھیثم حدیثوں کے بیان کرنے میں ایسی فریب کاری کرتے ہیں کہ اس سے ڈرنا چاہیے''۔ [۴]

☆ و عن علی بن ثابت ، قال سفیان الثوری : ھیثم لا تکتبوا عنه اور علی بن ثابت نے بیان کیا کہ سفیان ثوری نے کہا کہ ھیثم سے حدیثیں مت لو۔ یہ لوگوں کی طرف غلط نسبت دے کر حدیثیں بیان کرتا ہے۔ [۵]

☆ اور محمد بن سعد البصریؒ ان کے بارے میں فرماتے ہیں ''ھیثم کثرت سے تدلیس

---

[۱] امام ذہبیؒ کی تذکرۃ الحفاظ جلد اول۔ ص۲۰۲ طبع لاہور

[۲] تا [۴] میزان الاعتدال جلد۴۔ ص۳۰۶ طبع بیروت، تہذیب التہذیب جلد۳۔ ص۲۵۶ طبع مصر

[۵] میزان الاعتدال فی نقد الرجال جلد۴۔ ص۳۰۶ طبع بیروت ، تہذیب التہذیب جلد۳۔ ص۲۵۶

کرتے ہیں۔ لہذا جس حدیث میں آپ نے ''**اخبرنا**'' نہ کہا ہو اس کی حیثیت کچھ نہیں''۔ [1]

علامہ محمد ابن سعدؒ کے مطابق جس حدیث میں ھیشم ''**اخبرنا**'' (یعنی مجھے خبر دی) نہ فرمائیں تو ان حدیثوں کی کوئی حیثیت نہیں۔ حضرت ابن مسعودؓ کی حدیث جس کا ہم جائزہ لے رہے ہیں اس میں ھیشم بن بشیر نے ''**اخبرنا**'' نہیں فرمایا۔ بلکہ ''**عن**'' سے بیان کیا ہے۔ لہذا علامہ محمد ابن سعدؒ کے مطابق یہ حدیث کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔

ھیشم بن بشیر کے بارے میں ہر محدث اور علمائے حدیث کا ایک الزام و اعتراض مشترک ہے کہ وہ حدیثیں بیان کرنے میں بہت کثرت سے تدلیس کرتے تھے۔ اس سے پہلے بھی تدلیس کا ذکر سفیان ثوری اور دیگر راویوں کے احوال میں آ چکا ہے۔ آخر یہ تدلیس ہے کیا چیز؟۔ محدثین نے تدلیس کی جو تعریف بیان کی ہے۔ مختصراً اس کا ذکر کرتے چلیں۔

تدلیس کیا ہے؟۔

۱۔ کوئی راوی ایسے شخص سے روایت کرے جو اس کا ہم عصر ہو اور اس سے مل چکا ہو مگر اس سے اس کا سماع ثابت نہ ہو۔ یا ایسے ہم عصر سے روایت کرے جسے ملا نہ ہو مگر دوسرے کو یہ تاثر دے کہ اس نے اپنے معاصر سے سن کر یہ روایت بیان کی ہے۔

۲۔ خلافِ واقعہ باتوں کو واقعہ بنا کر پیش کرے۔

۳۔ حدیث کی سند میں گڑبڑ کرے یعنی سند میں موجود ضعیف راویوں کو چھپانے کیلئے غیر معروف ناموں سے روایت پیش کرے تاکہ وہ ثقہ راوی بن سکیں۔

☆ علماء کے نزدیک تدلیس صریح دروغ گوئی پر مبنی ہے۔ امام شعبہ فرماتے ہیں ''تدلیس جھوٹ کا بھائی ہے۔ میں تدلیس کا مرتکب ہونے کی نسبت زنا کاری کو ترجیح

---

[1] طبقات ابن سعد جلد ۷۔ ص ۳۴۳ طبع کراچی

دیتا ہوں''۔ [۱]

☆ جو راوی ایک دفعہ بھی تدلیس کا ارتکاب کرتا تو امام شافعیؒ اس کی روایت کو رد دیتے۔ [۲]

ھیثم بن بشیر نے مذکورہ حدیث حجاج بن ابی زینب کے حوالے سے بیان کی ہے۔

۲۔ **حجاج بن ابی زینب** : ان کا پورا نام حجاج بن ابی زینب الواسطی الصیقل ہے۔

☆ امام نسائیؒ ان کے متعلق فرماتے ہیں۔ '' **لیس بالقوی** ''۔ ''حدیث بیان کرنے میں قوی نہیں''۔ [۳]

☆ امام دارقطنیؒ فرماتے ہیں '' **لیس هو بقوي ولا حافظ** ''۔ ''نہ وہ قوی ہے اور نہ وہ حفاظِ حدیث ہے''۔ [۴]

☆ جب حجاج سے حدیثیں لینے کے بارے میں امام احمد بن حنبلؒ سے پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا'' **اخشی ان یکون ضعیف الحدیث** ''۔ ''مجھے ڈر ہے کہ وہ حدیث بیان کرنے میں ضعیف ہے''۔ [۵]

☆ **وقال ابن المدینی** '' **ضعیف** ''۔ اور امام بخاری کے استاد امام علی المدینی فرماتے ہیں۔ ''وہ ضعیف ہے''۔ [۶]

امام نسائیؒ اور امام دارقطنیؒ کے مطابق حجاج بن ابی زینب ایسا راوی نہیں کہ جس کی بیان کردہ روایت پر یقین کیا جاسکے۔ جبکہ امام حنبلؒ اور امام علی مدینیؒ نے حجاج کو ضعیف قرار دیا۔

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے منسوب اس حدیث کا سلسلہ سند جو مختلف کتابوں میں

---

[۱] و [۲] علامہ صبحی صالح کی علوم الحدیث۔ ص۲۲۰ ، اختصار علوم الحدیث۔ ص۵۸ ، التوضیح جلد اول۔ ص۳٦٦ ، **الباعث الحثیث**۔ ص۵۸

[۳] تا [٦] امام ذہبیؒ کی میزان الاعتدال فی نقد الرجال جلد اول۔ ص۴٦۲ طبع بیروت

مروی ہے۔ ان میں سے کوئی ضعیف راویوں سے خالی نہیں۔ ابتداء کے دو مشترک راوی ھیثم بن بشیر اور حجاج جن کے بارے میں ہم نے علمائے حدیث کی آراء کا جائزہ لیا۔ ان میں ھیثم حدیثیں بیان کرنے میں کثرت سے تدلیس کرتے تھے۔ اور دوسرے راوی حجاج کو محدثین نے ضعیف قرار دیا۔ اور امام نسائیؒ نے اس حدیث کو حجاج کے حوالے سے اپنی سنن میں نقل کرنے کے باوجود حجاج کو کمزور راوی قرار دیا ہے۔ یہاں پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ کمزور راوی کے حوالے سے امام نسائیؒ نے اس حدیث کو اپنی سنن میں کیوں نقل کیا؟۔ اس کا جائزہ اس موضوع کے آخری حصے میں لیں گے۔

آیئے مختصراً ابوعثمان النہدی کے حالات کا بھی جائزہ لے لیں۔ جنہوں نے حضرت ابن مسعودؓ سے اس واقعہ کے بارے میں سنا۔

۳۔ **ابوعثمان النہدی** : ان کے بارے میں انتہائی کم معلومات کتابوں میں مذکور ہیں۔ جن کے مطابق ان کا نام عبدالرحمٰن اور ان کے والد کا نام ''مُل'' ہے۔ ابوعثمان الکوفی ان کی کنیت ہے۔

> ''ابوعثمان نے جاہلیت کے زمانے کو پایا۔ اور حضور ﷺ کے عہد مبارک میں مسلمان ہوئے۔ لیکن آپ ﷺ سے ملاقات نہ ہوئی کوفہ کے رہنے والے تھے۔ واقعہ کربلا کے بعد حضرت حسینؓ سے اہل کوفہ کی بے وفائی سے ناراض ہو کر بصرہ میں آباد ہو گئے تھے۔ جہاں ۸۱ھ میں ایک سو چالیس (۱۴۰) سال کی عمر میں وفات پائی''۔ [۱]

ابوعثمان النہدی کے متعلق معلومات کا کتابوں میں اس قدر فقدان ہے کہ ان کے بارے میں علمائے حدیث کی کیا رائے ہے اس کا ہمیں علم نہیں۔

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے روایت کرنے والے تابعین کی تعداد ساٹھ (۶۰) سے زیادہ ہے۔ جنہوں نے ان کے حوالے سے کافی تعداد میں حدیثیں بیان کیں۔ لیکن ابن مسعودؓ سے منسوب اس حدیث میں جس واقعہ کا ذکر ہے۔ اس کو ابوعثمان النہدی کے علاوہ کسی دوسرے راوی

---

[۱] الجرح والتعدیل جلد ۵۔ ص ۱۳۵۰ ، طبقات ابن سعد جلد ۷۔ ص ۱۱۲ ، تہذیب الکمال جلد ۱۷۔ ص ۴۲۴
تاریخ بغداد جلد ۱۰۔ ص ۲۰۴

نے بیان نہیں کیا۔ اسے بیان کرنے میں ابوعثمان النہدی منفرد ہیں۔

اگر صرف ابوعثمان کے حوالے سے اس حدیث کا جائزہ لیا جائے تو یہ حدیث ''غریب'' ہے کیونکہ اگر کسی حدیث کا بیان کرنے والا کسی مرتبے میں راوی منفرد ہو تو اس حدیث کو غریب کہتے ہیں۔ [1] اور اگر اس حدیث کے سلسلہ سند کے بقیہ راویوں پر نظر کی جائے، تو اس میں ضعیف راویوں کی موجودگی اس حدیث کو ضعیف قرار دینے کیلئے کافی ہے۔

روایات کی قلت

اس موضوع پر تحقیق سے پہلے ہمیں گمان تھا کہ دورانِ نماز ہاتھ باندھنے کی روایات مستند راویوں سے بہت زیادہ ہوں گی۔ جو حدِ تواتر تک پہنچتی ہوں گی۔ جب ہم نے تحقیق کا آغاز کیا، تو روایات کا جمع کرنا ہی کافی محنت طلب ثابت ہوا۔ کیونکہ احادیث کی کتابوں میں ہماری توقعات کے برعکس روایات کا فقدان تھا۔ جتنی آسانی سے ہمیں دورانِ نماز رسولؐ اللہ کے ہر عمل کی روایات باکثرت مل جاتی ہیں۔ مثلاً رفع یدین، قیام سے متعلق، رکوع و سجود کے متعلق، قنوت و تشہد کے متعلق اور وہ بھی مشہور صحابہ کرامؓ کے حوالے سے۔ اس کے برعکس ان کا عشرِ عشیر بھی ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنے کی روایات نہیں ملتیں اور جو روایات ملتی بھی ہیں، تو وہ بھی غیر معروف صحابہ سے، صرف ایک روایت حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے ہے، جس کا ہم نے پچھلے صفحات پر جائزہ لیا۔

یہ بات کیسے مانی جاسکتی ہے کہ جو عمل رسولؐ اللہ نے نماز فرض ہونے یعنی ۲ھ سے لے کر اپنے وصال ۱۱ھ تک نو (۹) سال، بلاناغہ دن میں کم از کم پانچ نمازوں میں سترہ (۱۷) مرتبہ، تمام صحابہ کرامؓ کی موجودگی میں باجماعت کیا ہو۔ اس عمل کے شاہد صحابہ کی تعداد اس قدر کم ہو؟۔ اور ان تمام صحابہ کرام اور اُمہات المومنینؓ سے جو روایات بیان کرنے میں شہرت بھی رکھتے ہوں۔ مثلاً حضرت انسؓ بن مالک جو دو ہزار دو سو چھیاسی (۲۲۸۶) احادیث کے راوی ہیں، ان سے رسولؐ اللہ

---

[1] اوصاف الحدیث۔ ص ۳۴ وغیرہ

کا یہ عمل مخفی رہا۔ ازوج رسولؐ اُم المومنین حضرت ام سلمہؓ اور حضرت عائشہؓ جو دو ہزار دو سو دس (۲۲۱۰) احادیث کی راوی ہیں، ان سے بھی یہ عمل رسولؐ مخفی رہا۔ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ جن سے ایک ہزار چھ سو تیس (۱۶۳۰) احادیث مروی ہین، وہ بھی رسولؐ اللہ کے اس عمل سے ناواقف تھے۔ حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ جنہوں نے طویل عمر پائی جن سے ایک ہزار پانچ سو چالیس (۱۵۴۰) احادیث مروی ہیں، ان کے علم میں بھی رسولؐ اللہ کا یہ عمل نہیں تھا۔ اور سب سے زیادہ حدیثیں بیان کرنے والے حضرت ابو ہریرہؓ جن سے پانچ ہزار تین سو چوہتر (۵۳۷۴) احادیث مروی ہیں، ان سے بھی رسولؐ اللہ کا دورانِ نماز ہاتھ باندھنا مخفی رہا۔ ان کے علاوہ وصال رسولؐ کے بعد کافی طویل عرصہ زندہ رہنے والے صحابہ کرام حضرت ابو سعید خدریؓ، زید بن ارقمؓ وغیرہ کی کوئی ایک روایت بھی اس کے متعلق نہیں ملتی۔

رسولؐ اللہ کے دورانِ نماز ہاتھ باندھنے کی جو روایات جن صحابہ کرامؓ سے منسوب کر کے بیان کی گئیں ان میں سے کوئی روایت بھی ضُعف سے خالی نہیں۔ ان میں سے اکثر روایات غیر معروف افراد سے منسوب کر کے بیان کی گئیں ہیں۔ جن کا یا تو صحابی ہونا مشکوک ہے یا جن کا زمانۂ صحابیت انتہائی قلیل ہے۔ اور ایک نہایت غور طلب بات یہ ہے کہ صحابہ سے منسوب کر کے روایات بیان کرنے والے تقریباً تمام افراد کا تعلق شہر کوفہ سے ہے۔ ان افراد میں سے کچھ اپنی پیدائش سے پہلے روایت سن رہے ہیں۔ اور باقی راویوں کے بارے میں علمائے حدیث کی آراء آپ ملاحظہ فرما چکے۔ اور جن معروف صحابہ سے منسوب کر کے ہاتھ باندھنے کی روایات بیان کی گئیں۔ ان میں سے حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے منسوب روایت کا ہم جائزہ لے چکے۔ آیئے باقی ماندہ روایات کا بھی مختصراً جائزہ لیتے چلیں۔ تاکہ حقیقت واضح ہو کر سامنے آ سکے۔

دورانِ نماز سینے پر ہاتھ باندھنے کے قائل اہل حدیث حضرات اپنے استدلال میں حضرت طاؤسؒ بن کیسان کی روایت کو پیش کرتے ہیں۔ آیئے اس روایت کا بھی جائزہ لے لیتے ہیں۔

طاؤس بن کیسان کی روایت :

اس روایت کو امام ابوداؤدؒ نے مراسیل ابوداؤد میں نقل کیا ہے۔

حدثنا ابو توبه حدثنا الهيثم بن حميد عن ثور عن سليمان بن موسىٰ عن طاؤس قال كان رسول الله ﷺ يضع يده اليمنى على يده السرىٰ ثم يشد بينهما على صدره۔

سلسلہ سند: ابوتوبہ ، ہیثم بن حمید ، ثور ، سلیمان بن موسیٰ سے طاؤس نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نماز میں اپنا دایاں ہاتھ بائیں پر رکھتے اور ان کو ساتھ ملا کر اپنے سینے پر باندھا کرتے تھے۔ [1]

اس روایت کا جائزہ :

اس روایت کو حضرت طاؤسؒ بن کیسان نے براہ راست رسولؐ اللہ سے بیان فرمایا ہے۔ حضرت طاؤسؒ صحابیِ رسول نہیں تھے۔ بلکہ ان کا تعلق تابعین عظام سے تھا۔ اور تابعین ان لوگوں کو کہا جاتا ہے جو دورِ رسالت مآب ﷺ کے بعد پیدا ہوئے جن کو رسولؐ اللہ سے ملاقات یا زیارت کا شرف حاصل نہیں ہوا، بلکہ صحابہ کرام کا زمانہ پایا۔ جب طاؤسؒ نے رسولؐ اللہ کو دیکھا ہی نہیں، تو کوئی عملِ رسولؐ کسی صحابی کے حوالے کے بغیر براہ راست کیسے بیان کر سکتے ہیں؟۔

علمائے حدیث کے نزدیک جب کوئی تابعی بغیر کسی صحابی کے حوالے کے رسولؐ اللہ سے براہ راست روایت کرے، تو اس روایت کو "مرسل روایت" کہتے ہیں۔ [2]

مُرسل روایت :

مُرسل روایت کی تعریف میں امام نووی شافعیؒ فرماتے ہیں "مُرسل اس روایت کو کہتے ہیں جس کی اسناد میں اتصال (ربط) نہ ہو۔ یعنی کوئی راوی بیچ میں چھوٹ گیا ہو۔ مثلاً تابعی یہ کہے کہ رسولؐ اللہ نے یوں فرمایا اور صحابی کا ذکر نہ کرے۔ جس سے اس تابعی نے سنا ہے۔ مُرسل حدیث کے قبول کرنے میں علماء کا بہت اختلاف ہے۔ مشہور مذہب یہ ہے کہ وہ حجت نہیں۔ اور یہی قول

---

[1] عون المعبود شرح ابوداؤد۔ ص ۲۷۹

[2] امام ذہبیؒ کی تذکرۃ الحفاظ جلد اول۔ ص ۲۴ اور ۸۹ ، اوصاف الحدیث جلد اول۔ ص ۵۹

امام شافعیؒ اور ایک کثیر جماعتِ فقہاء کا ہے"۔ [۱]

مُرسل حدیثوں کو قابلِ حجت قرار دینے پر محدثین نے کلام (اعتراض) کیا ہے۔ امام بخاریؒ، امام مسلمؒ، امام یحییٰ بن سعید القطانؒ، امام نسائیؒ، امام ابوحاتمؒ اور دیگر علمائے حدیث نے انہیں منقطع قرار دیا ہے۔ اور منقطع حدیث ضعیف ہوتی ہے۔ امام علی بن مدینیؒ اور امام یحییٰ بن معینؒ نے مُرسل حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔ [۲] جبکہ امام ابوداؤدؒ نے اسے مراسیل میں نقل کیا ہے۔ محدثین کی اکثریت مُرسل اور منقطع روایات کو ایک ہی قرار دیتی ہے۔ جس کی تصدیق علامہ جلال الدین ابوبکر سیوطیؒ نے بھی کی ہے۔

اس بارے میں قدیم عالم علامہ جزائریؒ تحریر فرماتے ہیں۔

" وقد اطلق المرسل على المنقطع من الائمة الحديث ابوزرعة و ابوحاتم و الدارقطني "۔ یعنی ائمہ حدیث امام ابوزرعہؒ، ابوحاتمؒ اور امام دارقطنیؒ مُرسل حدیثوں کا اطلاق منقطع پر ہی کرتے ہیں۔ [۳] یعنی مُرسل حدیثوں کو منقطع قرار دیتے ہیں۔

امام مسلمؒ مقدمہ صحیح مسلم میں فرماتے ہیں۔ "ہمارے اور محدثین کے قول کے مطابق مُرسل حدیث حجت نہیں ہے"۔ [۴]

احادیثِ نبویؐ کے حفاظ اور نقاد ائمہ کی آخری اور حتمی رائے یہی ہے کہ "حدیثِ مُرسل دین میں حجت نہیں ہے۔ اس کے ضعیف ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں اتصال نہیں ہوتا"۔ اور اسی فیصلہ کو ائمہ حدیث نے اپنی تصانیف میں درج کیا ہے۔ [۵]

مُرسل حدیث کو منقطع و ضعیف قرار دینے والے محدثین کے برخلاف امام ابوحنیفہؒ، مالکؒ

---

[۱] شرح صحیح مسلم امام نووی جلد اول۔ ص۶۵ طبع لاہور

[۲] اوصاف الحدیث جلد اول۔ ص۶۲، توضیح الافکار جلد اول۔ ص۲۸۴، اختصار علوم الحدیث ص۵۲

[۳] سنن نسائی جلد اول۔ ص۱۵ کے حاشیہ بحوالہ توجیہ النظر۔ ص۲۴۳

[۴] مقدمہ صحیح مسلم جلد اول۔ ص۱۲، توضیح الافکار جلد اول۔ ص۲۸۴

[۵] اختصار علوم الحدیث ص۵۳

اوراحمد بن حنبلؒ مُرسل حدیث کو حجت مانتے ہیں۔ لیکن اس شرط کے ساتھ کہ اس کے راویوں میں کسی قسم کا نقص نہ ہو اور وہ ثقہ ہوں۔ اور اسکی تائید میں کوئی صحیح حدیث موجود ہو۔ اگر یہ دونوں شرائط پوری ہوں، تو ائمہ ثلاثہ (ابوحنیفہؒ، مالکؒ، حنبلؒ) کے نزدیک مُرسل حدیث حجت ہے۔ ورنہ نہیں۔ [۱]

مُرسل حدیث کے بارے میں علماء کی رائے جان لینے کے بعد آیئے اس حدیث کے راویوں کا جائزہ لیتے ہیں کہ کیا وہ قابلِ اعتماد ہیں کہ جن کی بیان کردہ مُرسل حدیث کو حجت قرار دیا جاسکے۔

حضرت طاؤسؒ بن کیسان کی حدیث کے سلسلہ سند کے راوی یہ ہیں۔

۱۔ ابوتوبہ ، ۲۔ ہیثم بن حمید ، ۳۔ ثور ، ۴۔ سلیمان بن موسیٰ

۱۔ ابوتوبہ : ان کا نام ابوتوبہ القاص ہے۔

☆ انکے بارے میں امام دارقطنیؒ فرماتے ہیں "**ضعیف**"۔ "یہ ضعیف ہے"۔ [۲]

☆ امام ذہبیؒ فرماتے ہیں: "**ولا اعرف من ھو**"۔ "میں نہیں جانتا کون ہے"۔ [۳]

واضح رہے کہ تمام علمائے حدیث کا اتفاق ہے کہ جرح (تنقید) مُقدم ہے تعدیل (تعریف) پر۔

۲۔ ہیثم بن حمید : ان کا نام ہیثم بن حمید غسانی دمشقی ہے۔

☆ **وقال ابو مسھر الغسانی "ضعیف قدری"**۔ اور امام ابومسہر غسانیؒ نے کہا "یہ ضعیف ہے اور عقیدے کا قدری ہے"۔ [۴]

قدری عقیدہ کیا تھا؟۔ اس کا ذکر آگے آرہا ہے۔

---

[۱] شرح صحیح مسلم نووی جلد ۱۔ ص ۶۵ طبع لاہور ، اوصاف الحدیث جلد ۱۔ ص ۶۳

[۲] و [۳] امام ذہبیؒ کی میزان الاعتدال فی نقد الرجال جلد ۴۔ ص ۵۰۸ طبع بیروت

[۴] امام ذہبیؒ کی میزان الاعتدال فی نقد الرجال جلد ۴۔ ص ۳۲۱ طبع بیروت

۳۔ **ثور** : ان کا پورا نام ثور بن یزید الکلاعی اور کنیت ابو خالد الحمصی ہے۔

☆ امام بخاریؒ کے استاد امام علی بن المدینیؒ فرماتے ہیں۔ ”**سمعت یحییٰ ابن سعید یقول : لیس فی نفسی منه شئی ، اتابعه ۔ یعنی ثور بن یزید**“۔ ”میں نے یحییٰ ابن سعید کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میرے نزدیک وہ (ثور) کچھ نہیں، یعنی ثور کی کوئی حیثیت نہیں“۔ [۱]

☆ **قال احمد بن حنبل : ”کان ثور یری القدر ، و کان اهل حمص نفوه و اخرجوه“**۔ امام احمد بن حنبلؒ نے کہا کہ ”ثور قدری تھا، جس پر اہل حمص اس کی مخالفت کرتے تھے، اور اس کو حمص سے نکال دیا تھا“۔ [۲]

☆ **و قال أبو مسهر ، عن عبدالله بن سالم قال : أدركت اهل حمص و قد اخرجؤ ا ثورا و احرقو اداره لكلامه فى القدر** ۔ اور ابو مسہر نے کہا کہ عبداللہ بن سالمؒ نے کہا کہ میں اہل حمص سے ملا انہوں نے ثور کو نکال دیا تھا اور اس کے گھر کو جلا دیا تھا۔ کیونکہ وہ قدری العقیدہ تھا۔ [۳]

☆ امام ذہبیؒ، ثور بن یزید کے بارے میں فرماتے ہیں۔ ”**ثبت لكنه قدرى ، اخرجوه من حمص و احرقوا داعه ، و توفى ۱۵۳ھ**“۔ ”وہ قدری تھا، اہل حمص نے اس کو نکال دیا تھا۔ اور اس کا گھر جلا دیا تھا۔ متوفی ۱۵۳ھ“۔ [۴]

☆ علامہ ابن سعدؒ : **و ذكر محمد بن سعد فى الطبقة الخامسته ، و قال : انه كان قدريا ، وكان جد ثور قد شهد فى صفين مع معاويه و قتل يومئذو كان اذاذكر عليا قال : لا احب رجلا قتل جدى ۔**

علامہ محمد بن سعدؒ نے ثور کا ذکر طبقہ خامسہ (پانچواں) میں کیا ہے اور کہتے ہیں

---

[۱] تا [۳] میزان الاعتدال فی نقد الرجال جلد اول۔ ص ۳۷۴ طبع بیروت

[۴] امام ذہبیؒ کی الکاشف جلد اول۔ ص ۱۲۰

"اس کو قدری کہا جاتا تھا۔ ثور کے دادا جنگِ صفین میں معاویہ کے ساتھ شریک ہوئے۔ اور اس روز قتل ہو گئے۔ اور پھر جب ثور کے سامنے حضرت علیؑ کا ذکر کیا جاتا، تو وہ کہتا کہ میں اس شخص کو محبوب نہیں رکھتا، جس نے میرے دادا کو قتل کیا ہو۔[۱]

ثور بن یزید کے قدری المذہب ہونے کے ساتھ ساتھ حضرت علیؑ سے بغض ان کے منافق ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ کیونکہ رسولؐ اللہ کی مشہور و معروف حدیث ہے کہ "علی سے محبت کرے گا مومن، اور بغض رکھے گا منافق"۔[۲]

۴۔ **سلیمان بن موسیٰ:** اس نام کے آٹھ (۸) سے زیادہ راوی علم رجال کی کتابوں میں ملتے ہیں۔ جن میں کچھ ضعیف و منکر الحدیث ہیں اور کچھ قوی ہیں۔ جب تک ان کا پورا نام معلوم نہ ہو۔ تب تک ان کی تلاش مشکل ہے۔

حضرت طاؤسؒ کی مذکورہ حدیث کے دو (۲) راوی ہشیم بن حمید اور ثور بن یزید کے حالات میں ان کے قدری المذہب ہونے کا بار بار ذکر ہوا۔ یہ قدری المذہب ہیں کون؟۔

قدری عقیدہ :

اس عقیدے کے تعارف میں علامہ محمد ابن سعد تحریر فرماتے ہیں۔" قدری عقیدے کیمطابق تقدیر کوئی شے نہیں۔ اور بھلائی و برائی اللہ کی جانب سے نہیں۔ عکرمہ بن عمار سے روایت ہے کہ میں نے (حضرت عمر فاروقؓ کے پوتے) سالم بن عبداللہ بن عمر بن خطاب کو ان قدریوں پر لعنت کرتے سنا۔ جو قدر (تقدیر) کی تکذیب کرتے ہیں۔ تاوقتیکہ وہ لوگ اس (قدر) کے خیر و شر پر ایمان نہ لے آئیں"۔[۳]

---

[۱] طبقات ابن سعد جلد ۶۔ ص ۲۲۶ طبع کراچی

[۲] صحیح مسلم جلد اول۔ کتاب الایمان۔ ص ۱۷۲ ، مسند احمد بن حنبل جلد ۴۔ ص ۳۰۹ ، مستدرک الحاکم جلد دوئم۔ ص ۳۶۴ ، امام نسائی کی خصص العلوی وغیرہ

[۳] علامہ محمد ابن سعدؒ کی طبقات ابن سعد جلد ۵۔ ص ۲۰۶ طبع کراچی

اس بارے میں ارشادِ ربُّ العزت ہے :

وَ اِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِاللّٰهِ وَ اِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّقُوْلُوْا
هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِکَ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِاللّٰهِ

یعنی اور ان کو اگر کوئی بھلائی پہنچتی ہے، تو کہنے لگتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے اور اگر ان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو کہنے لگتے ہیں کہ (اے رسولؐ) یہ تمہاری بدولت ہے۔ (اے رسولؐ) آپ کہہ دیں کہ سب اللہ کی طرف سے ہے۔

سورۂ نساء۴ آیت ۷۸

قدری عقیدہ اسلام کی تعلیمات کے خلاف ہے۔ جس کی مذمت قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمائی ہے۔ اور قدیم علماء نے اس عقیدے کی شدت سے مذمت کی۔ جس کی ایک مثال ہم نے طبقات ابن سعد کے حوالے سے پیش کی۔ جس میں حضرت عمر فاروقؓ کے پوتے ان پر لعنت بھیجا کرتے تھے۔ ان حضرات کے اس مکروہ عقیدے کی وجہ سے اہل حمص نے ان کے گھر کو جلا یا بلکہ انہیں شہر بدر بھی کر دیا۔ کیا ایسا عقیدہ رکھنے والے راویوں کی بیان کردہ روایت کو قابل حجت مانا جاسکتا ہے۔ جن کا عقیدہ اسلامی تعلیمات کے سراسر منافی ہو؟۔

اس کے علاوہ اس حدیث کے راویوں ابوتوبہ اور ہیثم بن حمید کو علمائے حدیث نے ضعیف قرار دیا ہے۔ علم حدیث کا اصول جس کا ہم نے ابتداء میں ذکر کیا۔ جس پر تمام علماء متفق ہیں کہ اگر ایک راوی پر بعض لوگ جرح کریں اور اس کی بعض لوگ تعدیل کریں، تو تمام محدثین اور علمائے حدیث کا اتفاق ہے کہ جرح قبول کی جائے گی۔ اور جرح مقدم ہے تعدیل پر، اگرچہ جرح کرنے والے تعداد میں کم ہی کیوں نہ ہوں۔ [۱]

ائمہ ثلاثہ مُرسل حدیث کو اس شرط کے ساتھ قابل حجت مانتے ہیں کہ اس کے راوی ثقہ ہوں، تو حضرت طاؤسؒ کی مذکورہ حدیث ان کی اس شرط پر پورا نہیں اترتی۔ کیونکہ اس کے راوی ثقہ تو دور کی بات ہے، عام شرائط پر بھی پورا نہیں اترتے۔ نہ تو ان کے بارے میں علمائے حدیث کی آراء اچھی ہے اور نہ ان کا عقیدہ اسلامی ہے۔ جب کہ دوسری شرط ''مُرسل حدیث کی تائید میں کوئی صحیح

---

[۱] شرح صحیح مسلم امام نووی جلد اول۔ ص ۵۹ طبع لاہور ، اوصاف الحدیث جلد اول۔ ص ۳۱۱

حدیث موجود ہو"۔ تو اس کی تلاش جاری ہے۔

دورانِ نماز ہاتھ باندھنے کی حدیثوں کا جائزہ کافی طول اختیار کر چکا ہے۔ اس لئے اختصار کی خاطر بقیہ متفرق حدیثوں کا جائزہ مختصر کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ تاکہ یہ موضوع پایہ تکمیل کو پہنچ سکے۔

حضرت علیؓ سے روایت :

امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقیؒ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے سینے پر ہاتھ باندھنے کی روایت نقل فرمائی ہے۔ اور اس کے بارے میں خود فرمایا کہ "اس حدیث کی سند اور متن میں اضطراب ہے"۔ [۱]

دوسری روایت :

امام بیہقیؒ نے حضرت علیؓ سے ایک اور روایت نقل کی۔

عن علی قال من سنته الصلوة ان توضع الایدی علی الا یدی تحت السره

حضرت علیؓ بیان کرتے ہیں کہ نماز میں سنت یہ ہے کہ ناف کے نیچے ہاتھوں پر ہاتھ رکھے جائیں۔ [۲]

☆ اس حدیث کے بارے میں پھر امام بیہقیؒ خود لکھتے ہیں کہ اسکی سند ضعیف ہے۔ [۳]

تیسری روایت :

حضرت علیؓ سے تیسری روایت کو امام بیہقیؒ نے سنن کبریٰ میں اور ان کے علاوہ ابن ابی شیبہؒ، امام حنبلؒ کے صاحبزادے عبداللہ نے زوائد مسند میں، اور امام احمد بن حنبلؒ نے اپنی مسند احمد میں بھی نقل فرمایا۔

عن علی رضی اللہ عنه قال ان من السنة فی الصلوة وضع الاکف علی الاکف تحت السرة۔

---

[۱] تا [۳] امام بیہقیؒ کی سنن کبریٰ جلد ۲۔ ص ۳۱ مطبوعہ نشر السنۃ ملتان

حضرت علیؓ بیان فرماتے ہیں کہ نماز میں سنت یہ ہے کہ ہتھیلیوں کو ہتھیلیوں پر ناف کے نیچے رکھا جائے ۔ [۱]

اس حدیث کے سلسلہ سند میں ایک راوی عبدالرحمٰن بن اسحاق الواسطی ہیں۔ جن پر اس حدیث کا دارومدار ہے۔ ان کے بارے میں علمائے حدیث کی آراء پیش خدمت ہے۔

عبدالرحمٰن بن اسحاق الواسطی کوفی :

☆ اس حدیث کے بارے میں علامہ عبدالرحمٰن مبارک پوری فرماتے ہیں: **قلت فی اسناد هذا الحدیث عبدالرحمن بن اسحاق الواسطی و علیه مدار هذا الحدیث و هو ضعیف لا یصلح الا حتجاج۔**
یعنی میں (عبدالرحمٰن مبارک پوری) کہتا ہوں کہ اس حدیث کی سند میں عبدالرحمٰن بن اسحاق ہے۔ جس پر اس روایت کا دارومدار ہے، اور وہ ضعیف ہے۔ اس لئے یہ روایت دلیل پکڑنے کے قابل نہیں ہے۔ [۲]

☆ امام ذہبیؒ عبدالرحمٰن بن اسحاق کے بارے میں فرماتے ہیں کہ وہ ضعیف ہے۔ [۳]

☆ امام احمد بن حنبلؒ ان کے متعلق فرماتے ہیں۔ **قال ابوطالب : سالت احمد بن حنبل عنه فقال : لیس بشئی** ۔ ابوطالب نے کہا کہ امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا کہ اس کی کوئی حیثیت نہیں۔ [۴]

☆ امام شعبیؒ فرماتے ہیں۔ ’’**منکر الحدیث**‘‘۔ ’’یہ منکر حدیثیں بیان کرتا ہے‘‘۔ [۵]

☆ امام مرۃؒ فرماتے ہیں۔ ’’**متروک**‘‘۔ ’’محدثین نے اس سے حدیثیں لینا ترک

---

[۱] امام بیہقیؒ کی سنن کبریٰ جلد۲۔ ص۳۲ ، مسند حنبل جلد اول۔ ص۱۱۰ ، زوائد مسند جلد اول۔ ص۳۲۷

[۲] حافظ ابن حجر عسقلانی کی فتح الباری شرح بخاری جلد۲۔ ص۳۲۶

[۳] تا [۵] امام ذہبیؒ کی میزان الاعتدال فی نقد الرجال جلد۲۔ ص۵۴۸ طبع بیروت

کردیا تھا"۔ [۱]

☆ اور عباس روایت کرتے ہیں کہ امام سعید القطانؒ نے اس کو ضعیف قرار دیا۔ [۲]

☆ اور ابن صالح نے بیان کیا کہ امام یحیٰی بن معینؒ نے کہا کہ وہ ضعیف تھا۔ اور اس کا تعلق کوفہ سے تھا۔ [۳]

☆ **وقال النسائی وغیرہ : ضعیف** ۔ اور امام نسائیؒ وغیرہ نے کہا کہ یہ ضعیف ہے [۴]

☆ **وقال البخاری "فیہ نظر"** ۔ اور امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ یہ قابل شک ہے۔ یعنی قابل اعتبار نہیں۔ [۵]

☆ عبدالرحمٰن بن اسحاق کے متعلق امام نووی شافعیؒ فرماتے ہیں۔ "**ھو حدیث متفق علی تضعیفہ فان عبدالرحمن بن اسحاق ضعیف بالاتفاق**"۔ یعنی اس حدیث میں عبدالرحمٰن بن اسحاق ضعیف ہے اور اس کے ضعیف ہونے پر سب کا اتفاق ہے [۶]

یہاں پھر وہی سوال پیدا ہوتا ہے کہ عبدالرحمٰن بن اسحاق کے حالات سے واقف ہونے کے باوجود امام حنبلؒ اور ان کے صاحبزادے عبداللہ نے اس سے روایت کیوں نقل کیں؟۔ اس کا جائزہ اس موضوع کے آخیر میں لیں گے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے منسوب ہاتھ باندھنے کی تمام حدیثوں کا مختصر جائزہ ہی ان تمام کو ضعیف قرار دے دیتا ہے۔ ان حدیثوں کے راویوں کے ضعیف ہونے کے علاوہ ان کے متن میں بھی اضطراب ہے۔ کسی میں "**تحت السرۃ**" کسی میں "**من السرۃ**" اور کسی میں "**علی السرۃ**" کے الفاظ ہیں۔

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت :

امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقیؒ نے سنن کبریٰ میں حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے سینے پر ہاتھ

---

[۱] تا [۵] امام ذہبیؒ کی میزان الاعتدال فی نقد الرجال جلد ۲۔ ص ۵۴۸ طبع بیروت

[۶] شرح صحیح مسلم امام نووی جلد ۲۔ ص ۲۸ طبع لاہور

باندھنے کی ایک روایت نقل کی ہے۔ جس کے سلسلہ سند میں ایک راوی روح بن میتب ہیں۔ اختصار کے پیش نظر یہاں صرف اس راوی کے متعلق علمائے حدیث کی آراء کا جائزہ پیش کریں گے۔ تاکہ اس روایت کی حقیقت واضح ہو سکے۔

روح بن میتّب کے متعلق علمائے حدیث کی آراء :

☆ ان کے متعلق ابن عدیؒ نے کہا کہ یہ ثابت اور یزید رقاشی سے غیر محفوظ حدیثیں بیان کرتا ہے۔ [1]

☆ **وقال ابن حبان : یروی الموضوعات عن الثقات ، لا تحل الروایة عنه** ۔ اور امام ابن حبانؒ نے کہا کہ یہ ثقہ راویوں سے موضوع حدیثیں بیان کرتا ہے، اس سے روایت کرنا جائز نہیں۔ [2]

☆ اور ابن عدی عمر ذفکریؒ نے کہا یہ ثقہ راویوں کے نام سے منکر حدیثیں بیان کرتا ہے۔ اور یہ سارق الحدیث ہے۔ [3]

☆ امام ابویعلی موصلیؒ نے کہا یہ ضعیف ہے۔ [4]

یہ تھا حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے منسوب روایت کے راوی روح بن میتّب کے بارے میں علمائے حدیث کی آراء کا مختصر جائزہ ۔ جو اس روایت کے ضعیف ہونے کیلئے کافی ہے۔

دورانِ نماز رسولؐ اللہ کے ہاتھ باندھنے کی یہ وہ تمام حدیثیں ہیں جو صحابہ کرامؓ سے منسوب کرکے بیان کی گئیں۔ خواہ ان کا تعلق سینے پر ہاتھ باندھنے سے ہو یا ناف کے اوپر یا نیچے ہاتھ باندھنے سے وہ تمام سنداً ضعیف ہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

---

[1] و [2] امام ذہبیؒ کی میزان الاعتدال فی نقد الرجال جلد۲۔ ص۶۱ طبع بیروت

[3] و [4] **شقیح المقال** جلد۳۔ ص۲٦٧ ، علامہ غلام رسول سعیدی کی شرح صحیح مسلم جلد۲۔ ص۱۲۱

ہاتھ باندھ کر نماز کی ادائیگی کی تمام حدیثوں کے ضعیف ہونے کے پیشِ نظر امام ابراہیم ابن منذرؒ کو یہ بات تسلیم کرنی پڑی کہ

'' لم ثیبت عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم شی فھو مخیر ''

یعنی اس مسئلہ میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ بھی ثابت نہیں۔ [۱]

دورانِ نماز ہاتھ باندھنے کی تمام روایات پر تحقیق کے بعد جو بات سامنے آئی وہ یہ ہے کہ جن صحابہ کرامؓ کے حوالے سے یہ روایات بیان کی گئیں۔ اُن پر ان روایات کی صورت میں کھلا بہتان باندھا گیا۔ کوئی ایک روایت بھی ایسی نہیں جس کا سلسلہ سند ان راویوں پر مشتمل ہو، جن پر علمائے حدیث نے تنقید نہ کی ہو۔ ان روایات میں جن اقسام کے راویوں کا ذکر آیا، ان اقسام کے راویوں کے بارے میں امام نووی شافعیؒ شرح صحیح مسلم میں قدیم عالم قاضی عیاضؒ کے حوالے سے تحریر فرماتے ہیں۔ '' کاذبین یعنی حدیث بنانے والوں کی دو قسمیں ہیں، ایک تو رسولؐ اللہ سے وہ بات صاف تراش لیتے ہیں جو آپ ﷺ نے نہیں فرمائی ان کے نزدیک دین کی کوئی اہمیت نہیں بلکہ لوگوں پر اپنے علم کا رعب جتانے کیلئے حدیثیں بنا لیتے ہیں اور تعصب میں ان حدیثوں کے ذریعے اپنا مذہب ثابت کرتے ہیں۔ بعض ان کاذبین میں سے ایسے ہیں جو حدیث کے متن کو نہیں بناتے لیکن اس کیلئے صحیح سند تراش لیتے ہیں۔ اور اس سے ان کا مقصد اپنا فضل ظاہر کرنا یا اپنی جہالت چھپانا ہوتا ہے۔ اور بعض اس طرح جھوٹ بولتے ہیں کہ جس سے نہیں سنا، اس سے کہتے ہیں کہ ہم نے سنا ہے یا جس سے نہیں ملے۔ اس سے ملنا بیان کرتے ہیں۔ اور بعض ایسا کیا کرتے ہیں کہ صحابی یا تابعی کے قول کو بڑھا کر رسولؐ اللہ کا قول کر دیتے ہیں۔ ان سب قسموں کے لوگ کذاب (جھوٹے) ہیں''۔ [۲]

---

[۱] امام شوکانیؒ کی کتاب نیل الاوطار جلد ۲۔ ص ۷۸ طبع مصر

[۲] شرح صحیح مسلم امام نووی جلد اول۔ ص ۵۹ مطبوعہ نعمانی کتاب خانہ لاہور

ضعیف حدیثیں نقل کیوں کیں؟۔

ان تمام احادیث کا جائزہ لینے کے دوران بار بار ذہن میں سوال پیدا ہوتا رہا، جس کا ذکر ہم نے ان مواقعوں پر بھی کیا کہ ہمارے ان جلیل القدر محدثین کرامؒ نے جو علم حدیث کے ائمہ تھے۔ جنہوں نے اپنی زندگیاں عام مسلمانوں تک سنت رسول ﷺ پہنچانے کے مقدس کام میں صَرف فرمائیں، انہوں نے اپنی کتابوں میں ضعیف روایات کیوں نقل فرمائیں؟۔

اس سلسلے میں امام نووی شافعیؒ شرح صحیح مسلم میں قاضی عیاضؒ کے حوالے سے تحریر فرماتے ہیں کہ ”یہ اعتراض ہوتا ہے کہ ان محدثین نے ایسے لوگوں سے کیوں روایت کی۔ حالانکہ وہ جانتے تھے کہ وہ لوگ کذاب اور متہم ہیں؟۔ اس کے کئی جواب ہیں ایک یہ کہ انہوں نے روایت کیا لوگوں کو جتانے کیلئے کہ اس روایت کے ضُعف سے آگاہ ہو جائیں“۔ [1]

درحقیقت ہمارے ان قابلِ قدر ائمہ حدیث کے نزدیک اولین اور اہم کام زیادہ سے زیادہ احادیثِ رسول کو یکجا کر کے محفوظ کر لینا تھا۔ اس سے پہلے کہ ان احادیث کو بیان کرنے والے حفاظ اس دنیا میں نہ رہیں۔ ان کی تمام تر توجہ اس مقدس اور روحانی کام پر مبذول تھی۔ اگر اس کام کے دوران محدثین صحیح اور غلط حدیثوں کا امتیاز برتنے لگتے تو احادیث کا اتنا بڑا ذخیرہ کسی صورت میں محفوظ نہیں ہو سکتا تھا۔

ان ائمہ حدیث کے سامنے دو راستے تھے۔ ایک یہ کہ اپنی تمام تر توجہ صرف اور صرف صحیح روایات کو تلاش اور انہیں نقل کرنے پر صَرف کرتے، اس صورت میں یہ خدشہ تھا کہ بہت زیادہ صحیح حدیثیں بھی محفوظ ہونے سے رہ جاتیں۔ دوسرا راستہ یہ تھا کہ جتنی حدیثیں ملیں زیادہ سے زیادہ جمع کر لی جائیں۔ اس کے بعد ان میں سے اپنے علم کے مطابق جہاں تک ممکن ہو سکے، صحیح روایات اپنی کتابوں میں نقل کر لی جائیں۔ اور اگر کسی مسئلہ پر صحیح روایت نہ ملے، تو ضعیف روایت نقل کر کے اس کی نشاندھی کر دی جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

صحاح ستہ کے عظیم محدث امام نسائیؒ، جب وہ کوئی صحیح روایت نہ پاتے، تو ضعیف

---

[1] شرح صحیح مسلم امام نووی جلد اول۔ ص ۵۹ مطبوعہ نعمانی کتاب خانہ لاہور

ہی کو نقل کر دیتے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ احتجاج بھی رقم فرما دیتے۔ [۱]

امام بخاریؒ نے حصولِ روایت میں اکابر، اماثل اور اصاغر کے فرق کا کبھی خیال نہیں رکھا۔ انہیں جہاں سے بھی روایت ملتی اَخذ کر لیتے، خواہ بیان کرنے والا ان سے برتر ہو، مساوی ہو، یا کمتر۔ امام بخاریؒ نے اپنی صحیح کا چھ (٦) لاکھ احادیث میں سے انتخاب کیا۔ [۲]

امام بخاریؒ کے علاوہ دیگر ائمہ حدیث نے بھی یہی طریقہ اختیار کیا۔ اور لاکھوں حدیثوں میں سے اپنی کتابوں کیلئے اپنے علم و رجحان کے مطابق حدیثوں کا انتخاب کیا۔ لیکن اس تمام تر احتیاط کے باوجود انسانی غلطی کا احتمال رہا۔ چنانچہ امام المحدثین امام بخاریؒ نے جن راویوں پر خود اپنی دوسری کتابوں میں جرح (تنقید) فرمائی۔ صحیح بخاری میں ان سے بھی روایات نقل فرمائیں۔

> مثلاً ایک راوی اسماعیل بن ابان کوفی کے متعلق امام بخاریؒ لکھتے ہیں **اسماعیل بن ابان عن هشام بن عروه متروك الحديث كنيته اسحاق كوفی** یعنی اسماعیل بن ابان جو ہشام بن عروہ سے روایت کرتا ہے، متروک الحدیث ہے۔ اسکی کنیت اسحاق کوفی ہے۔ (امام بخاریؒ کی کتاب الضعفاء۔ ص۲۵۲) اس متروک الحدیث راوی سے امام بخاری نے اپنی صحیح میں متعدد احادیث و روایات لی ہیں۔ اسی طرح امام بخاریؒ نے ایک راوی ایوب بن عائز کو اپنی کتاب الضعفاء میں درج کیا ہے۔ اور فرماتے ہیں "**ایوب بن عائز الطای کان یری الارجا** "۔ یہ شخص مرجیہ عقائد کا حامل تھا۔ (کتاب الضعفاء۔ ص۲۵۳)

اس بارے میں امام ذہبیؒ لکھتے ہیں۔ " **و کان من المرجته قال البخاری واوده فی الضعفآء لا رجانه و العجب من البخاری یغمزه و قد اجتع به** "۔ یعنی " امام بخاری نے ایوب بن عائز کو مرجیہ قرار دے کر اس کا ضعیف راویوں میں شمار کیا ہے۔ اور حیرت ہے کہ اس کو ضعیف قرار دے کر پھر اس سے استدلال کرتے ہیں"۔ [۳]

---

[۱] امام نسائیؒ کی سنن نسائی جلد اول۔ ص۱۳ طبع کراچی [۲] صحیح بخاری جلد اول۔ ص۹ اور ص۲۴ طبع لاہور

[۳] امام ذہبیؒ کی میزان الاعتدال فی نقد الرجال جلد اول۔ ص۲۸۹ طبع بیروت

ان کے علاوہ زبیر بن محمد التیمی ، سعید بن عروہ ، عبداللہ بن ابی لبید ، عبدالملک بن امین ، عبدالوارث بن سعید ، عطاء بن السائب بن یزید ، کھمس بن منہال یہ تمام وہ راوی ہیں جن کی امام بخاریؒ نے اپنی کتاب الضعفاء میں ضعیف ہونے کی تصدیق کی ہے۔ اس کے باوجود صحیح بخاری میں ان لوگوں کی روایات کو نقل کیا ہے۔

اس بات کا قوی امکان ہے کہ ان ضعیف راویوں سے روایات صحیح بخاری میں نقل کرنے کے بعد امام بخاریؒ کو ان کے ضعیف ہونے کا علم ہوا ہو۔ جس کا ذکر انہوں نے اپنی کتاب الضعفاء میں کیا۔ غالباً یہ کتاب امام بخاریؒ نے صحیح بخاری مرتب کرنے کے بعد تحریر فرمائی۔

امام بخاری کے علاوہ اکثر ائمہ حدیث نے یہی طریقہ اختیار کیا۔ دورانِ نماز ہاتھ باندھنے کی روایات کے سلسلہ سند میں بہت سے ایسے راوی بھی شامل ہیں، جن سے محدثین نے حدیثیں نقل فرمائیں، لیکن اس کے ساتھ ساتھ ان راویوں کے ضعیف ہونے کی نشاندہی بھی فرمائی۔ امام حنبلؒ نے جن راویوں سے روایت اپنی مسند میں نقل فرمائی، ان راویوں کے ضعیف ہونے کی نشاندہی بھی فرمائی۔ جو علم رجال کی کتابوں میں محفوظ ہے۔ تاکہ لوگ ان ضعیف راویوں کی روایات سے آگاہ ہوسکیں۔ اور ان ضعیف حدیثوں سے استدلال قائم نہ کریں۔

راویوں کے حالات سے آگاہی کیلئے علم حدیث میں بہت سے طریقے وضع کئے گئے۔ جن میں سے ایک طریقہ ''جرح وتعدیل'' بھی ہے۔ جس کا مختصر تعارف ہم نے اس باب کے آغاز میں پیش کیا۔ اس طریقہ کا ذکر ذرا تفصیل سے ہم یہاں پیش کر رہے ہیں تا کہ اس کی اہمیت واضح ہو جائے۔ کیونکہ علم حدیث سے دلچسپی رکھنے والے حضرات بہت اچھی طرح واقف ہیں کہ راویوں کو جانچنے کا یہی سب سے موثر طریقہ ہے۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ کسی کی رائے سے کسی راوی کو ضعیف قرار دینا کہاں تک درست ہے؟۔ جبکہ اسی راوی کے متعلق کسی کی اچھی رائے بھی ہوسکتی ہے، اس کی کیا وجہ ہے کہ جرح (تنقید) مقدم ہے تعدیل (تعریف) پر؟۔ آیئے اس کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

جرح وتعدیل :

اگر راویوں کی بعض علمائے حدیث نے تعدیل (تعریف) کی ہے۔ اور بعض نے جرح (تنقید) کی ہے۔ ایسی صورت میں یہ کیسے فیصلہ کیا جائے کہ یہ راوی قوی ہے یا ضعیف؟۔ جب کسی راوی کے بارے میں یہ صورت درپیش ہو تو اس کیلئے علم حدیث کا ایک اصول جس پر تمام محدثین وعلمائے حدیث کا اتفاق ہے، وہ یہ کہ ''جرح مقدم ہے تعدیل پر'' یعنی کسی راوی کے متعلق محدثین کی رائے مختلف ہو، تو علمائے حدیث کے نزدیک اس راوی پر جرح کرنے والے محدثین و علماء کی رائے کو فوقیت دی جائے گی۔ خواہ وہ تعداد میں کم ہی کیوں نہ ہوں۔ کیونکہ ہر راوی کے بارے میں ہر محدث مکمل ترین معلومات نہیں رکھ سکتا۔ اس لئے اس بات کا کافی احتمال رہتا ہے کہ ایک راوی سے کسی محدث کا واسطہ مختصر عرصے رہا۔ جس میں اس راوی کے بارے میں محدث نے اچھی رائے قائم کی، لیکن اسی راوی سے دوسرے محدث کی ملاقات کافی رہی، جس کے نتیجے میں انہوں نے اس راوی کو ضعیف پایا۔ اب دوسرے محدث کی رائے اس راوی کے بارے میں پہلے محدث سے زیادہ مقدم اور اہمیت کی حامل ہوگی۔ کیونکہ اس راوی کو ضعیف قرار دینے والے محدث کو اس کا ضُعف بیان کرنا ہوگا، اور کوئی محدث کسی راوی کو اس وقت تک ضعیف قرار نہیں دے سکتا جب تک وہ اس راوی کے نقائص سے واقف نہ ہو۔ ☆ ☆ **اور نقائص سے واقفیت دلیل ہے بہت زیادہ واقف کاری کی** ☆ ☆۔ اب اس راوی کی بیان کردہ روایت کو، جرح (تنقید) کرنے والے محدث کی رائے کے مطابق جانچا جائے گا۔ اس کو علم حدیث کی زبان میں ''جرح وتعدیل'' کہتے ہیں۔ بہت سے ایسے راوی بھی ہیں۔ جن کے بارے میں کسی محدث وعالم حدیث نے کسی قسم کی جرح نہیں کی۔

جرح وتعدیل کے علاوہ جن محدثین کو موقع ملا۔ انہوں نے اپنی کتابوں میں درج حدیثوں کا خود تجزیہ کیا۔ اور ان حدیثوں کی حیثیت ومقام کے بارے میں لکھا۔ حضرت علیؓ سے منسوب ہاتھ باندھنے والی حدیثوں کو امام بیہقیؒ نے اپنی کتاب سنن کبریٰ میں نقل فرمایا لیکن اس کے ساتھ ساتھ ان حدیثوں کے ضعیف ہونے کی نشاندہی بھی فرمائی۔

ذمہ دار کون ہے؟۔

ان محدثین نے جہاں تک ان کے اختیار میں تھا۔ اپنی پوری کوشش واحتیاط کی کہ لوگ ان کی کتابوں میں درج ضعیف روایات سے استدلال وحجت قائم نہ کریں۔ اور ضعیف حدیثوں سے استدلال کی صورت میں اس کے عذاب کی ذمہ داری ان پر عائد نہ ہو۔ اور بعد کے لوگ ان محدثین کی، اور اپنی تحقیق کے ذریعے صحیح اور غلط کا امتیاز کرلیں۔

یہ کام ہر دور کے آنے والے علماء وفقہاء کا تھا۔ جو ضعیف وصحیح حدیثوں کی تحقیق کرتے اور اپنے اعمال وعقائد صحیح حدیثوں کی روشنی میں ڈھالتے۔ اور جو اعمال وعقائد صحیح حدیثوں کے خلاف پاتے، ان کی اصلاح صحیح حدیثوں کے مطابق کرتے۔ لیکن اکثر معاملات میں ہوا اس کے برعکس، یعنی پہلے سے قائم غلط اعمال ونظریات کو صحیح حدیثوں کی روشنی میں ڈھالنے کے بجائے ان پر جمود اختیار کرلیا گیا۔ (جن میں سے متعدد کا ذکر پچھلے صفحات پر گزرا) اور ان کو صحیح ثابت کرنے کیلئے ان کی تائید میں ہر قسم کی حدیثوں کو استدلال میں پیش کیا گیا خواہ وہ ضعیف ہی کیوں نہ ہوں۔

قدیم حنفی عالم امام ابوالحسن کرخی تحریر فرماتے ہیں۔

> ”بیشک اس حدیث کو جو ہمارے فقہاء کے خلاف ہوگی، منسوخ سمجھا جائے گا۔ یا پھر یہ سمجھا جائے گا کہ یہ حدیث کسی دوسری حدیث کے خلاف ہے، پھر کوئی دلیل سوچی جائے گی، پھر اس حدیث کو ترجیح دی جائے گی جو حدیث ہمارے فقہاء کی دلیل ہے“۔ [۱]

یہ اصول صرف احادیث تک ہی محدود نہیں رہا بلکہ امام ابوالحسن کرخی حنفی مزید لکھتے ہیں۔

> ”ہر وہ آیت جو ہمارے فقہاء کے قول کے خلاف ہوگی اسے یا تو منسوخ سمجھا جائے گا، یا قیاس کو ترجیح دی جائے گی“۔ اور بہتر تو یہی ہے کہ اس آیت کی تاویل کرکے ہمارے فقہاء کے قول کے مطابق کرلیا جائے“۔ [۲]

---

[۱] و [۲] امام ابوالحسن کرخی کی اصول فقهه ۔ فتویٰ نمبر ۲۸ و ۲۹

اس سلسلہ میں امام نوویؒ، قاضی عیاضؒ کے حوالے سے لکھتے ہیں۔ ”بعض فقہاء کی یہ عادت ہے کہ ہر قسم کی روایت نقل کرتے ہیں۔ یہ اچھی بات نہیں، بلکہ انتہائی بری بات ہے اس لئے کہ اگر ان کو معلوم تھا کہ یہ روایت ضعیف ہے تو اس سے دلیل لینا درست نہیں تھا۔ کیونکہ سب علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ احکام شرعیہ میں ضعیف حدیث حجت پکڑنے کے قابل نہیں ہے۔ اور اگر ان کو ان حدیثوں کے ضعیف ہونے کا علم نہیں تھا، تو بھی درست نہیں تھا کہ وہ اہل علم سے پوچھے بغیر یا جانچے بغیر یہ بات نقل کرتے“۔ [1]

محدثین کی آراء کی روشنی میں کسی حدیث یا راوی کو جانچنے کے بجائے ایک آسان طریقہ اختیار کرلیا گیا کہ فلاں راوی ضعیف ہو ہی نہیں سکتا، کیونکہ اس راوی کی فلاں عالم یا محدث نے تعدیل کی ہے۔ یا اس راوی سے فلاں محدث نے روایت لی ہے۔ خواہ اس محدث نے روایت لینے کے باوجود اس راوی کے متعلق جو بھی رائے دی ہو۔ یہ طریقہ عام طور پر حدیثوں کے جانچنے میں بھی اختیار کرلیا گیا۔ یہ طریقہ کار حیران کن ہونے کے ساتھ ساتھ دیگر ائمہ حدیث کی توہین کا باعث بھی ہے۔ یعنی اگر ہم کہیں کہ فلاں راوی اس لئے معتبر ہے کہ اس سے فلاں محدث نے روایت لی ہے، تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس راوی کے بارے میں جن ائمہ حدیث نے جرح کی، وہ سب کے سب غلط تھے اور انہوں نے جھوٹ بولا۔ یہ انتہائی خطرناک اور گمراہ کن رجحان ہے۔ یعنی ہمیں سنت رسولؐ سے متعلق صحیح حدیثوں سے غرض نہیں، بلکہ ہمیں ان حدیثوں سے دلچسپی ہے جو ہمارے اعمال ونظریات کی تائید کریں خواہ وہ کتنی ہی ضعیف کیوں نہ ہوں۔

تحقیق جب عقیدت کا روپ دھار لے، تو وہ تحقیق نہیں رہتی۔ کیونکہ عقیدت قائم کرنے کے بعد تحقیق اسی طرح ہے جیسے کوئی شخص کسی رنگ کا چشمہ لگا کر اپنے گرد دیکھے تو ہر چیز اسی رنگ کی نظر آئے گی۔ ہوا بھی اسی طرح، لوگوں نے مخصوص احادیث کی کتابوں میں درج تمام روایات کے بارے میں قیاس کرلیا کہ یہ تمام صحیح ہوں گی۔ اور تحقیق کرنے کے بجائے ان پر عقیدت کے محل تعمیر کرلئے۔ عقیدت اس مقام تک پہنچ گئی کہ امام المحدثین امام بخاریؒ کی کتاب صحیح بخاری کو بعد از کلامِ باری کا خطاب ودرجہ دے دیا گیا۔ اور ہمارے مدرسوں میں اس کا ”ختم شریف“

---

[1] صحیح مسلم امام نووی جلد اول۔ ص ۵۹ طبع لاہور

ہونے لگا۔ یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے۔ ہمارے ایک دوست جو ایک بہت بڑے دینی مدرسے کے مہتمم ہیں۔ ان سے اس بارے میں ہم نے کہا کہ قرآن و حدیث صرف ''ختم شریف'' کیلئے تو نہیں، بلکہ تدبر اور اپنے اعمال و نظریات کی اصلاح کیلئے ہیں، تو انہوں نے فرمایا کہ ''ختم شریف'' میں تدبر کے ساتھ ساتھ ثواب بھی مل جاتا ہے۔ ہم نے کہا کہ کیا یہ مناسب نہیں کہ ''ختم شریف'' عربی کے بجائے اُس زبان میں ہو جس میں اس محفل میں موجود ہر طالب علم اور اہل محفل سمجھ سکیں، تا کہ تدبر میں آسانی ہو سکے؟۔ اور جہاں تک ثواب کا تعلق ہے تو پھر ثواب صرف صحیح بخاری کے ''ختم شریف'' تک محدود کیوں؟۔ رسول اللہ کی حدیثیں تو احادیث کی دیگر کتابوں میں بھی ہیں۔ جن کا پڑھنا اتنا ہی باعثِ ثواب ہے، جتنا صحیح بخاری میں درج حدیثوں کا؟۔ جواب میں ہمارے دوست ہنسے، اور فرمایا: ہم تو بچپن سے صحیح بخاری شریف کا ''ختم شریف'' دیکھتے آ رہے ہیں۔ اسی کا رواج ہے۔

اگر اس رواج کا علم امام بخاریؒ کو ہو جاتا، تو یقیناً وہ اس عمل سے لاتعلقی کا اعلان فرما دیتے کہ کتاب اللہ کی طرح ان کی کتاب کا ''ختم شریف'' ہو۔ ان مدرسوں میں پڑھنے والے بچوں سے ہم یہ توقع کیونکر کر سکتے ہیں کہ وہ بڑے ہو کر ان کتابوں میں درج روایات پر تحقیق کریں؟۔ یہ ان کیلئے ناممکن ہے۔ کیونکہ بچپن میں ان کے دل و دماغ میں جن کتابوں کے بارے میں یہ عقیدہ راسخ کر دیا گیا ہو کہ ان میں تمام روایات صحیح ہیں۔ ان کی عقیدت کے غلاف میں لپٹی ہوئی تحقیق، اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ وہ ان کتابوں میں درج ضعیف روایات کو آشکار کر سکیں۔

اپنے اعمال و نظریات پر تحقیق کے بجائے، ان کی تائید میں عقیدت کا رنگ بھر کے ضعیف حدیثوں کو سنت رسولؐ سمجھ کر ان پر جامد ہونا، نہ صرف گمراہی ہے بلکہ حقیقتاً اللہ اور اس کے رسولؐ سے صریحاً بغاوت بھی، جس کی ذمہ داری ان ضعیف روایات کو نقل کرنے والے محدثین پر عائد نہیں ہوتی۔ کیونکہ انہوں نے اپنی امکانی حد تک پوری کوشش کی کہ لوگ ان کی کتابوں میں درج ضعیف روایات سے استدلال نہ لیں۔ اس کے باوجود کوئی شخص اگر خود یا اپنے علماء سے خوش عقیدگی کے باعث گمراہ ہونا چاہے، تو اپنے اعمال کا ہر شخص خود ذمہ دار ہے۔

وَلَا تَكۡسِبُ كُلُّ نَفۡسٍ اِلَّا عَلَيۡهَا ۚ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزۡرَ اُخۡرٰى ۚ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمۡ

مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ☆

اور جو شخص کوئی بُرا کام کرتا ہے، اس کا وبال اس پر ہے۔ اور کوئی شخص کسی دوسرے کے گناہ کا بوجھ نہیں اُٹھانے کا۔ پھر تم سب کو اپنے ربّ کی طرف پلٹنا ہے، اس وقت وہ تمہارے اختلافات کی حقیقت تم پر کھول دیگا۔ سورۂ انعام۶ آیت۱۶۴

اِذْتَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا وَرَاَوُا الْعَذَابَ وَ تَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ☆ وَقَالَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا ؕ كَذٰلِكَ يُرِيْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَيْهِمْ ؕ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ

(روز قیامت) جب پیشوا لوگ اپنے پیروکاروں سے اپنا پیچھا چھڑائیں گے۔ اور (بچشم خود) عذاب کو دیکھیں گے، اور انکے باہمی تعلقات ٹوٹ جائیں گے۔ اور پیروکار کہنے لگیں گے کہ اگر ہمیں پھر دنیا میں پلٹنے کا موقع ملے، تو ہم بھی ان سے اسی طرح الگ ہو جائیں، جس طرح (عین وقت پر) یہ لوگ ہم سے الگ ہو گئے۔ یونہی اللہ ان کے اعمال کو دکھائے گا، جو انہیں باحسرت دکھائی دیں گے۔ اور پھر بھلا کب وہ جہنم سے نکل سکتے ہیں؟۔ سورۂ بقرہ۲ آیات۱۶۶، ۱۶۷

نماز میں کوکھ پر ہاتھ باندھنا

دورانِ نماز ہاتھ باندھنے کی تائیدی روایات کا تفصیلی جائزہ لینے کے بعد یہ بات واضح ہوگئی کہ ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنا سنت رسول ﷺ نہیں۔ اس سلسلے میں نہ صرف ان صحابہ کرامؓ پر جن سے منسوب کر کے یہ راویات بیان کی گئیں، بلکہ رسولؐ اللہ پر بھی باندھا جانے والا بہتان ہے۔

آیئے رسولؐ اللہ کی کچھ قولی حدیثوں کا بھی جائزہ لے لیں۔ تا کہ بات کچھ اور واضح ہو جائے۔ یہ الفاظ ہیں صحیح مسلم شریف کے

حدثنی الحکم بن موسی القَنطَری قال نا عبدالله بن المبارك ح وحدثنا ابو بكر ابن ابی شيبه قال ابو خالد و ابو اسامة جميعا عن هشام عن محمد

عن ابی هریرة ان النبی ﷺ انه نهی ان یصلی الرجل مختصرا و فی روایة ابی بکر قال رسول نهی رسول الله صلی الله علیه وسلم۔

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول ﷺ نے کوکھ پر ہاتھ رکھ کر نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔ [۱]

اس حدیث کے تمام راوی علمائے حدیث کے نزدیک ثقہ ہیں۔ اور علم حدیث میں ان کا شمار ائمہ میں ہوتا ہے۔ جس کی تصدیق علم رجال کی کتابیں کر رہی ہیں۔

حکم بن موسیٰ القطری : امام ذہبیؒ اور امام ابوحاتمؒ نے کہا کہ "**صدوق، صاحب حدیث**"۔ "سچے صاحبِ حدیث ہیں"۔ **و ثقه ابن معین و جزرة و جماعة** اور امام ابن معینؒ اور محدثین کی ایک جماعت نے کہا کہ یہ ثقہ ہیں۔ [۲]

امام ترمذیؒ نے دوسرے سلسلہ سند سے اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد اسے حسن صحیح قرار دیا ہے۔

اس حدیث کا ترجمہ : (مختصرا) اِختَصار کے معنی

حضرت ابوہریرہؓ کی مندرجہ بالا حدیث کا مذکورہ ترجمہ علامہ غلام رسول سعیدی صاحب کا ہے۔ اور یہی ترجمہ اہل حدیث کے جید عالم علامہ وحید الزماں صاحب کے بھائی علامہ بدیع الزماں صاحب نے جامع ترمذی کے ترجمہ میں کیا ہے۔ علامہ بدیع الزماں خود بھی اہل حدیث عالم تھے۔ **خصر فی الصلوة** کے معنی میں علماء میں اختلاف ہے۔ علامہ خطابی نے بیان کیا کہ **اختصار** کے معنی ہاتھ میں عَصا لے کر نماز پڑھنا، کچھ علماء نے کمر پر ہاتھ باندھنا بیان کیا ہے۔ امام ترمذیؒ اور امام ابوداؤدؒ نے امام ابن سیرینؒ سے نقل کیا ہے کہ **خصر فی الصلوة** کا مطلب

---

[۱] صحیح مسلم جلد۲۔ ص۱۱۷ کتاب المساجد، باب **کراهة الاختصار فی الصلوة**، حدیث ۱۱۲۰، جامع ترمذی جلد اول۔ ص۲۰۲، **ابواب الصلوة۔ باب ماجآء فی النهیَ عن الاختصار فی الصلوة**، حدیث ۳۲۷ طبع کراچی

[۲] میزان الاعتدال فی نقد الرجال جلد۱۔ ص۵۸۰

ہے نماز میں کوکھ پر ہاتھ رکھنا۔ علامہ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ مشہور تفسیر یہی ہے۔ اور اس معنی کی تائید سنن نسائی اور سنن ابوداؤد میں حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کی روایت سے ہوتی ہے۔ جس کا ذکر ہم ابھی کریں گے۔ محدثین کے مطابق **خصر** کا مطلب کوکھ ہے، تو کوکھ پیٹ کے اگلے حصے کو کہتے ہیں۔ جیسے اردو میں بے اولاد عورت کو کوکھ جلی کہا جاتا ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کی روایت :

عن زیاد بن صبیح قال صلیت الی جنب بن عمر فوضعت یدی علیٰ خصری فقال لی ھکذا ضربة بیده فلما صلیت قلت لرجل من ھذا قال عبداللہ بن عمر قلت یا ابا عبدالرحمن مارا بك منی قال ان ھذا اصلب و ان رسول اللہ ﷺ نھانا عنه۔

زیاد بن صبیح فرماتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ عبداللہ ابن عمرؓ کے برابر میں نماز پڑی، تو میں نے اپنا ہاتھ کوکھ پر باندھ لیا۔ انہوں نے اپنا ہاتھ مار کر مجھے اشارہ کیا۔ جب میں نماز سے فارغ ہوا، تو کسی سے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟۔ اس نے کہا عبداللہ ابن عمرؓ۔ میں نے (ابن عمر) سے کہا۔ اے ابوعبدالرحمٰن! آپ کو میری کون سی بات بُری لگی؟۔ فرمایا یہ پھانسی لٹکنے والی شکل (کوکھ پر ہاتھ رکھنا) کیونکہ رسولؐ اللہ نے ہمیں اس سے منع فرمایا ہے۔ [1]

روایت کا تجزیہ :

خصر فی الصلوة کے معنی کی بحث کو نظر انداز کرتے ہوئے، اس حدیث پر غور فرمایئے کہ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے زیاد بن صبیح کے ہاتھ جھٹک دیئے۔ یعنی کوکھ سے کھول دیئے۔ اور اُس سے یہ نہیں فرمایا کہ ہاتھ کوکھ کے بجائے سینے پر یا فلاں جگہ پر باندھو۔

پھر حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے فرمایا کہ پھانسی لٹکنے والے مجرم کی طرح کوکھ پر ہاتھ

---

[1] سنن نسائی جلد اول۔ ص ۳۰۲ کتاب **الافتتاح، باب لعن التحر فی الصلوة**، حدیث ۸۹۵ ،

سنن ابوداؤد جلد اول۔ ص ۳۴۸ **التحر والاقعاء** ، حدیث ۸۹۴ طبع لاہور

باندھ کر نماز پڑھنے سے رسول ؐ اللہ نے منع فرمایا ہے۔ رسول ؐ اللہ کے اس حکم کے سننے کے بعد دیکھنا یہ ہے کہ ہم اپنی عبادات میں کوئی ایسا عمل تو اختیار نہیں کر رہے، جو حکم رسول ؐ کے خلاف ہو۔ اور جس کی مذمت قرآنِ مجید میں بھی فرمائی گئی ہو۔

ارشادِ ربُّ العزت ہے

اَفَنَجۡعَلُ الۡمُسۡلِمِیۡنَ کَالۡمُجۡرِمِیۡنَ ☆ مَا لَکُمۡ وقف کَیۡفَ تَحۡکُمُوۡنَ ☆

کیا ہم مسلمانوں کو مجرموں کی مانند کر دیں، تمہیں کیا ہو گیا ہے، تم کیسا حکم لگاتے ہو؟۔

سورۂ القلم ۶۸ آیات ۳۵، ۳۶

اب ہمیں اپنی عبادت کے ہر عمل کو آیہ مبارکہ کی روشنی میں دیکھنا ہو گا۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو مجرموں کی مانند نہیں دیکھنا چاہتا۔ اور ایسا حکم دینے والوں کی سرزنش بھی فرما رہا ہے۔ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کی مندرجہ بالا حدیث، ان احادیث میں سے ایک ہے، جن میں ہاتھ باندھ کر نماز کی ادائیگی کا انکار ہو رہا ہے۔

ہاتھ باندھنا قرآن کی نظر میں

قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ نے جہاں جہاں ہاتھ باندھنے کا ذکر کیا ہے۔ وہ ناپسندگی اور مذمت میں کیا ہے۔ وہ بزدلی، بخل اور نیک اعمال سے اجتناب کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

ارشادِ ربُّ العزت ہے

وَ قَالَتِ الۡیَهُوۡدُ یَدُ اللّٰهِ مَغۡلُوۡلَةٌ ط غُلَّتۡ اَیۡدِیۡهِمۡ وَ لُعِنُوۡا بِمَا قَالُوۡا بَلۡ یَدٰهُ
مَبۡسُوۡطَتٰنِ لا یُنۡفِقُ کَیۡفَ یَشَآءُ ط ... الخ

اور یہودی کہنے لگے کہ اللہ کا ہاتھ بندھا ہوا ہے۔ انہی کے ہاتھ باندھ دیئے جائیں۔ اور ان کے کہنے پر اللہ کی لعنت، بلکہ اللہ کے دونوں ہاتھ کھلے ہیں۔ جس طرح چاہتا ہے خرچ کرتا ہے۔

سورۂ المائدہ ۵ آیت ۶۴

اسی طرح سورہ بنی اسرائیل میں ارشاد ہوا۔ ”**لا یجعل یدک**“ اپنے ہاتھ قطعاً نہ باندھو۔

اللہ کے نزدیک تعظیم کا معیار؟۔

آیئے قرآنِ مجید میں تلاش کرتے ہیں کہ اللہ کے نزدیک تعظیم کا معیار کیا ہے؟۔ یہ الفاظ ہیں سورۂ بنی اسرائیل کے۔

وَ قَضٰی رَبُّکَ اَلَّا تَعۡبُدُوۡآ اِلَّآ اِیَّاہُ وَ بِالۡوَ الِدَیۡنِ اِحۡسَانًا ؕ اِمَّا یَبۡلُغَنَّ
عِنۡدَکَ الۡکِبَرَ اَحَدُھُمَآ اَوۡ کِلٰھُمَا فَلَا تَقُلۡ لَّھُمَآ اُفٍّ وَّ لَا
تَنۡھَرۡھُمَا وَ قُلۡ لَّھُمَا قَوۡلًا کَرِیۡمًا

اور تمہارے پروردگار نے تو حکم ہی یہ دیا ہے کہ اس کے سوا کسی دوسرے کی عبادت نہ کرنا۔ اور ماں باپ سے نیکی کرنا، اگر ان میں سے ایک یا دونوں تیرے سامنے بڑھاپے کو پہنچیں، تو (خبر دار) اُف تک نہ کہنا، اور نہ ان کو جھڑکنا، اور (جو کچھ کہنا ہو) بہت ادب سے کہا کرو۔

اور اس کے بعد ارشاد ہوا۔

وَ اخۡفِضۡ لَھُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحۡمَۃِ

اور ان (والدین) کے سامنے نیاز مندی سے بازوؤں کو جھکائے اور (ان کے حق میں) دعا کرو۔ سورۂ بنی اسرائیل ۱۷ آیات ۲۳، ۲۴

حکم الٰہی کیا ہے؟۔

فَاذۡکُرُوا اللّٰہَ کَمَا عَلَّمَکُمۡ مَّا لَمۡ تَکُوۡنُوۡا تَعۡلَمُوۡنَ☆

تو تم اللہ کا ذکر (عبادت) اس طریقے سے کرو جو تم کو (رسولؐ کی معرفت) سکھلایا ہے۔ جس کو تم نہیں جانتے تھے۔

سورۂ بقرہ ۲ آیت ۲۳۹

پہلی قرآنی دلیل :

نماز میں ہاتھ باندھنے کی احادیث اور روایات پر تحقیق کے بعد، مندرجہ بالا آیہ مبارکہ کی

روشنی میں، اب ہم قرآنِ مجید میں تلاش کرتے ہیں کہ آیا اس بارے میں قرآنِ مجید میں کسی قسم کا حکم صادر ہوا ہے؟۔ اور اگر ہوا ہے، تو وہ کیا ہے؟؟؟۔

یہ الفاظ ہیں، سورۃ النور کے ارشادِ ربُّ العزت ہے

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ یُسَبِّحُ لَہٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالطَّیْرُ صٰٓفّٰتٍ ط
کُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَہٗ وَتَسْبِیْحَہٗ ط اللّٰہُ عَلِیْمٌ بِمَا یَفْعَلُوْنَ ☆

(اے شخص) کیا تو نے اتنا بھی نہیں دیکھا کہ جتنی مخلوقات سارے آسمانوں اور زمین میں ہے۔ اور پرندے پر پھیلائے اسی کی تسبیح کرتے ہیں۔ سب اپنی نماز و تسبیح کا طریقہ خوب جانتے ہیں، اور جو کچھ کیا کرتے ہیں، اللہ اس سے خوب واقف ہے۔

سورۃ النور ۲۴ آیت ۴۱

سورۃ النور کی اس آیہ مبارکہ پر غور فرمائیں تو اس کے تین پہلو ہمارے سامنے آتے ہیں۔ ایک عبادت، دوسرا عبادت کا طریقہ اور تیسرا ہمارے طریقہ عبادت سے اللہ کی دلچسپی۔

اس آیہ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ انسان کی حالت پر طنز فرما رہا ہے۔ ''تو نے اتنا بھی نہیں دیکھا''۔ یعنی انسان اگر اپنے اردگرد غور کرلے تو ہدایت پا جائے۔ کیونکہ آسمانوں اور زمین کی تمام مخلوقات اس (اللہ) کی عبادت کرتی ہے۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ آسمانوں اور زمین کی تمام مخلوقات میں پرندے شامل ہیں یا نہیں؟۔۔۔۔ یقیناً شامل ہیں، تو پھر اللہ نے پرندوں کا ذکر الگ کیوں کیا؟۔۔۔۔۔ اللہ نے پرندوں کا ذکر الگ کر کے عبادت کا طریقہ بتا دیا کہ اگر انسان گھر میں پلنے والے پرندوں پر ہی غور کر لیتا، تو ہدایت پا جاتا کہ وہ اپنے پَروں کو پھیلا کر اللہ کی تسبیح اور نماز پڑھتے ہیں۔ مرغا جب بانگ دیتا ہے، تو اپنے پَروں کو پنجوں کی جانب پھیلا دیتا ہے۔

جب ہمارے دوستوں کے درمیان اس موضوع پر گفتگو ہوئی، تو دورانِ گفتگو ہم نے یہ آیہ مبارکہ اپنے دوستوں کے درمیان پیش کی۔ تو وہ کہنے لگے کہ اب ہم عبادت کے طریقے پرندوں سے لیں گے؟۔ جبکہ اللہ قرآنِ مجید میں **اطیعو اللّٰہ و اطیعو الرسول** کا حکم دے رہا ہے۔

پرندوں کی اطاعت کا کہیں حکم نہیں ہے۔ ہم نے جواب دیا کہ اس آیت میں اللہ پرندوں کا الگ ذکر کر کے کیا سمجھا رہا ہے؟۔۔۔۔ جب نہیں مانے، تو ہم نے کہا کہ اللہ نے انسانوں کو پرندوں کے ذریعے پہلے بھی تو ہدایت دی ہے۔ اور اُس ہدایت پر آج تک عمل ہو رہا ہے۔ اس پر تو کسی نے اعتراض نہیں کیا۔ جبکہ اس زمانے میں نبیؑ موجود تھے۔ اس بات پر سب چونکے، پوچھا کہ اللہ نے پرندوں کے ذریعے کون سی ہدایت دی؟۔۔۔۔۔ ہم نے کہا کہ جب قابیل نے ہابیل کو قتل کیا، تو اسے فکر ہوئی کہ لاش کا کیا کرے؟۔ تو

فَبَعَثَ اللّٰہُ غُرَابًا یَّبۡحَثُ فِی الۡاَرۡضِ لِیُرِیَہٗ کَیۡفَ یُوَارِیۡ سَوۡءَۃَ اَخِیۡہِ قَالَ یٰوَیۡلَتٰۤی
اَعَجَزۡتُ اَنۡ اَکُوۡنَ مِثۡلَ ھٰذَا الۡغُرَابِ فَاُوَارِیَ سَوۡءَۃَ اَخِیۡ فَاَصۡبَحَ مِنَ النّٰدِمِیۡنَ ☆

تو اللہ نے ایک کوّے کو بھیجا کہ وہ زمین کو کریدنے لگا، تا کہ اُسے (قابیل) کو دکھادے کہ اُسے اپنے بھائی کی لاش کیونکر چھپانا چاہیئے (یہ دیکھ کر) وہ (قابیل) کہنے لگا، ہائے افسوس! کیا میں اس سے عاجز ہوں، کہ اس کوّے کی برابری کر سکوں؟۔

سورۃ المائدہ ۵ آیت ۳۱

اس آیت کے بعد ہم نے اپنے دوستوں سے کہا کہ جس طرح قابیل کو شرمندگی ہوئی تھی۔ کیا اسی طرح آپ کو بھی پرندوں سے ہدایت لینے میں شرمندگی محسوس ہو رہی ہے؟۔

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَسۡتَحۡیٖۤ اَنۡ یَّضۡرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوۡضَۃً فَمَا فَوۡقَہَا ط فَاَمَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا
فَیَعۡلَمُوۡنَ اَنَّہُ الۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّہِمۡ ج

بیشک اللہ مچھر، یا اس سے بھی بڑھ کر (حقیر چیز کی) کوئی مثل بیان کرنے میں تحقیر محسوس نہیں کرتا۔ بس جو لوگ ایمان لا چکے ہیں۔ وہ تو بیشک جانتے ہیں کہ یہ (مثال) بالکل ٹھیک ہے اور ان کے پروردگار کی طرف سے ہے۔ سورۂ بقرہ ۲۔ آیت ۲۶

کیونکہ اللہ انسان کو اس کی علمی اور عقلی سطح کے مطابق مثال دے کر بات سمجھاتا ہے۔ ان مثالوں کا مقصد انسان کو ہدایت دینا ہے۔

دوسری قرآنی دلیل :

یہ الفاظ ہیں سورۂ اعراف کے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

قُلْ اَمَرَ رَبِّیْ بِالْقِسْطِ قف وَ اَقِیْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّ ادْعُوْهُ
مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ ط كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ ☆

(اے رسولؐ) کہہ دیں کہ میرے پروردگار نے تو انصاف کا حکم دیا ہے۔ اور (یہ بھی فرمایا ہے) کہ ہر نماز کے وقت اپنے چہرے (قبلہ کی طرف) سیدھے کر لیا کرو۔ اور اس کیلئے کھری عبادت کرو۔ اس سے دعا مانگو، جس طرح اس نے تمہیں پیدا کیا تھا۔ اُسی طرح پھر (دوبارہ) زندہ کئے جاؤ گے۔

سورۂ اعراف ۷ آیت ۲۹

آیہ مبارکہ پر تدبر :

سورۂ اعراف کی مذکورہ آیہ مبارکہ میں اللہ تعالٰی انسانوں کو صاف صاف نماز کا طریقہ سمجھا رہا ہے۔ کہ ہر نماز کے وقت اپنا چہرہ قبلہ کی جانب کر لیں۔ اور اسی کی عبادت کریں اور اسی سے دعا مانگیں۔ لیکن اس کے بعد اللہ نے ایک دم انسانوں کی پیدائش اور دوبارہ زندہ کئے جانے کا ذکر کیا۔ اس سے اللہ کی کیا مراد ہے؟۔ اس نقطہ پر اگر غور کیا جائے، تو بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ پیدائش اور دوبارہ زندہ کئے جانے سے اللہ کی مراد یہ ہے کہ کائنات میں آج تک کوئی بچہ ہاتھ باندھے پیدا نہیں ہوا۔ بلکہ جو بچہ بھی پیدا ہوتا ہے اس کے ہاتھ پیدائش کے وقت کھلے ہوئے ہوتے ہیں۔ اور اسی طرح اس آیت میں دوبارہ اُٹھائے جانے کا ذکر ہے۔ یعنی کوئی مسلمان خواہ کسی مسلک کا کیوں نہ ہو، اللہ کی حقیقی بارگاہ میں جانے کیلئے جب دفنایا جاتا ہے، تو اس کے ہاتھ کھلے ہوئے ہوتے ہیں۔ اور جس طرح مردے کو دفنایا جائے گا، اسی طرح روزِ قیامت دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔ اور دونوں پیدائشوں کی صورت ایک سی ہوگی۔

وَ عُرِضُوْا عَلٰی رَبِّکَ صَفًّا ط لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍۭ بَلْ زَعَمْتُمْ
اَلَّنْ نَّجْعَلَ لَكُمْ مَّوْعِدًا☆

اور (سب کے سب) تمہارے پروردگار کے سامنے قطار در قطار پیش کئے جائیں
گے اور جس طرح ہم نے تم کو پہلی بار پیدا کیا تھا (اسی طرح) تم لوگوں کو (آخر)
ہمارے پاس آنا پڑا۔

سورۂ الکہف ۱۸ آیت ۴۸

اللہ تعالیٰ سورۂ اعراف کی مذکورہ آیت میں انسان کی پیدائش اور دوبارہ اُٹھائے جانے کا ذکر اسی لئے کر رہا ہے کہ جس طرح کھلے ہاتھ پیدا ہوئے، اور روزِ قیامت دوبارہ زندہ بھی کھلے ہاتھ ہوگے، تو میری عبادت بھی اسی طرح کرو۔

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں مثالیں دیدے کر سمجھاتا ہے۔ تاکہ انسان ہدایت پا جائے۔

وَ لَقَدْ صَرَّفْنَا فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ؕ وَ كَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ
شَیْءٍ جَدَلًا ☆

اور ہم نے اس قرآن میں لوگوں (کے سمجھانے) کے واسطے، ہر طرح کی مثالیں پھیر بدل
کر بیان کر دی ہیں۔ مگر انسان تمام مخلوقات سے زیادہ جھگڑالو ہے۔

سورۂ الکہف ۱۸ آیت ۵۴

سورۂ اعراف کی مندرجہ بالا آیہ مبارکہ ۲۹ کی اس تفسیر کی تصدیق اس آیت کے فوراً بعد والی آیت کر رہی ہے۔ جس میں اللہ نے اس طریقۂ عبادت کی خلاف ورزی کرنے والوں کے متعلق فرمایا۔

فَرِیْقًا هَدٰی وَ فَرِیْقًا حَقَّ عَلَیْهِمُ الضَّلٰلَةُ ؕ اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّیٰطِیْنَ اَوْلِیَآءَ
مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ یَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ☆

اسی (اللہ) نے ایک فریق کی ہدایت کی، اور ایک فریق پر گمراہی سوار ہوگئی۔ ان لوگوں
نے اللہ کو چھوڑ کر شیطانوں کو اپنا سرپرست بنالیا۔ اور باوجود اس کے، گمان کرتے
ہیں کہ وہ راہ راست پر ہیں۔

سورۂ اعراف ۷ آیت ۳۰

اس آیہ مبارکہ میں اللہ نے اس طریقہِ عبادت کی خلاف ورزی کرنے والوں کے متعلق فرمایا: ''ان پر گمراہی سوار ہوگئی۔ اور انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر شیطانوں کو اپنا سرپرست بنالیا''۔ یعنی ان کی عبادت اللہ کی عبادت نہیں، بلکہ شیطان کی عبادت ہے۔ اور لطف یہ ہے کہ شیطان کی عبادت کرنے کے باوجود ان کو غلط فہمی یہ ہے کہ وہ راہ راست پر ہیں۔

روزمرہ کی عام زندگی میں آپ کی ملاقات ایسے لوگوں سے ضرور ہوئی ہوگی جو طریقہِ عبادت کو اتنی زیادہ اہمیت نہیں دیتے۔ بلکہ کہتے ہیں کہ'' ہمارا مقصد عبادت کرنا ہے۔ خواہ کسی طریقے سے بھی کرلیں، کوئی فرق نہیں پڑتا۔ کیونکہ اللہ ہماری نیت سے واقف ہے''۔ مندرجہ بالا آیت سے ان لوگوں کی غلط فہمی دور ہو جانی چاہئے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو عبادت کے طریقے میں آزاد نہیں چھوڑا، کہ جس طرح دل میں آئے اسی طرح کرلیں۔ مندرجہ بالا آیہ مبارکہ میں واضح اور دوٹوک الفاظ میں بتادیا گیا ہے کہ اگر عبادت اللہ کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق نہیں کی، تو وہ عبادت اللہ کی نہیں، بلکہ شیطان کی عبادت ہوگی۔

قرآنِ مجید کے حکم کے بعد ضرورت تو نہیں رہتی کہ ہم احادیث و روایات کی طرف جائیں۔ کیونکہ ارشادِ پروردگارِ عالم ہے

تِلْکَ اٰیٰتُ اللّٰہِ نَتْلُوْھَا عَلَیْکَ بِالْحَقِّ ج فَبِاَیِّ حَدِیْثٍ بَعْدَ اللّٰہِ وَ اٰیٰتِہٖ یُؤْمِنُوْنَ ☆

یہ اللہ کی آیتیں ہیں، جن کو ہم (اللہ) ٹھیک (ٹھیک) تمہارے سامنے پڑھتے ہیں، تو اللہ اور اس کی آیتوں کے بعد کون سی بات ہوگی، جس پر یہ لوگ ایمان لائیں گے؟۔

سورۃ الجاثیہ ۴۵ آیت ۶

لیکن اس موضوع کا پورا احاطہ کرنے کیلئے احادیث کی کتابوں میں تلاش کرتے ہیں کہ دورِ رسالتؐ اور بعد از رسولؐ، صحابہ کرامؓ اور اہل بیت کا عمل کیا تھا؟۔ تاکہ حقیقت اور واضح ہو سکے، جو اس کتاب کا اصل مقصد ہے۔ اس مقام پر ہم یہ بھی واضح کرتے چلیں کہ جن کتابوں سے یہ احادیث و روایات بیان کی جائیں گی۔ وہ قدیم علماء کی مستند و مشہور کتابیں ہیں۔ جو ہر جگہ بآسانی دستیاب ہیں۔

ہاتھ کھول کر نماز کی ادائیگی

ہم نے ہاتھ کھول کر نماز پڑھنے کی ان احادیث کو جو ضعیف، منقطع وغیرہ ہیں۔ یا جن کے راوی علمائے حدیث کے نزدیک قوی نہیں ہیں۔ اختصار کے پیش نظر چھوڑ دیا ہے۔ ان روایات کی تعداد تقریباً سات (۷) ہے۔ اسی طرح جو روایات لی ہیں۔ ان میں اکثر کی عربی عبارت کو تحریر نہیں کیا۔ صرف عربی عبارت ان احادیث کی تحریر کی ہیں جن کی عربی عبارت تحریر کرنا انتہائی ضروری تھی۔ تاکہ کتاب کو ضخامت سے بچایا جائے۔ اور جو دوست عربی عبارت دیکھنا چاہتے ہیں، وہ ان متعلقہ کتابوں میں ان عبارات کو دیکھ سکتے ہیں، جن کا حوالہ دیا گیا ہے۔

رسولؐ اللہ کی قولی حدیث :

یہ الفاظ ہیں علامہ علی بن حسام الدین بن عبدالملک بن متقی الشافعیؒ ہندی کی مشہور کتاب کنز العمال کے۔

لا يتم صلوة احد كم حتى يسبغ الوضوء كما امره الله فيغسل وجهه و يديه الى المرفقين و يمسح راسه و رجليه الى الكعبين ثم يكبر الله و يحمده و يجده و يقرء ما تسير من القرآن مما علمه الله و ازن له فيه ثم يكبر فيركع فيضع كفيه علٰى ركبية فيرفع حتىٰ تطمئن مفاصله و تسترخى ثم يقول سمع الله لمن حمده فيستوى قائمه حتىٰ ياخذ كل عظيم ماخذه و يقيم صلبه ثم يكبر فيسجد فيمكن جبهة من الارض حتىٰ تطمئن مفاصله و تسترخى ثم يكبر فيرفع راسه فيستوى قاعد اعلىٰ مقعد ته و يقيم صلبه ثم يكبر فيسجد حتىٰ يكمن وجهه و يرفع يديه كل تكبير و يسترخى لا صلوة احد كم حتىٰ يفعل ذلك۔

کسی کی نماز پوری نہیں ہوگی، جب تک اس کو اس طرح نہ پڑھے کہ پورا وضو کرے، اور اس

> طرح کہ اپنا چہرہ دھوئے پھر کہنیوں تک دونوں ہاتھ دھوئے، پھر سر اور اپنے پاؤں پر مسح کرے پھر تکبیر کہہ پھر حمد و مجد بجا لائے پھر اللہ نے جس قدر حکم دیا ہے قرآن کے سوروں کو پڑھے پھر تکبیر کہہ کر رکوع میں جائے، اور اپنی دونوں ہتھیلیاں اپنے دونوں گھٹنوں پر رکھے پھر سیدھا کھڑا ہو کر **سمع اللہ لمن حمدہ** کہہ، پھر سیدھا ہی کھڑا رہ کر تکبیر کہہ، پھر سجدہ میں جائے اور مٹی پر پیشانی کو رکھے اور ہر تکبیر پر رفع یدین کرے۔ غرض کسی کی نماز نہیں ہوگی، جب تک یہ سب عمل نہ کرے۔ [1]

رسولؐ اللہ نے اس حدیث میں دورانِ نماز تمام حرکات کی تفصیل بیان فرمائی ہے۔ رفع یدین سے لے کر رکوع میں دونوں ہتھیلیوں کو گھٹنوں پر رکھنے تک کا ذکر فرمایا۔ مگر ہاتھ باندھنے کا ذکر نہیں فرمایا، کیوں؟۔ یہ واضح دلیل ہے کہ دورانِ نماز حالت قیام ہاتھوں کی پوزیشن وہی رہتی ہے، جو عام (فطری) حالت میں ہوتی ہے۔ یعنی ہاتھ لٹکے ہوئے۔ اس طرح کی اکثر احادیث جن میں رسولؐ اللہ کی نماز کا تفصیلی ذکر ہو، ان تمام میں حالتِ قیام ہاتھوں کا ذکر نہیں ملتا، ہاتھوں کا ذکر صرف ان مقامات پر کیا گیا ہے۔ جب ہاتھ عام حالت سے مختلف صورت میں ہوں۔

اس طرح کی احادیث کافی تعداد میں مختلف کتابوں میں مروی ہیں۔ جو براہ راست رسولؐ اللہ کی زبانِ مبارک سے یا صحابہ کرامؓ سے مروی ہیں۔ ان میں سے ایک حدیث رسولؐ اللہ کی زبانِ مبارک سے پیش کرنے کا شرف حاصل کیا گیا۔

ابی حمید ساعدیؓ کی اصولی فعلی حدیث :

کنز العمال کے حوالے سے جو حدیث پیش کی گئی، وہ رسولؐ اللہ کی قولی حدیث تھی۔ اب جامع ترمذی اور سنن ابوداؤد شریف سے ایک فعلی حدیث جس کا ذکر پچھلے صفحات پر متعدد مرتبہ اور خصوصاً حضرت سہل بن سعدؓ کی صحیح بخاری میں مروی روایت کے ضمن میں کیا، پیش کرتے ہیں۔

جس میں ایک صحابی دیگر دس (۱۰) صحابہ کرامؓ کی موجودگی میں رسولؐ اللہ کی نماز کا طریقہ بیان کر رہے ہیں۔ جس کی تصدیق محفل میں موجود ہر صحابی نے فرمائی۔ اس طرح یہ حدیث

---

[1] علامہ علی بن حسام الدین بن عبدالملک بن متقی الشافعی ہندیؒ کی کنز العمال جلد ۴۔ ص ۹۳

ایک نہیں بلکہ گیارہ (۱۱) حدیثوں کے برابر ہے۔ کیونکہ اس میں رسول اللہؐ کے جس عمل کا ذکر ہو رہا ہے اس کی تصدیق گیارہ (۱۱) صحابہ کرام فرما رہے ہیں۔ اس طرح اس عمل کے راوی گیارہ (۱۱) اصحابِ رسول ہوئے۔

علماء و محدثین کے نزدیک یہ حدیث انتہائی اہمیت کی حامل ہے، اور امام بن خزیمہؒ کے مطابق "یہ حدیث ایک اصولی بیان کی حیثیت رکھتی ہے" (صحیح ابن خزیمہ)

اس حدیث میں بھی دیگر باتوں کے علاوہ قابلِ غور بات ہاتھوں کی پوزیشن ہے۔ چونکہ یہ حدیث گیارہ حدیثوں کے برابر ہے، اس لئے ہم اس کا تفصیلی جائزہ لیں گے، یہ الفاظ ہیں سنن ابوداؤد کے، اور ترجمہ ممتاز عالم دین علامہ وحید الزماں صاحب کا ہے۔

حدثنا احمد بن حنبل نا ابوعاصم الضحاک بن مخلد ح و ثنا مسدد نا یحیٰی وھذا حدیث احمد قال انا عبدالحمید یعنی ابن جعفر اخبرنی محمد بن عمرو بن عطآء قال سمعت اباحمید الساعدی فی عشرۃ من اصحٰب رسول اللّٰہ ﷺ منھم ابوقتادۃ قال ابوحمید انا اعلمکم بصلٰوۃ رسول اللّٰہ ﷺ قالوا فلم فواللّٰہ ما کنت باکثرنا لہ تبعًا ولا اقدمنالہ صحبۃً قال بلٰی قالوا فاعرض قال کان رسول اللّٰہ ﷺ اذا قام الی الصلٰوۃ یرفع یدیہ حتٰی یحاذی بھما منکبیہ ثُمَّ کَبَّرَ حَتّٰی یَقِرَّ کُلُّ عَظْمٍ فِیْ مَوْضِعِہٖ مُعْتَدِلاً ثُمَّ یَقْرَأُ ثم یکبر فیرفع یدیہ حتی یحاذی بھما منکبیہ ثم یرکع ویضع راحتیہ علٰی رکبتیہ ثم یعتدل فلاینصب رأسہ ولایقنع ثم یرفع رأسہ فیقول سمع اللّٰہُ لمن حمدہ ثم یرفع یدیہ حتی یحاذی منکبیہ معتدلاً ثم یقول اللّٰہ اکبر ثم یھوی الی الارض فیجافی یدیہ عن جنبیہ ثم یرفع رأسہ ویثنی رجلہ الیسرٰی ویقعد علیھا ویفتح اصابع رجلیہ اذا سجد ثم یسجد ثم یقول اللّٰہ اکبر ویرفع ویثنی رجلہ الیسرٰی فیقعد علیھا حتی یرجع کل عظم الٰی موضعہٖ ثم یصنع فی الاخرٰی مثل ذٰلک ثم اذا قام من الرکعتین کبر ورفع یدیہ حتی یحاذی بھما منکبیہ کما کبر عند افتتاح الصلٰوۃ ثم یصنع ذٰلک فی بقیۃ صلاتہ حتی اذا کانت السجدۃ التی فیھا التسلیم اخر رجلہ

الیسرٰی وقعد متورکاً علٰی شقه الایسر قالوا صدقْت ھٰکَذَا کَانَ یُصَلِّیْ

ابوحمید ساعدیؓ سے روایت ہے کہ وہ دس صحابیوں میں بیٹھے ہوئے تھے، ان میں ابوقتادہؓ بھی تھے، ابوحمیدؓ نے کہا میں تم سب سے زیادہ رسولؐ اللہ کی نماز کو جانتا ہوں، ان لوگوں نے کہا کیونکر؟ قسم خدا کی تم ہم سے زیادہ رسولؐ اللہ کی پیروی نہیں کرتے تھے، نہ ہم سے پہلے آپ کی صحبت میں آئے تھے، ابوحمیدؓ نے کہا ہاں یہ ٹھیک ہے، ان لوگوں نے کہا اچھا بیان کرو۔ ابوحمیدؓ نے کہا رسولؐ اللہ جب نماز کو کھڑے ہوتے دونوں ہاتھ اُٹھاتے اپنے مونڈھوں (کاندھوں) تک پھر تکبیر کہتے، **جب ہر ایک ہڈی اپنے مقام پر آجاتی اعتدال سے تو آپؐ قرأت شروع کرتے** پھر تکبیر کہتے اور دونوں ہاتھ اُٹھاتے مونڈھوں تک پھر رکوع کرتے اور دونوں ہتھلیاں اپنے اپنے گھٹنوں پر رکھتے اور پیٹھ سیدھی کرتے، نہ جھکاتے نہ اُونچا رکھتے (سر کو پیٹھ کے برابر کرتے) پھر سر اُٹھاتے اور فرماتے **سمع اللّٰہ لمن حمدہ** پھر دونوں ہاتھ اُٹھاتے اپنے مونڈھوں تک سیدھے کھڑے ہوکر پھر اللہ اکبر کہتے اور زمین کی طرف جھکتے تو دونوں ہاتھوں کو اپنے پہلوؤں سے جدا رکھتے، پھر اُٹھاتے اپنا سر سجدے سے اور بائیں پاؤں کو بچھا کر اس پر بیٹھتے اور سجدہ کے وقت انگلیوں کو کھلا رکھتے، پھر دوسرا سجدہ کرتے اللہ اکبر کہہ کے پھر سر اُٹھاتے سجدے سے اور بائیں پیر کو بچھا کر اس پر بیٹھتے، اتنی دیر تک کہ ہر ہڈی اپنے ٹھکانے پر آجاتی۔ اور دوسری رکعت میں بھی ایسا ہی کرتے، پھر جب دو رکعتوں سے فارغ ہوکر کھڑے ہوتے اللہ اکبر کہتے اور دونوں ہاتھ اُٹھاتے مونڈھوں تک جیسا کہ شروع نماز کے وقت اُٹھاتے تھے، پھر باقی نماز میں ایسا ہی کرتے یہاں تک کہ جب آخری سجدے سے فارغ ہوتے جس کے بعد سلام ہوتا ہے، تو نکالتے بایاں پاؤں اپنا اور بیٹھتے بائیں کولہے پر۔ ان صحابہؓ نے یہ سن کر کہا تم نے صدقت ھٰکذا کان یصلیؐ سچ کہا، اسی طرح رسولؐ اللہ نماز پڑھتے تھے۔ [1]

---

[1] سنن ابوداؤد جلد اول۔ ص ۲۹۱ پارہ ۵۔ باب **افتتاح الصلوٰة**، حدیث ۷۲۵ طبع لاہور، جامع ترمذی جلد اول۔ ص ۱۷۴۔ **ابواب الصلوٰة۔ باب ماجآ فی وصف الصلوٰة** (یعنی پوری نماز کی ترکیب)، صحیح بخاری جلد اول۔ ص ۳۸۵ کتاب الصلوٰة۔ باب ۵۳۶ حدیث ۷۸۷ طبع لاہور وغیرہ

حدیث کا مختصر جائزہ :

سنن ابوداؤد کی مندرجہ بالا حدیث میں ایک صحابیؓ رسول اللہؐ کی نماز کا ہر ہر عمل دیگر دس صحابہؓ کے سامنے بیان کر رہے ہیں۔ رسول اللہؐ کی نماز کے ابتدائی حصے پر غور فرمائیں، ’’ **اذا قام الی الصلٰوۃ یرفع یدیہ حتّٰی یحاذی بھما منکبیہ ثُمّ کَبَّرَ حتّٰی یقِرَّ کُلُّ عَظْمٍ فِیْ مَوْضِعِہٖ مُعْتَدِلاً ثُمَّ یَقْرَأُ** ‘‘ ’’رسول اللہؐ جب نماز کو کھڑے ہوتے تو دونوں ہاتھ اُٹھاتے اپنے کاندھوں تک پھر تکبیر کہتے، **جب ہر ایک ہڈی اپنے مقام پر آجاتی اعتدال سے تو قرأت شروع کرتے**‘‘۔ یعنی رسول اللہؐ تکبیر تحریم کے بعد اپنے جسم کے اعضاء کو فطری حالت میں چھوڑ دیتے اور جب ہر ہڈی اپنے مقام پر آجاتی، پھر قرأت شروع کرتے۔ یہ عمل صاف نشاندھی کر رہا ہے کہ رسول اللہؐ تکبیر تحریم کے بعد ہاتھوں کو کُھلا چھوڑ دیتے، کیونکہ ہاتھوں کی فطری حالت یہی ہوتی ہے۔

اس حدیث کی اہمیت :

امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو حسن اور صحیح قرار دیا ہے۔ محدثین کے نزدیک اس حدیث کی اہمیت اس قدر زیادہ ہے کہ بقول امام ابن خزیمہؒ کے ’’یہ حدیث ایک اصولی تفصیلی بیان کی حیثیت رکھتی ہے‘‘۔ (صحیح ابن خزیمہ) اس حدیث کو ہر محدث نے اپنی اپنی کتابوں میں کہیں تفصیلی اور کہیں مختصراً نقل کیا ہے۔ امام بخاریؒ نے اپنی صحیح کی صرف جلد اول میں پانچ مقامات سے زیادہ نقل کیا ہے۔ اور امام مسلمؒ اور امام ابن خزیمہؒ نے بھی اپنی اپنی صحیح میں متعدد مقامات پر نقل کیا ہے۔ اسی طرح ہر محدث نے نقل کیا ہے۔

دس صحابہ کرامؓ کی تصدیق :

امام ابوداؤدؒ نے اس محفل میں موجود صحابہ کرامؓ میں سے کچھ کے نام تحریر کیے ہیں۔ ان میں حضرت ابوحمیدؓ اور ابوقتادہؓ کے علاوہ حضرت سہل بن سعدؓ، ابواسیدؓ، محمد بن مسلمؓ شامل تھے۔ اور امام ابن خزیمہؒ نے اپنی صحیح میں حضرت سہل بن سعدؓ، ابی حمیدؓ، محمد بن مسلمؓ، ابوہریرہؓ، اور ابوقتادہؓ کے

نام تحریر کیئے۔ دیگر کتابوں میں اس محفل میں موجود صحابہ کرامؓ کے نام یہ ملتے ہیں۔

۱۔ حضرت ابو ہریرہؓ ، ۲۔ سہل بن سعدؓ ۳۔ ابوقتادہؓ ، ۴۔ زیدؓ ، ۵۔ عبداللہ ابن عمرؓ ،
۶۔ ابوموسیٰؓ ، ۷۔ ابوسعیدؓ ، ۸۔ اُم المومنین حضرت عائشہؓ ، ۹۔ محمد بن مسلمؓ ،
۱۰۔ ابواسیدؓ، اور ۱۱۔ ابوحمید ساعدیؓ۔

اس حدیث کے راوی ابو عاصم نے عبدالحمید بن جعفر کے واسطہ سے محمد ابن عمرو سے روایت کیا ہے کہ سب صحابہ کرامؓ نے ابی حمید ساعدیؓ سے کہا **"صد قت ھکذا کان یصلیؐ"** "بے شک تو (ابی حمید) سچا ہے"۔ رسولؐ اللہ اسی طرح نماز پڑھا کرتے تھے۔ صحابہ کرام کا ابی حمیدؓ کی تصدیق میں **"کان یصلیؐ"** کہنا قابل غور ہے، جو دُوام اور ہیشگی پر دلالت کرتا ہے۔ یعنی رسولؐ اللہ نے ہمیشہ اسی طرح نماز پڑھی۔

یہ حدیث امام ابوداوٗد نے دو سندوں سے نقل کی ہے، پہلی سند میں امام حنبلؒ، ابو عاصم ضحاک بن مخلد، اور دوسری سند مُسَدَدُ ، یحیٰؒ، عبدالحمید بن جعفر، محمد بن عمرو بن عطاء، ابوحمید ساعدیؓ ہے۔ جو اس حدیث کی مزید تائید کرتی ہے۔

اس حدیث سے استدلال :

سنن ابوداوٗد اور جامع ترمذی میں حضرت ابی حمید ساعدیؓ کی اس حدیث نے کافی مسائل حل کر دیئے۔ اس محفل میں حضرت سہل بن سعدؓ کی موجودگی کو ذہن میں رکھیے جن سے ہاتھ باندھنے کی ایک روایت بیان ہوئی ہے۔ جس کا ذکر ہم نے صحیح بخاری کے حوالے سے پچھلے صفحات پر کیا۔

اس حدیث میں بھی دورانِ نماز رسولؐ اللہ کے ہر ہر عملِ مبارک کا ذکر کیا گیا۔ تکبیر میں ہاتھ شانوں تک اُٹھانے سے لے کر رکوع میں ہاتھوں کے پنجوں کا گھٹنوں پر رکھنے اور سجدے میں دونوں باہوں کا بغلوں سے جدا رکھنے تک کا ذکر ہے۔ اگر نہیں ہے، تو صرف حالتِ قیام ہاتھ باندھنے کا ذکر نہیں ہے؟ حالانکہ رکوع اور سجدے میں ہاتھوں کی پوزیشن سے زیادہ واضح، حالتِ قیام میں ہاتھ باندھنا ہے جس کیلیئے بہت زیادہ غور سے دیکھنے کی ضرورت بھی نہیں ہوتی۔ اور اس کا

دورانیہ بھی رکوع اور سجدے کے مقابلے میں طویل ہوتا ہے۔ اور سب سے زیادہ اہم بات یہ کہ نماز کے آغاز میں حضرت ابی حمیدؓ کا یہ فرمانا کہ جب ”رسولؐ اللہ نماز کیلئے کھڑے ہوتے تو تکبیر تحریم کے بعد جب ہر ہڈی اپنے مقام پر آجاتی اعتدال سے تو قرأت شروع کرتے“۔ اس بات کو آپ ذہن میں رکھیئے، کیونکہ اس کا جائزہ ہم آگے قرآن کی روشنی میں لیں گے۔

حضرت ابی حمیدؓ کی اس حدیث کو کنز العمال کی قولی حدیث سے ملایا جائے، تو کوئی واضح فرق نہیں ملتا۔ جس میں رسولؐ اللہ ایک صحابی کو نماز کے طریقے کی تعلیم فرما رہے تھے۔ اور ابی حمید ساعدیؓ کی حدیث رسولؐ اللہ کی فعلی حدیث ہے۔ جس میں ایک صحابی، رسولؐ اللہ کی نماز کے طریقے کو دیگر دس صحابہ کرامؓ کی موجودگی میں بیان کر رہے ہیں، اور ان کی بیان کردہ حدیث کی تصدیق اس محفل میں موجود تمام صحابہؓ نے کی۔ تصدیق کرنے والوں میں حضرت سہل بن سعدؓ بھی موجود ہیں۔ اگر ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنا فعلِ رسولؐ ہوتا، تو ان دس صحابہ، جیسا کہ حدیث کی ابتداء میں ذکر ہے کہ یہ لوگ ابی حمیدؓ سے زیادہ عرصے تک صحبت رسولؐ میں رہے، ان میں سے کسی کو اور خاص کر حضرت سہل بن سعدؓ کو تو کہنا چاہیئے تھا کہ اے ابی حمید! آپ نے قیام میں ہاتھ باندھنے کا ذکر نہیں کیا؟۔ اس کے علاوہ اس حدیث میں حضرت سہل بن سعدؓ کی تصدیق نے ہمارے اس استدلال کو ثابت کر دیا کہ صحیح بخاری کی حضرت سہلؓ کی روایت میں دورِ رسالتؐ کا ذکر نہیں ہو رہا، بلکہ جس زمانے کا ذکر ہے، اُس زمانے کا ذکر آگے آ رہا ہے۔

براہ راست ذکر کیوں نہیں؟۔

ان احادیث میں جن کو اب تک ہم نے آپ کے سامنے پیش کیا۔ ان میں ہاتھ کھول کر نماز پڑھنے کا براہ راست ذکر نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ دورِ رسالتؐ اور خلفائے راشدینؓ کے زمانے میں یہ ایک متفقہ عمل تھا۔ اس دور کی روایات میں ان حرکات وسکنات کا ذکر وضاحت سے مل جاتا ہے، جو عام (فطری) حالت سے مختلف ہوں۔ اور وہ عمل جن میں اعضاء جسمانی اپنے معمول یا عام فطری حالت کے مطابق ہوں، ان کا ذکر کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی جاتی تھی۔ مثلاً کسی شخص کو سیدھا کھڑا ہونے کو کہا جائے، تو اس کا مطلب ہے کہ فطری حالت میں جس طرح کوئی شخص کھڑا

ہوتا ہے، اسی طرح وہ شخص بھی کھڑا ہو، تو آپ دیکھیں گے کہ اس کا سینہ، پاؤں وغیرہ اسی رخ ہونگے جس طرف اس کا چہرہ ہوگا۔ اور اس کے ساتھ ساتھ ہاتھ بھی فطری انداز میں لٹکے ہوئے ہوں گے۔ لیکن اگر ہاتھوں کو کسی خاص مقام پر رکھوانا ہو، جو فطری حالت سے ہٹ کر ہے، تو اس کا ذکر کرنا ضروری ہو جائے گا۔ اس مثال کے بعد اب حضرت ابی حمیدؓ کی حدیث کے الفاظ پر غور فرمائیں ’’جب ہر ہڈی اپنے مقام پر آجاتی اعتدال سے تو قرأت شروع کرتے‘‘۔ یعنی رسولؐ اللہ قرأت سیدھے کھڑے ہوکر شروع کرتے۔ ان الفاظ نے تمام فطری حالتوں کا ذکر کر دیا جیسے ایک انسان سیدھا کھڑا ہوتا ہے۔ حدیث کے بعد اب اس حکمِ الٰہی کے الفاظ پر غور فرمائیں

وَاَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ

یعنی ہر نماز کے وقت اپنے اپنے چہروں کو (قبلہ کی جانب) سیدھا کر لیا کرو۔

اور اسی کیلئے نری کھری عبادت کر کے اس سے دعا مانگو۔

سورۂ اعراف ۷ آیت ۲۹

اب اس آیہ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے بندوں کو نماز کے وقت اپنے اپنے چہروں کو قبلہ رخ رکھنے کا حکم فرمایا ہے اور باقی کسی اعضاءِ جسمانی کا ذکر نہیں کیا۔ اس کا واضح مطلب یہی ہے کہ بندہ نماز میں اپنے چہرے کو قبلہ کی جانب کرلے اور باقی اعضاءِ جسمانی کو اُن کی فطری حالت کے مطابق رہنے دے، اگر اللہ کا مقصد دورانِ نماز ہاتھوں کو کسی مقام پر رکھوانا ہوتا، تو اس کا ذکر ضرور کیا جاتا۔ ذکر نہ کرنا اس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ اللہ تعالیٰ دورانِ نماز ہاتھوں کی پوزیشن فطرت کے عین مطابق رکھوانا چاہتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ کھلے ہاتھ نماز پڑھنا کسی ثبوت کا محتاج نہیں ہے۔ دنیا میں آتے، دنیا سے جاتے، اٹھتے، بیٹھتے، سوتے جاگتے غرض ہر حالت میں فطرتاً ہر انسان کے ہاتھ کھلے ہوتے ہیں، اور اسلام دینِ فطرت ہے۔ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا (سورۂ روم ۳۰ آیت ۳۰)
اب اگر اللہ تعالیٰ اس فطری حالت میں کوئی تبدیلی چاہتا، تو وہ حکم دیتا کہ ہاتھ باندھ کر نماز پڑھو۔ لیکن جب اس نے ایسا کوئی حکم قرآن میں نہیں دیا، تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ پروردگارِ عالم اس فطری حالت کے مطابق اپنی عبادت کروانا چاہتا ہے۔

اب ہم جن احادیث وروایات کو پیش کریں گے۔ ان کو پڑھنے کے ساتھ ساتھ ذہن میں سوال پیدا ہوگا کہ اگر اعضائے جسمانی کی فطری حالت میں رہنے کے ذکر کی ضرورت نہیں ہوتی، تو رسولؐ اللہ اور صحابہ کرامؓ واہل بیتؑ اور تابعینؒ کے ہاتھ کھول کر نماز پڑھنے کا ذکر روایات میں کیوں ملتا ہے؟۔ اس کا جواب بہت آسانی سے مل جاتا ہے کہ جن روایات میں ہاتھ کھول کر نماز کی ادائیگی مذکور ہے۔ ان کا تعلق اُس زمانے کے بعد سے ہے، جب اس متفقہ سنت کو تبدیل کیا گیا۔ اس تبدیلی کی بدولت ان اعضاءِ جسمانی کی فطری حالتوں کا ذکر کرنا بھی ضروری ہوگیا، جن کا ذکر پہلے متفقہ ہونے کی وجہ سے غیر ضروری سمجھا جاتا تھا۔

دیگر فعلی احادیث :

جید حنفی عالم حضرت علامہ عبدالحیٔ حنفیؒ اپنی کتاب میں امام طبرانیؒ کی کتاب کے حوالے سے نقل فرماتے ہیں۔

عن معاذ ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کان اذا قام فی الصلوٰۃ رفع یدیہ قبال اذنیہ فاذ اکبرار سلھما رواہ الطبرانی۔

حضرت معاذؓ سے روایت ہے کہ جب رسولؐ اللہ نماز پڑھنے کیلئے کھڑے ہوتے، تو تکبیر کہتے وقت کانوں تک ہاتھ بلند کرتے۔ اور پھر ان کو کھلا چھوڑ دیتے۔ [۱]

دوسری حدیث : علامہ احمد بن یحییٰ (متوفی ۸۴۰ھ) یہ حدیث نقل کرتے ہیں۔

عن عائشةؓ قالت : کان رسول اللّٰہ ﷺ یرفع یدیہ قبل النطق بالتکبیر و الافتتاح ثم یرسلھا.

اُم المومنین حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسولؐ اللہ تکبیر تحریم کیلئے ہاتھ اُٹھاتے تھے، پھر کُھلے چھوڑ دیتے تھے۔ [۲]

---

[۱] فتاویٰ شیخ عبدالحئی حنفی جلد اول۔ ص ۳۲۶ طبع اول۔ بحوالہ طبرانی ، ابن حجر عسقلانی کی تلخیص الجبیر فی تخریج احادیث رافعی الکبیر۔ کتاب الصلوٰۃ۔ ص ۲۲۴

[۲] البحر الزخار الجامع المذاھب، جلد اول۔ ص ۲۴۰ باب ارکان الصلوٰۃ۔ طبع مصر

تیسری حدیث :

سہروری مسلک کے بانی شیخ شہاب الدین "**عوارف المعارف**" میں لکھتے ہیں۔

ولهٰذا كان النبى صلى الله عليه وسلم يسيل يديه فى الصلوٰة.

اور اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں ہاتھ کھلے رکھتے تھے۔

صحابہ کرامؓ و تابعینؒ کا عمل :

ابن منذرؒ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ، حسن بصریؒ اور نخعیؒ ہاتھ کھول کر نماز پڑھتے تھے۔ [1]

أن عمر بن الخطاب يقتل القملة فى الصلوة حتىٰ يظهر و مها علےٰ يده ــ

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ دورانِ نماز جوئیں مارا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ جوؤں کا خون آپؓ کے ہاتھ میں بھر جاتا۔ [2]

ظاہر ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ کا جوئیں مارنے کا عمل تب ہی ممکن ہے۔ جب دورانِ نماز ہاتھ کھلے ہوئے ہوں۔

علامہ شوکانیؒ نے امام ابوبکر ابن شیبہؒ کی کتاب کے حوالے سے حضرت حسن بصریؒ، ابراہیم نخعیؒ، ابن مسیّبؒ، امام ابن سیرینؒ اور سعد بن جبیرؒ کے ہاتھ کھول کر نماز پڑھنے کی روایت کی ہے۔ [3]

امام ابوبکر ابن شیبہؒ نے اپنی مشہور کتاب "**المصنف**" میں ایک پورا باب ہاتھ کھول کر نماز کی ادائیگی کا قائم کیا ہے۔ "**من كان يرسل يديه فى الصلوٰة**" جس میں تحریر کرتے ہیں

---

[1] علامہ شوکانی کی نیل الاوطار جلد ۲۔ ص ۷۶

[2] علامہ علی بن حسام الدین شافعیؒ کی کنز العمال جلد ۴۔ ص ۲۳۴ طبع مصر

[3] نیل الاوطار جلد ۲۔ ص ۷۶

۱۔ **حدثنا هيثم عن يونس عن الحسن و مصره عن ابراهيم انهما كان يرسلان ايديهما فى الصلوة۔**

بیان کیا ہیثم نے یونس سے، وہ حسن اور مصرہ سے اور وہ ابراہیم سے روایت کرتے ہیں کہ دونوں ہاتھ کھول کر نماز پڑھتے تھے۔ [1]

۲۔ **حدثنا عفان ثنا يزيد بن ابراهيم سمعت عمرو بن دينار كان ابن الزبير اذا صلے يرسل يديه۔**

بیان کیا عفان نے یزید بن ابراہیم سے، انہوں نے سنا عمرو بن دینارؒ سے کہ حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ بھی ہاتھ کھول کر نماز پڑھا کرتے تھے۔ [2]

۳۔ **عن ابن سيرين انه سئل عن الرجل يمسك يمينه بشمالا قال انما فعل ذلك من اجل الدم۔**

امام ابن سیرینؒ سے سوال کیا گیا۔ اس شخص کے بارے میں جو اپنے دائیں ہاتھ سے بائیں کو پکڑتا ہے۔ تو فرمایا: یہ نہ کرے، مگر بہ سبب خون کے۔ (یعنی خون بہے رہا ہو تو مجبوراً کرلے، ورنہ نہیں) [3]

۴۔ **قال عبدالله ما رايت ابن المسيب قابضا يمينه فى الصلوٰة كان يرسلهما۔**

عبداللہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت ابن مسیّبؒ کو کبھی ہاتھ پکڑے ہوئے نہیں دیکھا، وہ دونوں ہاتھ کھول کر نماز پڑھتے تھے۔ [4]

۵۔ عبداللہ روایت کرتے ہیں کہ میں ایک دفعہ حضرت سعید بن جبیرؒ کے ساتھ طواف کر رہا تھا۔ ایک شخص کو انہوں نے دیکھا کہ داہناں ہاتھ بائیں پر رکھے نماز پڑھ رہا ہے، تو وہ (ابن جبیرؒ) گئے، اور اُس کے دونوں ہاتھوں کو جدا کر دیا پھر واپس آئے۔ [5]

---

[1] تا [5] امام ابوبکر ابن شیبہؒ کی کتاب المصنف۔ ص ۲۳۶ ، ۲۳۷ طبع مصر

کان عبداللّٰہ ابن زبیر اذا صلے یرسل یدیہ

حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ ہاتھ کھول کر نماز پڑھتے تھے۔ [۱]

حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ کے ہاتھ کھول کر نماز پڑھنے کی بہت زیادہ روایات کتابوں میں مروی ہیں۔ واضح رہے کہ یزید بن معاویہ کے زمانے میں انہوں نے مکہ معظّمہ میں اپنی حکومت قائم کرلی تھی۔ اور یہ حکومت تقریباً دس سال قائم رہی۔ اور اس عرصے میں خانہ کعبہ میں نماز کی امامت حضرت ابن زبیرؓ کرتے رہے۔ اور مکہ میں مقیم صحابہ وتابعین ان کے پیچھے ہاتھ کھول کر نماز پڑھتے رہے۔ اُس زمانے میں بھی صحابہ کرامؓ کی اچھی خاصی تعداد مکہ میں مقیم تھی۔ ان میں سے کسی نے حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ کے اس عمل پر اعتراض نہیں کیا۔ کیونکہ مکہ اور جزیرہ نما عرب کے دیگر علاقوں میں یہ عمل اس وقت تک متفقہ تھا۔

فقال ان احببت ان تنظر الٰی صلٰوۃ رسول اللہ ﷺ فاقتد
بصلٰوۃ عبد اللّٰہ بن الزبیر۔

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ نے فرمایا: اگر تم رسولؐ اللہ کی نماز دیکھنا چاہتے ہو،
تو عبداللہ بن زبیرؓ کی نماز کی پیروی کرو۔ [۲]

ان روایات کے علاوہ مختلف کتابوں میں حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ، عمران بن حصینؓ، ابوسعید خدریؓ، زید بن ارقمؓ، حجر بن عدیؓ، سلیم بن قیسؓ، مالک بن اشترؓ، عدی بن حاتمؓ وغیرہ کی ہاتھ کھول کر نماز پڑھنے کی کافی راویات مرقوم ہیں۔ یہ صحابہ کرامؓ خلفائے راشدینؓ کے دور کے بعد کافی عرصے زندہ رہے۔ کیونکہ ان صحابہ کرامؓ کی زندگیوں میں ہی یہ متفقہ عمل اختلاف کا باعث بنا۔ اس لئے ان کے اس عمل کا ذکر کافی روایات میں مل جاتا ہے۔ ان صحابہ کے علاوہ تابعین کی ایک بہت بڑی تعداد اس پر عمل پیرا تھی۔ اپنے موضوع کو مختصر کرتے ہوئے ہم صرف ان تابعین وتبع تابعین کے ناموں کا ذکر کیے دیتے ہیں۔ کیونکہ ان روایات کا فرداً فرداً ذکر یہاں ممکن نہیں۔

---

[۱] مولانا معین الدین کی **دراسات اللبیب**۔ ص ۳۴۰

[۲] سنن ابوداؤد جلد اول۔ ص ۲۹۵۔ پارہ ۵، باب **افتتاح الصلوٰۃ**۔ حدیث ۷۳۴ طبع لاہور

تابعین عظامؒ :

حضرت علقمہ بن قیس بن عبداللہؒ، سعید بن المسیبؒ، عروہ بن زبیرؒ، محمد بن ابوبکر صدیقؒ، عمرو بن دینارؒ، ابراہیم نخعیؒ، سلمان بن یسارؒ، سعید بن جبیرؒ، حبیب بن ابی ثابتؒ، حکم بن عتیبہؒ، یحییٰ بن سعید القطانؒ، ابراہیم بن مالکؒ، علی بن زید جدعانؒ، عبداللہ بن متیؒ، سلیمان بن مہرانؒ، محمد بن سیرینؒ، ابان بن تغلبؒ، ابراہیم بن عمروؒ، حارث بن عبداللہؒ، علی بن صالحؒ، یحییٰ بن جزارؒ وغیرہ۔

یہ تابعین عظام وہ ہیں جن کی حالتِ قیام ہاتھ کھول کر نماز کی ادائیگی کی روایات مختلف کتابوں میں مروی ہیں۔ جن کو ہم تلاش کر سکے ان کے علاوہ کتنے اور تابعین اس پر عمل پیرا تھے جن کی روایات دیگر کتابوں میں مروی ہیں، اس کا ہمیں علم نہیں۔

تبع تابعینؒ :

حضرت اسمائیل بن ابانؒ، اسمائیل بن خلیفہؒ، اسمائیل بن ذکریاؒ، اسمائیل بن عبدالرحمٰنؒ، تلید بن سلیمانؒ، ثابت بن دینارؒ، جابر بن یزیدؒ، جعفر بن زیادؒ، حبیب بن ابی ثابتؒ، حسن بن صالحؒ، زبید بن حارثؒ، سلمہ بن کہیلؒ، عبدالرزاق بن ہمامؒ، محمد بن حازمؒ وغیرہ۔

ان حضرات کی روایات قدیم کتابوں میں مرقوم ہیں۔ جبکہ اہل تشیع کی مختلف کتابوں میں اہل بیت، صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین کے ہاتھ کھول کر نماز پڑھنے کی روایات ان سے کہیں زیادہ ہیں، جن کا ذکر ہم نے نہیں کیا۔

ائمہ اربعہؒ کا قول و عمل :

آیئے اب ہم ائمہ اربعہؒ کے قول و عمل کا جائزہ لیتے ہیں، کہ وہ اس سلسلے میں کیا ہے۔

۱۔ امام احمد بن حنبلؒ، امام اوزاعیؒ اور ابن منذرؒ فرماتے ہیں کہ نمازی کو اختیار ہے کہ ہاتھ چھوڑ کر، یا ہاتھ باندھ کر، جیسا چاہے کرے۔ [۱]

---

[۱] شرح مسلم امام نووی جلد ۲۔ ص ۲۸ طبع لاہور ، امام شوکانیؒ کی نیل الاوطار جلد ۲۔ ص ۷۹ طبع مصر

۲۔ علامہ عبدالوہاب شعرانیؒ اپنی کتاب میں لکھتے ہیں۔ **فی روایت عن مالک و ھے المشھورہ انہ اذا صلے یرسل ید ہ** ۔ یعنی امام مالکؒ سے روایت ہے، اور یہی مشہور ہے کہ وہ ہاتھ کھول کر نماز پڑھتے تھے۔ ۱؎

۳۔ علامہ زرقانیؒ نے شرح موطا مالک میں لکھتے ہیں: **روایۃ ابن القاسم عن مالک الارسال مصار الیہ اکثر اصحابہ** ۔ ابن قاسم نے امام مالکؒ سے ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھنا روایت کیا ہے ۔ اور امام مالکؒ کے اکثر اصحاب کا بھی یہی مذہب ہے۔ ۲؎

۴۔ شاہ عبدالعزیزؒ محدث دہلوی کے شاگرد علامہ محمد معین تحریر فرماتے ہیں۔

ان اجتماع اھل المدینہ المطھرۃ حجۃ حتے انہ عولت علما مذ ھیہ فی ارسال الیدین حالۃ القیام فی الصلوۃ علے اھلھا ـــــ ۔ مدینہ منورہ کے مسلمانوں کا اجماع حجت ہے ۔ یہاں تک کہ علماء نے حالتِ قیام میں ہاتھ کھول کر نماز پڑھنے کا حکم اسی وجہ سے دیا ہے کہ مدینہ کے مسلمانوں کا یہی عمل تھا۔ عبارت کے آخر میں تحریر فرماتے ہیں: **کان ابن زبیر اذا صلے یرسل یدیہ** ۔ یعنی عبداللہ ابن زبیرؓ ہاتھ کھول کر نماز پڑھتے تھے۔ ۳؎

۵۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے فتح الباری میں اور علامہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی شرح میں تحریر کرتے ہیں۔ ''امام مالکؒ کا مذہب ہے کہ ہاتھ کھول کر نماز پڑھے''۔ ۴؎

ائمہ اہل بیتؓ کا قول وعمل :

قولِ رسولؐ اور فعلِ رسولؐ کے سلسلے میں صحابہ کرامؓ کی روایات کے علاوہ صحابہ کرام،

۱؎ رحمۃ الامہ فی اختلاف الآئمہ۔ ص ۳۸

۲؎ شرح موطا مالک زرقانی۔ ص ۱۲۸

۳؎ علامہ محمد معین کی دراسات اللبیب۔ ص ۲۴۰

۴؎ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کی شرح سفر اسعادۃ۔ ص ۶۰

تابعین عظامؒ و تبع تابعینؒ اور ائمہ اربعہؒ کے عمل کا جائزہ لینے کے بعد، اب ہم ائمہ اہل بیت کے قول و عمل کا جائزہ لیتے ہیں کہ وہ اس سلسلے میں کیا ہے۔

ائمہ اہل بیتؑ سے بھی ہاتھ کھول کر نماز کی ادائیگی کی روایات کافی تعداد میں کتابوں میں موجود ہیں۔

> زرارہ سے روایت ہے کہ ائمہ اہل بیت کے پانچوں امام محمد باقر بن علی بن حسینؒ نے فرمایا'' جب نماز کیلئے کھڑے ہو، تو ایک قدم کو دوسرے سے نہ ملاؤ۔ اور ان کے درمیان فاصلہ دو، کم از کم ایک بالشت کا، اور اپنے کندھے سیدھے برابر رکھو۔ اور اپنے دونوں ہاتھ کھلے چھوڑ دو۔ اور اپنی انگلیاں مت کھولو اور دونوں ہاتھ اپنی رانوں پر رکھو، مقابل اپنے دونوں گھٹنوں کے اور تمہاری نظر سجدہ گاہ پر ہو۔ [1]

آگ پرستوں کا عمل :

> امام محمد باقرؒ نے فرمایا: جب نماز کیلئے کھڑے ہو، تو داہنے ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر نہ رکھو، کیونکہ یہ فعلِ مجوس (آگ پرست) ہے۔ [2]

امام محمد باقرؒ کے نزدیک نماز میں ہاتھ باندھنا آگ کی پرستش کرنے والے قدیم پارسیوں کا شعار (طریقہ) ہے۔ اور رسول اللہؐ کی حدیث ہے۔ ''**من تشبه بقوم فهو منهم**''۔ جو شخص کسی قوم کا شعار اپنائے گا ...وہ (روزِ قیامت) انہی میں شمار ہوگا۔

علامہ وحید الزماں کا اعتراف کرتے ہیں۔

اہل حدیث مکتب فکر کے جید عالم علامہ وحید الزماں اپنی کتاب میں تحریر فرماتے ہیں۔

''**فمن جعل الارسال من شعائر الروافض فقد اخطاء**'' ۔یعنی جس نے ہاتھ کھول کر نماز پڑھنے کو، رافضیوں (شیعوں) کا طریقہ قرار دیا۔ اس نے خطاء کی''۔ [3]

---

[1] فروع کافی جلد۲ کتاب **الصلوة** ۔ص۹۹ طبع کراچی [2] فروع کافی جلد۲ کتاب الصلوۃ۔ص۵۰

[3] علامہ وحید الزماں کی ھدیۃ الھدی جلد۳۔ص۱۲۶

شاہ اسمٰعیل شہیدؒ اعتراف کرتے ہیں :

حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ اپنی کتاب میں تحریر فرماتے ہیں۔

"حکم تو ہاتھ کھولنے ہی کا ہے۔ ساتھ ہی یہ کہ یہی حکم زمانہ رسالتؐ میں مشہور تھا۔ اور اسی پر قرنِ آخر (بعد کے) علماء کی اکثریت نے اتفاق رکھا۔ اور ان شہروں میں یہ فعل (ہاتھ کھولنا) رافضیوں (شیعوں) سے مشابہ ہونے کی وجہ سے، مذہبِ حنفیہ کے پیروکاروں نے چھوڑ دیا۔ پس اس فعل پر باقی نہ رہے۔ سوائے شیعہ"۔ ۱؎

حضرت شاہ صاحب نے ایک پیراگراف میں اعتراف کرکے ہمارے پورے باب کا نچوڑ پیش کر دیا۔ اور ہمارے لئے آگے کچھ کہنے کی گنجائش ہی نہیں چھوڑی۔ بقول شاہ صاحب کے اصل حکم تو دورانِ نماز ہاتھ کھولنے کا ہی تھا، لیکن شیعوں سے مشابہ ہونے کی بناء پر اسے ترک کر دیا گیا۔ یعنی شیعوں ، اور اپنے اعمال میں فرق پیدا کرنے کیلئے حکم الٰہی اور سنت رسولؐ کو ترک کر دیا گیا۔ حالانکہ قرآن مجید ہمیں تاکید کرتا ہے کہ

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ز وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓی اَلَّا تَعْدِلُوْا ط اِعْدِلُوْا قف هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی ز وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ط اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ☆

اے ایمان والو! اللہ کی خاطر راستی پر قائم رہنے والے اور انصاف کی گواہی دینے والے بنو۔ کسی گروہ کی عداوت تم کو اس جرم میں نہ پھنسوا دے کہ تم ناانصافی کرنے لگو۔ عدل کرو، یہی تقویٰ سے بہت قریب ہے۔ اللہ سے ڈرو کیونکہ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اسے جانتا ہے۔ سورۃ المائدہ ۵ آیت ۸

کسی مسلک کی دشمنی میں ہمیں بہرحال اتنا آگے نہیں بڑھنا چاہئے کہ حکم الٰہی اور سنت رسولؐ کو ترک کرنا پڑے۔ اسلام ہمیں میانہ روی کا درس دیتا ہے۔ انتہا پسندی کا نہیں۔ اس انتہا

۱؎ حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کی تنویر العینین ۔ ص ۲۱

پسندی نے کسی اور کا نقصان نہیں کیا، البتہ ہم نے خود اپنی نمازوں کا نقصان ضرور کرلیا۔ جو حکم الٰہی اور سنت رسولؐ کو ترک کرنے کے باعث ہوا۔

محدثین کا اصول :

ہاتھ کھول کر نماز کی ادائیگی کے بارے میں روایات کی اس قدر فراوانی ہے کہ یہاں تمام کا ذکر ممکن نہیں تھا۔ اس لئے ہم نے چند پر اکتفا کیا، تا کہ بات واضح ہو سکے۔ ان روایات کی فراوانی اس بات کا منہ بولتا ثبوت ہے کہ ہاتھ کھول کر نماز پڑھنا ہی دورِ رسالتؐ اور اس کے بعد تک رائج رہا۔ محدثین کا ایک اصول رہا ہے کہ جب کسی بات پر روایات کافی ہوں، تو اس کی صداقت قابل توجہ ہوتی ہے۔ محدثین کے اصول کے مطابق کسی غلط بات پر اتنے راوی متفق نہیں ہو سکتے۔ اگر اس اصول سے ہاتھ باندھنے والی روایات کو دیکھیں، تو ان کی قلت اور ان کے غیر معروف اور ضعیف راوی، ان روایات کے غلط ہونے کی نشاندھی کر رہے ہیں۔ جبکہ ہاتھ کھول کر نماز پڑھنے کی روایات کی تعداد، اور اس کے راوی اس کی تقویت کیلئے کافی ہیں۔

تبدیلی کیسے ہوئی ؟۔

حکم الٰہی، احادیث و روایات اور اپنے مسالک کے جلیل القدر علماء کے اعترافات کا جائزہ لینے کے بعد یہ بات واضح ہوگئی، کہ حکم الٰہی، اور اس کے مطابق رسول اللہؐ و اہل بیتؑ اور صحابہ کرامؓ، تابعینؒ اور تبع تابعینؒ سے ہاتھ کھول کر نماز پڑھنے کی روایات متواتر ہیں۔ دورِ رسالتمآبؐ میں اور اس کے بعد خلفائے راشدینؓ کے زمانے میں ہاتھ کھول کر نماز پڑھنا ایک متفقہ عمل تھا۔

تو پھر اس عمل میں تبدیلی کب اور کیسے آئی ؟۔

آیئے ہم اپنی تحقیق کا دائرہ وسیع کرتے ہوئے، تاریخ میں تلاش کرتے ہیں کہ یہ تبدیلی کیسے وجود میں آئی ؟۔

تاریخ بیان کرتی ہے

اس واقعہ کو ہر مورخ نے اپنی کتاب میں نقل کیا ہے۔ یہ الفاظ ہیں تاریخ طبری کے

> ''حضرت عمر بن خطابؓ اپنے دورِ خلافت میں جب ملک شام میں آئے۔ جہاں کے گورنر معاویہ بن ابوسفیان تھے، تو معاویہ نے خشم وحذم (شان وشوکت) کے ساتھ ان سے ملاقات کی۔ اور اس طرح شان وشوکت کے ساتھ ان کے پاس گئے کہ حضرت عمرؓ نے کہا: اے معاویہ! تو شام کو بھی شان وشوکت سے پھرتا ہے، اور صبح کو بھی ایسا ہی شان وشوکت ساتھ لیکر نکلتا ہے، اور یہ بھی میں نے سنا ہے کہ تو گھر میں ہوتا ہے، اور حاجت مند تیرے دروازے ہی پر رہتے ہیں۔ معاویہ نے کہا: امیر المومنین دشمن (سلطنت روم) یہاں سے بہت قریب ہے۔ اس کے جاسوس ومخبر بہت ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ وہ شوکت اسلام کو دیکھیں۔ حضرت عمرؓ نے کہا: یہ تو ایک عاقلانہ دلیل ہے۔ معاویہ نے کہا: امیر المومنین آپ جیسا فرمائیں، میں اسی حکم کو بجا لاؤں۔ حضرت عمرؓ نے کہا: اس بات میں نہ میں حکم دیتا ہوں، نہ منع کرتا ہوں''۔ [۱]

امیر المومنین حضرت عمر بن خطابؓ لوگوں سے کہا کرتے تھے کہ'' قیصر وکسریٰ کے عیار و پُرفن ہونے کو تم کیا کہتے ہو؟ تمہارے یہاں بھی معاویہ موجود ہے''۔ [۲]

حضرت معاویہ شان وشوکت کے پہلے ہی شوقین تھے۔ جب خلفائے راشدینؓ کے بعد حضرت معاویہ برسرِ اقتدار آئے، تو اپنے دل کے تمام ارمان نکالنے پر مختارِ کُل ہو گئے۔

اسلام میں ملوکیت (بادشاہت) کا آغاز ان ہی کے دور سے ہوا۔ [۳]

---

[۱] تاریخ طبری جلد۴۔ص ۱۵۷ طبع کراچی ، تاریخ ابن خلدون جلد۲۔ص ۲۶۷ طبع کراچی ، تاریخ کامل ابن اثیر جلد۳۔ص ۱۲۵ طبع مصر، تاریخ اعثم کوفی جلد۲۔ص ۳۳۸ وغیرہ

[۲] تاریخ طبری جلد۴۔ص ۱۵۶ ، کامل ابن اثیر جلد۳۔ص ۱۲۶ ، تاریخ اعثم کوفی جلد۲۔ ۳۳۹

[۳] تاریخ طبری جلد۴۔ص ۱۶۰ ، تاریخ کامل ابن اثیر جلد۳۔ص ۱۳۹ ، تاریخ اعثم کوفی جلد۲۔ص ۳۷۶ ، علامہ سیوطیؒ کی تاریخ الخلفاء وغیرہ

ملوکیت کے آغاز نے عرب معاشرے پر بہت منفی اثرات مرتب کیے۔ پہلے خلفاء کی رہائش عام آبادی کے درمیان ہونے کی وجہ سے اُن کا رابطہ عام لوگوں سے براہ راست تھا۔ ملوکیت کے آغاز میں بادشاہ محلوں میں آباد ہو گئے۔ محلوں کے انتظام وحفاظت پر دربان رکھے جانے لگے۔ مسلمان معاشرے میں حضرت معاویہ پہلے حکمران ہیں، جنہوں نے دربان مقرر کیے۔ [1]

جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ عام لوگوں کی رسائی بادشاہ تک مشکل ہو گئی۔ بادشاہ کی محلوں میں منتقلی کے ساتھ ہی دربار جو پہلے مسجدوں میں منعقد ہوتے تھے، اب محلوں میں منتقل ہو گئے۔ اب دربار میں داخلہ صرف خاص لوگوں تک محدود ہو گیا۔ پہلے خلفاء کے غلط فیصلوں سے اختلاف کیا جاسکتا تھا۔ لیکن اب اختلاف بہت بڑا جرم بن گیا۔

اس دور کا نقشہ مولانا مودودی بیان کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں

> ’’دورِ ملوکیت میں ضمیروں پر قفل چڑھا دیئے گئے۔ اور زبانیں بند کر دی گئیں۔ اب قاعدہ یہ ہو گیا کہ منہ کھولو، تو تعریف کیلئے کھولو، ورنہ چپ رہو۔ اور اگر تمہارا ضمیر ایسا ہی زوردار ہے کہ تم حق گوئی سے باز نہیں رہ سکتے، تو قید اور قتل اور کوڑوں کی مار کیلئے تیار ہو جاؤ۔ چنانچہ جو لوگ بھی اس دور میں حق بولنے اور غلط کاریوں پر ٹوکنے سے باز نہ آئے، ان کو بدترین سزائیں دی گئیں تاکہ پوری قوم دہشت زدہ ہو جائے‘‘۔ [2]

اب دربار تک رسائی اور کوئی مقام حاصل کرنے کا صرف ایک ہی طریقہ تھا اور وہ بادشاہ اور اس کے خاندان کی خوشامد، خوشامدیوں کا گروہ جو حضرت معاویہ کی گورنری کے زمانے میں بھی موجود تھا، وہ اور وسیع ہو گیا۔

معاشرے کی تمام رسومات ملوکیت کے مطابق ڈھالی جانے لگیں۔ اور دربار کے تمام آداب روم و فارس کے بادشاہوں کے دربار کی دیکھا دیکھی مرتب ہونے لگے۔ (خلافت و ملوکیت۔ ص۱۶۰) رفتہ رفتہ درباریوں نے وہی طریقے اختیار کر لئے جو قیصر روم و فارس کے درباری

---

[1] تاریخ طبری جلد۴۔ ص۱۵۶ طبع کراچی ، علامہ سیوطیؒ کی تاریخ الخلفاء وغیرہ

[2] مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کی خلافت وملوکیت۔ ص۱۶۳ طبع لاہور

اختیار کیے ہوئے تھے، نشست و برخاست ان کے طریقوں کے مطابق ہونے لگی۔ اب بادشاہِ وقت کے سامنے درباری ہاتھ باندھ کر کھڑے ہونے لگے۔ جب یہ رسم رواج پا گئی تو درباری علماء نے یہ سوچنا (قیاس کرنا) شروع کیا کہ جب دنیاوی بادشاہ کے سامنے ہاتھ باندھنا وجہ تعظیم ہے، تو جو اس پوری کائنات کا بادشاہ ہے اس کے حضور ہاتھ کھلے جانا بے ادبی ہے۔ درباری علماء کی اختراع (قیاس) کے بعد رفتہ رفتہ نماز اور دیگر مذہبی رسوم میں ہاتھ باندھے جانے لگے۔ اور لوگوں کو دورانِ نماز ہاتھ باندھنے پر مجبور کیا جانے لگا۔ یہی وہ زمانہ ہے، جس کا ذکر صحیح بخاری شریف میں حضرت سہل بن سعدؓ کی روایت میں ہو رہا ہے۔ کیونکہ سہل بن سعدؓ ان صحابہ میں سے ایک ہیں جو اس زمانے کے بعد تک زندہ رہے۔ آپ کا انتقال ۹۱ھ میں ہوا، جبکہ حضرت معاویہ کا دورِ حکومت ۴۱ھ تا ۶۰ھ تھا۔

صحیح بخاری کی حدیث تصدیق کرتی ہے

عن سهل بن سعد قال كان ناس يومرون ان يضع الرجل اليد اليمنى
على ذراعه اليسرى فى الصلوة ــــــــ

حضرت سہل بن سعدؓ نے فرمایا: لوگوں کو حکم دیا جاتا تھا کہ اپنے دائیں ہاتھ کو نماز میں اپنی
بائیں کلائی پر رکھیں ـــــــــ [1]

درباری علماء کی اختراع (قیاس) کو رسول اللہ سے منسوب کرکے لوگوں کو ہاتھ باندھنے کا حکم دیا جاتا تھا۔ جس کی تصدیق اس حدیث کے راوی ابی حازم بن دینار کے الفاظ کرتے ہیں۔

"لا اعلمه الا ينمى ذلك الى النبی ﷺ"۔

"مجھے تو یہی معلوم ہے کہ اسے نبی کریمؐ کی طرف مرفوع (منسوب) کیا جاتا ہے"۔

حضرت معاویہ کے دارالحکومت دمشق میں موجود صحابی رسول حضرت انسؓ بن مالک نماز میں کی جانے والی تحریفوں کا ذکر کچھ اس طرح کرتے ہیں۔

---

[1] صحیح بخاری جلد اول۔ ص ۳۵۶ کتاب الاذان۔ باب وضع اليمنى على اليسرى فی الصلوٰۃ، حدیث ۷۰۱ طبع لاہور

دوسری تصدیق حضرت انسؓ بن مالک کرتے ہیں۔

حد ثنا عمر بن زرارة قال اخبر نا عبدالواحد بن واصل ابو عبيدة الحداد عن عثمان بن ابي رواد اخي عبدالعزيز قال سمعت الزهري يقول د خلت علىٰ انس ابن مالك بدمشق وّ هويبكي فقلت ما يبكيك فقال لا اعرف شئيا مما اذ ركت الا هٰذه الصلوة و هٰذه الصلوة قد ضيعت و قال بكر بن خلف حد ثنا محمد ابن بكر البرساني قال اخبرنا عثمان بن ابي رواد نحوه.

زہری سے روایت ہے کہ میں دمشق میں حضرت انسؓ بن مالک کی خدمت میں حاضر ہو، تو وہ رو رہے تھے۔ میں نے عرض کی کہ آپ کیوں رو رہے ہیں؟ ۔فرمایا کہ میں کوئی چیز ایسی نہیں پاتا جو اسی طرح ہو جیسی (رسول اللہ سے) پائی تھی۔ سوائے نماز کے اور یہ نماز بھی ضائع کر دی گئی۔ [۱]

قدیم حنبلی عالم امام ابن حمزہ مدنیؒ اپنی کتاب میں تحریر فرماتے ہیں۔

☆ ''سب سے پہلے ہاتھ باندھ کر نماز معاویہ کے دور میں پڑھی گئی''۔ [۲]

اور امام محمد بن عقیل شافعیؒ اپنی کتاب میں تحریر فرماتے ہیں۔

☆ ''معاویہ وہ پہلا شخص ہے۔ جس نے نماز ہاتھ باندھ کر پڑھائی''۔ [۳]

اس موضوع کے اختتام پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ بارگاہ ربّ العزت میں ہماری نماز کی قبولیت کا معیار رسولؐ اللہ کے طریقے کے مطابق اس کی ادائیگی پر ہے، یا کسی اُمتی کا رائج کردہ طریقہ پر؟؟؟۔

---

[۱] صحیح بخاری جلد اول۔ص ۲۹۴ کتاب **مواقيت الصلوة**، حدیث ۵۰۲ طبع لاہور ۱۹۹۱ء

[۲] امام ابن حمزہؒ کی بدعات فی السنہ۔ص ۲۶۵ طبع مصر

[۳] النصائح الکافیہ۔ص ۹۴ طبع مصر

باب۔ ۶

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۂ توبہ (برات) کے علاوہ قرآنِ مجید کے ہر سورے کا آغاز بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے ہوتا ہے۔ پوری دنیا میں جہاں جہاں قرآنِ مجید کی طباعت ہو رہی ہے۔ ان میں سورتوں کی ابتداء میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم طبع ہے۔ اور جب قرآنِ مجید کی تلاوت کی جاتی ہے، تو سورہ کی ابتداء بسم اللہ سے کی جاتی ہے، جو سنت رسولؐ ہے۔ لیکن جب یہی سورے دورانِ نماز پڑھے جاتے ہیں، تو اس کی ابتداء بسم اللہ سے کرنے پر اختلاف کیا جاتا ہے۔ اور دلیل یہ قائم کی جاتی ہے کہ چونکہ بسم اللہ سورے کا حصہ نہیں ہے اس لئے سورہ کے آغاز میں نہیں پڑھنی چاہئے۔ اگر اس دلیل کو مان لیا جائے، تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ صرف نماز میں دورانِ تلاوت کیوں اسے ترک کیا جائے؟۔

آیئے اس کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں، کہ آخر معاملہ کیا ہے؟۔ کیا دورِ رسالتؐ میں دورانِ نماز بسم اللہ پڑھی گئی، یا نہیں؟۔ اور اگر پڑھی گئی، تو بلند آواز سے پڑھی گئی یا مخفی طریقہ سے؟۔

قولی حدیث :

عن ابی ھریرۃ قال کنت مع النبی فی المسجد اذ دخل رجل یصلی فافتتح الصلوۃ و تعوذ ثم قال الحمد للہ رب العلمین فسمع النبی فقال لہ یا رجل قطعت علی نفسک الصلاۃ اما علمت ان بسم اللہ الرحمن الرحیم من الحمد فمن ترکھا فقد ترک آیۃ و من ترک آیۃ فقد افسد علیہ صلاتہ ۔

حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کے پاس مسجد میں تھا کہ ایک شخص آ کر نماز پڑھنے لگا، تو اس نے نماز شروع کرنے کی تکبیر کہی، اور **اعوذ باللہ** کہہ کر **الحمد للہ رب العلمین** پڑھنے لگا۔ اس کو رسولؐ اللہ نے سن لیا تو اس سے فرمایا:

''اے شخص تو نے اپنی ذات کو نماز (کے فوائد) سے محروم کر دیا۔ کیا تجھے معلوم نہیں ہے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سورہ الحمد کا جزو ہے؟۔ پس جو شخص اس بسم اللہ کو چھوڑ دے گا۔ وہ سورۃ کی ایک آیت چھوڑ دے گا۔ اور جو ایک آیت بھی چھوڑے گا۔ وہ اپنی نماز کو باطل اور فاسد کر دے گا''۔ [1]

دوسری قولی حدیث :

قال رسول اللہ علمنی جبرئیل الصلوۃ فقام فکبر لنا ثم قرء بسم اللہ الرحمن الرحیم فیما یجھربہ فی کل رکعۃ۔

رسولؐ اللہ نے فرمایا کہ جبرئیلؑ نے مجھے نماز کی تعلیم کی، تو کھڑے ہو کر تکبیر کہی، پھر ہر رکعت میں بآواز بلند بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھی۔ [2]

سنت رسالتمآب ﷺ :

۱۔ **عن ابی ھریرۃ قال کان رسول اللہ ﷺ یجھر فی الصلوۃ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔**

حضرت ابی ہریرہؓ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا کہ ہر نماز میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو بآواز بلند پڑھتے تھے۔ [3]

۲۔ **عن ابن عباس قال کان رسول اللہ صلعم یجھر بسم اللہ الرحمن الرحیم فی السورتین جمیعا۔**

حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسولؐ اللہ نماز میں ہر سورہ سے پہلے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم بلند آواز سے پڑھا کرتے تھے۔ [4]

---

[1] علامہ ابو بکر جلال الدین سیوطیؒ کی تفسیر در منثور جلد اول۔ ص ۳۹ طبع لاہور

[2] تفسیر در منثور جلد اول۔ ص ۳۸ ، سنن دار قطنی جلد ۱۔ ص ۳۰۷ [3] امام بیہقیؒ کی سنن الکبیر جلد ۲۔ ص ۱۵۶

[4] علامہ علی بن احسام الدین الہندی الشافعیؒ کی کنز العمال جلد ۲۔ ص ۲۰۹

۳۔ حضرت انسؓ بن مالک فرماتے ہیں کہ میں ہمیشہ نماز میں رسول اللہؐ کے ساتھ شریک ہوا کرتا تھا۔ اور وہ نماز میں جس سورۃ کی تلاوت فرماتے، اس کے ساتھ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم بلند آواز سے پڑھتے تھے۔ امام حاکمؒ کہتے ہیں کہ اس حدیث کے تمام راوی ثقہ اور معتبر ہیں۔ [۱]

اس حدیث کو امام ذہبیؒ نے تلخیص مستدرک میں بھی نقل کیا۔ اور اس کے صحیح ہونے کی صراحت کی ہے۔

اب ہم رسولؐ اللہ کی قولی و فعلی حدیثوں کی روشنی میں صحابہ کرامؓ کے عمل کا جائزہ لیتے ہیں۔

صحابہ کرامؓ کا عمل :

۱۔ **ان العبادلة کانوا یستفتحون القرأة بسم اللّٰه الرحمن الرحیم یجهرون بها عبداللّٰه ابن عباس و عبد اللّٰه ابن عمر و ابن الزبیر۔**

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ اور عبداللہ ابن عمرؓ اور عبداللہ ابن زبیرؓ کا معمول تھا کہ نماز شروع کرکے بلند آواز سے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہتے تھے۔ [۲]

۲۔ **عن ابن عمرانه کان یقرء فی الصلوة بسم اللّٰه الرحمن الرحیم فاذا ختم السورة قرء ها و یقول ما کتبت فی المصحف الا لتقراء۔**

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کا معمول تھا کہ نماز میں ہر سورۃ سے پہلے بسم اللہ پڑھتے۔ جب ایک سورہ ختم ہو جاتا، تو دوسرے کیلئے پھر بسم اللہ پڑھتے۔ اور کہتے کہ یہ قرآن میں اسی لئے لکھا گیا ہے کہ برابر پڑھا بھی جائے۔ [۳]

۳۔ حضرت ابو ہریرہؓ اور ابن عباسؓ اور ابن زبیرؓ نماز میں ہر سورۃ کا آغاز بسم اللہ سے کرتے تھے۔ [۴]

---

[۱] امام الحاکم کی مستدرک الحاکم جلد اول۔ ص۲۳۲ ، سنن بیہقی جلد۲۔ ص۴۹ ، تفسیر درمنثور جلد۱۔ ص۴۰

[۲] علامہ سیوطیؒ کی تفسیر درمنثور جلد اول۔ ص۳۹ [۳] تفسیر درمنثور جلد اول۔ ص۳۸ طبع لاہور

[۴] تفسیر ابن کثیر جلد اول۔ ص۲۰ طبع کراچی ، امام ذہبیؒ کی تذکرۃ الحفاظ جلد اول۔ ص۲۰۱ طبع لاہور

۴۔ ان الشیخ البیھقی روی فی السنن الجھر عن عمر بن الخطاب وابن عباس وابن عمر و ابن زبیر واما علی ابن ابی طالب فکان یجھر بالتسیمۃ فقد ثبت بالتواتر۔

امام بیہقیؒ نے اپنی سنن میں حضرت عمر ابن خطابؓ اور عبداللہ ابن عباسؓ اور ابن عمرؓ اور ابن زبیرؓ سے بسم اللہ کے بلند آواز سے پڑھنے کی روایات کی ہیں۔ اور حضرت علی ابن ابی طالبؓ کا ہر نماز میں بسم اللہ کا بلند آواز سے پڑھنا بتواتر ثابت ہے۔ [1]

دورانِ نماز ہر سورہ کے آغاز میں بآواز بلند بسم اللہ پڑھنے کے بارے میں سنت رسولؐ اور صحابہ کرامؓ کے عمل کے بعد اب ہم تابعین عظامؒ کے عمل کا جائزہ لیتے ہیں کہ وہ اس سلسلہ میں کیا تھا؟۔

تابعین عظامؒ کا عمل :

تابعین میں حضرت طاؤسؒ بن کیسان، عطاءؒ، سعید بن جبیرؒ، مکحول، شہاب زہری اور عبداللہ ابن مبارکؒ بسم اللہ کا پڑھنا واجب سمجھتے تھے۔ [2]

ان کے علاوہ مختلف کتابوں میں حضرت سعید بن مسیبؒ، سلمان بن یسارؒ، ابراہیم نخعیؒ، عروہ بن زبیرؒ، یحیٰ بن سعید القطانؒ، الاعمشؒ، عمرو بن دینارؒ وغیرہ کی روایات مروی ہیں کہ یہ حضرات نماز میں ہر سورۃ کا آغاز بآواز بلند بسم اللہ سے کرتے تھے۔

امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ بسم اللہ نماز میں پڑھنا افضل ہے۔ [3]

اسحٰق بن راہویہؒ، ابوعبید قاسم بن سلامؒ بھی بسم اللہ کو ہر سورہ کی ایک مستقل آیت کے قائل تھے۔ سوائے سورۂ توبہ کے۔ [4]

---

[1] امام بیہقیؒ کی سنن الکبیر جلد دوم۔ ص ۱۵۷

[2] تفسیر آلوسی جلد اول۔ ص ۳۹

[3] امام ذہبیؒ کی تذکرۃ الحفاظ جلد اول۔ ص ۱۷۵

[4] تفسیر ابن کثیر جلد اول پارہ ۱۔ ص ۲۰

عقیل سے روایت ہے کہ امام شہاب الدین الزہری نے بیان کیا کہ نماز کا طریقہ یہ ہے کہ بسم اللہ اونچی آواز سے پڑھی جائے، پھر سورۂ فاتحہ پڑھی جائے، اس کے بعد پھر بسم اللہ بلند آواز سے پڑھی جائے اور اس کے بعد کوئی دوسری سورۃ پڑھے۔ [۱]

بسم اللہ اور ائمہ اہل بیتؑ :

ائمہ اہل بیتؑ کے مطابق دورانِ نماز ہر سورہ کا آغاز بآواز بلند بسم اللہ سے کیا جائے۔

یحییٰ بن ابی عمران نے امام محمد باقرؑ سے اس شخص کے بارے میں پوچھا جو اپنی نماز میں سورہ فاتحہ کے ساتھ تو بسم اللہ پڑھتا ہے۔ لیکن اور سورتوں میں بسم اللہ نہیں پڑھتا۔ امام نے فرمایا بسم اللہ ہر سورہ کے ساتھ پڑھنا چاہئے۔ [۲]

اہل تشیع کے کُل علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ بسم اللہ سورۂ الحمد اور کُل سورتوں کا جزو ہے، سوائے سورۂ توبہ کے۔ اور جو شخص نماز میں ہر سورے کے آغاز میں بسم اللہ نہ پڑھے، اس کی نماز باطل ہے۔ [۳]

بسم اللہ اور ائمہ اربعہؒ :

دورانِ نماز بسم اللہ کے متعلق سنت رسولؐ، صحابہ کرام و تابعین اور اہل بیتؑ کے عمل کا جائزہ لینے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ دورانِ نماز ہر سورہ کے آغاز میں بآواز بلند بسم اللہ پڑھا جانا ایک متفقہ عمل تھا۔ آیئے سنت رسولؐ اور صحابہ کرامؓ کے اس متفقہ عمل کی روشنی میں ائمہ اربعہؒ کے اقوال کا جائزہ لیتے ہیں کہ وہ اس سلسلے میں کیا ہے؟۔

دورانِ نماز بسم اللہ کے پڑھنے یا نہ پڑھنے کے سلسلے میں ائمہ اربعہؒ کے درمیان اختلاف ہے۔

---

[۱] امام ذہبیؒ کی تذکرۃ الحفاظ جلد اول۔ ص ۱۰۴ [۲] فروع کافی جلد ۲ کتاب الصلوۃ۔ ص ۷۰

[۳] تفسیر مجمع البیان (تفسیر بسم اللہ)

مسلکِ حنفیہ :

> مسلک حنفیہ کے مطابق امام اور منفرد ہر رکعت کے آغاز میں بسم اللہ کہے، (ہر سورہ کے آغاز میں نہیں) خواہ نماز سری (آہستہ آواز) ہو یا جہری (بلند آواز سے) مقتدی تو قدرتی طور پر بسم اللہ نہ کہے گا۔ کیونکہ حالتِ اقتداء میں اسے قرآن پڑھنا جائز نہیں ہے۔ لیکن رکعت کے آغاز میں بسم اللہ کہنا یاد نہیں رہا۔ اور سورہ فاتحہ شروع کر دی، تو اس کو جاری رکھے اور پھر سے بسم اللہ نہ کہے۔ اور سورہ فاتحہ کے بعد کوئی سورہ پڑھنے کے وقت بسم اللہ کہنا مکروہ تو نہیں لیکن بہتر یہی ہے کہ نہ کہی جائے۔ نماز خواہ سری ہو یا جہری (سب کا یہی حکم ہے)۔ کیونکہ بسم اللہ نہ سورۂ فاتحہ کا جزو ہے، اور نہ کسی اور سورۃ کا جزو ہے۔ البتہ یہ قرآن کا جزو ہے۔ [1]

مسلک حنفیہ کے مطابق امام اور منفرد کو ہر رکعت کے آغاز میں بسم اللہ کہنی چاہئے۔ لیکن اگر نمازی رکعت کے آغاز میں بسم اللہ پڑھنا بھول جائے۔ اور سورہ فاتحہ پڑھنا شروع کر دے، تو پھر بسم اللہ پڑھنا ضروری نہیں۔ کیونکہ ان کے نزدیک بسم اللہ سورہ الحمد سمیت کسی سورہ کا جزو نہیں۔ (بسم اللہ کے جزو ہونے کا ہم بعد میں جائزہ لیں گے) گویا بسم اللہ کا پڑھنا اضافی ہے، ضروری عمل نہیں۔ اس لئے الحمد کے بعد دوسرے سورہ کے آغاز میں بسم اللہ پڑھنے کو بہتر نہیں سمجھتے۔

جبکہ رسولؐ اللہ کی قولی و فعلی دونوں حدیثوں میں بسم اللہ کی تلاوت کی تاکید فرمائی گئی ہے۔ اور جس نے اسے شاملِ تلاوت نہیں کیا، اس کے بارے میں فرمانِ رسولؐ ہے کہ **یا رجل قطعت علے نفسک الصلاة** ۔ اے شخص تو نے اپنی ذات کو نماز (کے فوائد) سے محروم کر دیا۔

مسلکِ مالکیہ :

> مسلکِ مالکیہ کے مطابق فرض نماز میں بسم اللہ کہنا مکروہ ہے۔ خواہ نماز سری ہو یا جہری البتہ اگر نمازی کی نیت اختلاف کو دور کرنا ہو، تو اس صورت میں سورۂ فاتحہ سے پہلے آہستہ سے بسم اللہ کہہ لینا مستحب ہے۔ اور اونچی آواز سے کہنا مکروہ ہے۔ [2]

---

[1] و [2] کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ جلد اول۔ ص ۴۰۷ (جامعہ الازہر)

امام مالکؒ کے نزدیک فرض نماز میں بسم اللہ پڑھنا مکروہ ہے۔ امام مالک کے اس قول کو رسولؐ اللہ کی حدیثوں، جن میں سے چند حدیثوں کو ہم نے پچھلے صفحات پر پیش کیا، اور ان کے علاوہ دیگر کتابوں میں مروی احادیث کی روشنی میں پرکھیں، تو ان کا یہ قول سنت رسولؐ کے قطعاً خلاف ہے۔

مسلکِ شافعیہ :

مسلک شافعیہ کے مطابق بسم اللہ قرآن شریف کی ایک آیت ہے۔ لہذا اس کا پڑھنا فرض ہے۔ اور سری اور جہری نماز میں اس کا حکم وہی ہے، جو سورۂ فاتحہ کا ہے۔ لہذا نماز پڑھنے والے کو چاہئے کہ جہری نماز میں اونچی آواز سے بسم اللہ کہے۔ جیسا کہ سورۂ فاتحہ اونچی آواز سے پڑھی جاتی ہے۔ اگر ایسا نہ کیا گیا، تو نماز باطل ہو جائے گی۔ [۱]

مسلکِ حنابلہ :

مسلک حنابلہ کے مطابق بسم اللہ کہنا سنت ہے۔ اور ہر رکعت میں بسم اللہ آہستہ کہنا چاہئے۔ یہ سورۂ فاتحہ کی آیت نہیں ہے۔ اگر تعوذ (اعوذ باللہ) سے پہلے بسم اللہ کہہ لیا، تو تعوذ کہنا ساقط ہو جائے گا۔ دوبارہ تعوذ پڑھنے کی ضرورت نہیں۔ [۲]

امام حنبلؒ کے نزدیک بسم اللہ پڑھنا سنت تو ہے لیکن ہر رکعت کے آغاز میں آہستہ کہنی چاہئے۔ اور یہ سورۂ فاتحہ کا جزو نہیں ہے۔

مسلک حنفیہ، مسلکِ مالکیہ اور مسلکِ حنابلہ کے مطابق بسم اللہ کسی سورہ کا جزو نہیں ہے۔ آیئے اس کا بھی مختصراً جائزہ لیتے چلیں۔

بسم اللہ کے سورۂ فاتحہ کا جزو ہونے کی قولی حدیث تفسیر درمنثور کے حوالے سے پچھلے صفحات پر پیش کر چکے ہیں۔ یہاں صرف اس کا ترجمہ پیش کر دیتے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کے پاس مسجد میں تھا۔ کہ ایک

---

[۱] و [۲] کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ جلد اول۔ ص ۴۰۷ اور ۴۰۸ (جامعہ الازہر)

> شخص آ کر نماز پڑھنے لگا، تو اس نے نماز شروع کرنے کی تکبیر کہی اور اعوذ باللہ کہہ کر **الحمد للہ رب العلمین** پڑھنے لگا۔ اس کو رسولؐ اللہ نے سن لیا، تو اس سے فرمایا ”اے شخص تو نے اپنی ذات کو نماز (کے فوائد) سے محروم کر دیا۔ کیا تجھے معلوم نہیں ہے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سورہ الحمد کا جزو ہے؟۔ پس جو شخص اس بسم اللہ کو چھوڑ دے گا۔ وہ سورۃ کی ایک آیت چھوڑ دے گا۔ اور جو ایک آیت بھی چھوڑے گا۔ وہ اپنی نماز کو باطل اور فاسد کر دے گا“۔ [1]

واضح رہے کہ علامہ سیوطیؒ کی تفسیر درمنثور حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کی تفسیر قرآن سے ماخوذ ہے۔

مندرجہ بالا حدیث مبارکہ میں رسولؐ اللہ نے بسم اللہ کو سورہ الحمد کا جزو ہونے کی وضاحت فرمائی۔ اور اس کے ساتھ ہی دورانِ نماز بسم اللہ کو بآواز بلند پڑھنے کی بھی تاکید فرمائی۔ اگر بسم اللہ پڑھنے کا حکم آہستہ آواز سے ہوتا، تو رسولؐ اللہ اس نمازی سے دریافت ضرور کرتے کہ تم نے بسم اللہ پڑھی بھی یا نہیں۔ رسولؐ اللہ کا دریافت نہ کرنا اور بسم اللہ کی تاکید فرمانا، واضح ثبوت ہے کہ نماز میں بسم اللہ بآواز بلند پڑھنی چاہیے۔

جمہور سلف کا قول :

> امام نووی شافعیؒ فرماتے ہیں کہ امام شافعیؒ اور جمہور سلف (بزرگوں) کا یہ قول ہے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم دراصل سورۂ فاتحہ کا جزو ہے۔ اس لئے جب سورۂ فاتحہ بآواز بلند پڑھی جائے، تو بسم اللہ کو بھی بآواز بلند پڑھنا چاہیے۔ [2]

بسم اللہ کے سورہ الحمد کے جزو ہونے کا جائزہ لینے کے بعد، آیئے دیکھتے ہیں کہ بسم اللہ صرف سورۂ الحمد کا ہی جزو ہے یا دیگر سورتوں کا بھی جزو ہے؟۔

---

[1] علامہ ابو بکر جلال الدین سیوطی کی تفسیر درمنثور جلد اول۔ ۸۷۷ طبع مصر

[2] شرح صحیح مسلم امام نووی جلد ۲۔ ص ۲۶ طبع لاہور

یہ الفاظ ہیں، صحیح مسلم شریف کے۔

عن انس بن مالک قال بینا رسول اللّٰہ صلعم ذات یوم بین اظھرنا اذا عفیٰ لاغفآءۃ ثم رفع راسہ متبسماً فقلنا مآ اضعکک یا رسولؐ اللّٰہ قال انزلت علی انفاً سورۃ فقرأ بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم انااعطینک الکوثر ـــــ الخ

حضرت انسؓ بن مالک فرماتے ہیں کہ ایک دن ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں بیٹھے تھے۔ کہ آپؐ پر ایک غنودگی سی طاری ہوگئی، پھر مسکراتے ہوئے آپؐ نے سر اٹھایا جس پر ہم نے عرض کیا۔ یا رسولؐ اللہ! آپؐ کو کس چیز پر خوشی ہو رہی ہے؟۔ ارشاد فرمایا مجھ پر ابھی ابھی قرآنِ کریم کی ایک سورۃ نازل ہوئی ہے۔ چنانچہ آپؐ نے بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھ کر۔ انا اعطیناک الکوثر کی پوری سورۃ پڑھی۔ [1]

امام نوویؒ اس حدیث کی تشریح میں تحریر فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے ظاہر ہے کہ بسم اللہ سورۂ کوثر کا جزو ہے۔ اور اس طرح ہر سورہ کے اول میں داخل ہے۔

صحابہؓ وتابعینؒ کے مطابق :

علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ ''حضرت علیؓ، ابن عباسؓ، ابن عمرؓ، ابن زبیرؓ، ابوہریرہؓ، اور تابعین میں سے عطاءؒ، طاؤسؒ، سعید بن جبیرؒ، مکحولؒ اور زہریؒ کا یہی مذہب ہے کہ بسم اللہ ہر سورت کی ایک مستقل آیت ہے، سوائے سورۂ برأت کے۔ علاوہ ان صحابہ اور تابعین کے عبداللہ بن مبارکؒ، امام شافعیؒ، اور امام حنبلؒ کے ایک قول میں۔ اور اسحٰق بن راہویہؒ اور ابوعبید قاسم بن سلامؒ کا بھی یہی مذہب ہے''۔ [2]

سنت رسول ﷺ، صحابہ کرامؓ وتابعینؒ کے عمل اور ائمہ اہل بیتؑ کے اقوال کا جائزہ لینے سے باخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ دورانِ نماز بسم اللہ ہر سورہ کے آغاز میں پڑھنا متفقہ عمل تھا۔ ان

---

[1] صحیح مسلم جلد ۲۔ ص ۲۶ کتاب الصلوۃ ، سنن نسائی جلد اول۔ ص ۲۰۵ کتاب الافتتاح حدیث ۹۰۸

[2] تفسیر ابن کثیر جلد اول، پارہ ۱۔ ص ۲۰ طبع کراچی

تمام احادیث و روایات کا جائزہ لینے کے بعد سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس متفقہ عمل میں اختلاف کا آغاز کب اور کیسے ہوا؟۔

اختلاف کا آغاز کب ہوا؟۔

علامہ ابوبکر جلال الدین سیوطیؒ تفسیر درمنثور میں امام شافعیؒ کی الام، سنن دارقطنیؒ، مستدرک حاکم اور سنن بیہقی کے حوالے سے تحریر فرماتے ہیں:

عن معاویہ انہ قدم المدینہ فصلی بھم و لم یقرء بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم و لم یکبر اذا خفض و اذا رفع فناداہ المھاجرین و الانصار حین سلم یا معاویہ اسرقت صلاتک این بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم و این التکبیر فلما صلی بعد ذلک قرء بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم لام القرآن و للسورۃ التی بعد ھا و کبر ھا حین یھوی ساجدا۔

"حضرت معاویہ نے اپنے دورِ حکومت میں مدینہ کا دورہ کیا اور لوگوں کو نماز پڑھائی۔ لیکن اس طرح کہ نہ سورۃ سے پہلے بسم اللہ پڑھی اور نہ اٹھتے وقت تکبیر کہی۔ جب نماز ختم ہوئی تو مہاجرین و انصار پوچھنے لگے کہ اے معاویہ تم نے نماز میں ڈاکہ ڈالا، بسم اللہ کہاں گئی؟ تکبیر کیا ہوئیں؟۔ پھر جب اس کے بعد معاویہ نے نماز پڑھائی، تو سورۃ الحمد سے پہلے بھی بسم اللہ پڑھی۔ اور اس کے بعد جو سورہ پڑھا اس سے قبل بھی بسم اللہ پڑھی اور جب سجدے کو جھکے تو تکبیر بھی کہی"۔ [۱]

اس واقعہ کے متعلق امام فخر الدین رازیؒ اپنی تفسیر الکبیر میں امام شافعیؒ کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

قال الشافعی ان معاویہ کان سلطانا عظیم القوۃ شدید الشوکۃ

---

[۱] تفسیر درمنثور جلد اول۔ ص ۳۹ ، تفسیر ابن کثیر جلد اول پارہ ۔ ۱۔ ص ۲۱ ، امام رازیؒ کی تفسیر الکبیر جلد اول (تفسیر بسم اللہ)، غرائب القرآن جلد اول۔ ص ۲۸، مستدرک الحاکم جزء اول۔ ص ۲۳۳، امام دارقطنیؒ کی سنن الکبیر جلد ۲۔ ص ۵۲ ، سنن بیہقی جلد ۲۔ ص ۴۹ ، تاریخ طبری جلد ۳۔ ص ۲۷۶ ، ان کے علاوہ ۶۵ مفسرین و مورخین نے اس واقعہ کا ذکر کیا۔

فلولاان الجهر باتسميه كان كالا مرالمتقرر عند كل الصحابة من المهاجرين و الانصار والا قدر وا علے اظهار الانكار عليه بسبب ترک التسمية۔

امام شافعیؒ فرماتے تھے کہ ''معاویہ بڑی شان وشوکت اور سخت دبدبہ کا بادشاہ تھا۔ اگر نماز میں بسم اللہ کا بلند آواز سے پڑھنا، کل مہاجرین وانصار کی تحقیق میں بالکل یقینی اور مسلم الثبوت نہ ہوتا، تو وہ لوگ معاویہ پر اعتراض کرنے کی جرات نہیں کر سکتے تھے کہ کیوں نماز میں بسم اللہ کہنا چھوڑ دیا؟۔ ۱؎

امام رازیؒ مزید تحریر فرماتے ہیں کہ

و لهذا السبب نقل ان عليا كان مذهبا الجهر بسم الله الرحمن الرحيم فی جميع الصلوة واقول ان هذه الحجة قوية فی نفسی راسخة فی عقلی لا تزول البتة بسبب كلماة المخالفين ۔

اسی سبب سے لوگوں نے بیان کیا ہے کہ حضرت علی کا مذہب یہ تھا کہ ہر نماز میں بسم اللہ زور سے پڑھنا چاہیئے۔ میں (رازیؒ) کہتا ہوں کہ یہ حجت میرے نفس میں بہت قوی اور میری عقل کے نزدیک ایسی زبردست ہے جو کسی طرح مخالفین کے اعتراضات سے زائل نہیں ہوسکتی۔ ۲؎

دورانِ نماز بسم اللہ پڑھا جانا صحابہ کرامؓ وتابعینؒ کے نزدیک متفقہ عمل تھا۔ اور اس وجہ سے حضرت معاویہ کے ترک کرنے پر مہاجرین وانصار نے احتجاج کیا۔ اس مقام پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب یہ عمل متفقہ تھا، تو حضرت معاویہ نے اس کو ترک کیوں کیا؟۔ بسم اللہ سے اجتناب کی وجہ کیا تھی؟؟؟۔

اس پُراسرار اجتناب کی حقیقت جاننے کیلئے ہمیں حالات و واقعات کے پس منظر کا جائزہ لینا ہوگا۔ ہماری یہ تحقیق ذرا طوالت کا باعث تو ہوگی لیکن اس طوالت سے حقیقت تک پہنچنے میں آسانی ہوجائے گی۔ ہم اپنی پوری کوشش کریں گے کہ غیر ضروری طوالت سے بچا جائے اور اپنی

۱؎ و ۲؎ امام فخر الدین رازیؒ کی تفسیر الکبیر جلد اول۔ ص ۱۵۹ تا ۱۶۱ طبع مصر

ائمہ اہل بیتؑ اور مقتدی کی قرأت :

ائمہ اہل بیتؑ کے نزدیک پیشِ نماز (امام) کی بالجہر (بآواز بلند) قرأت کے دوان مقتدی کا تلاوت کرنا جائز نہیں۔ خواہ پیشِ نماز کی آواز کتنی ہی کم کیوں نہ آ رہی ہو۔ پیشِ نماز (پیشِ امام) کی سری (آہستہ آواز سے) قرأت میں یا نماز کے دیگر مقامات پر دوہرانہ جائز ہے۔ لیکن اتنی آواز سے کہ خود سن سکے۔

کافی روایات میں سورہ اخلاص کی تلاوت کی بہت تاکید آئی ہے۔ ہر مومن کو نماز و غیر نماز دونوں صورتوں میں جب بھی موقع ملے، اس سورہ کی تلاوت کرے۔

رسول اللہ ﷺ وائمہ اہل بیتؑ اور جناب فاطمہؑ سے روایات ہیں کہ وہ پہلی رکعت میں سورۂ الحمد کے بعد سورۂ أنا أنزلناه اور دوسری رکعت میں سورہ الحمد کے بعد سورۂ توحید کی تلاوت فرمایا کرتے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

باب۔ ۸

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

دعائے قنوت

دورانِ نماز ’’دعائے قنوت‘‘ کی ادائیگی، اس کی ادائیگی کے مقام، اور اس کو کن حالات میں اور کونسی نمازوں میں پڑھا جائے؟۔ اس بارے میں مختلف مسالک کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ لفظ ’’قنوت‘‘ کی تاویل و تشریح پر بھی شدید اختلاف ہے۔

اس باب میں ہم دعائے قنوت کے سلسلے میں حکم الٰہی، سنت رسولؐ اور صحابہ کرامؓ و اہل بیت کے عمل کا جائزہ لیں گے۔ اور ان کی روشنی میں لفظ ’’قنوت‘‘ کی تاویل و تشریح اور ائمہ اربعہؒ کے اقوال کا بھی جائزہ پیش کریں گے۔ تاکہ ہم اپنی نمازوں کے دوران ’’دعائے قنوت‘‘ کے سلسلے میں وہی عمل اختیار کرسکیں جو حکم الٰہی اور سنت رسولؐ کے مطابق ہو۔ اور جو طریقہ صحابہ کرامؓ و اہل بیتؓ نے اختیار کیا ہو۔

دعائے قنوت کے سلسلے میں اپنی تحقیق کا آغاز حکم الٰہی سے کرتے ہیں کہ وہ اس بارے میں کیا ہے؟۔

ارشادِ ربُّ العزت ہے

حٰفِظُوا عَلَی الصَّلَوٰتِ وَ الصَّلٰوۃِ الْوُسْطٰی ۃ وَ قُوْمُوْا لِلّٰہِ قٰنِتِیْنَ ☆

(اے ایمان والو!) تمام نمازوں کی اور (خصوصاً) بیچ والی نماز کی پابندی کرو۔ اور خاص اللہ ہی کے واسطے (نماز میں) قنوت کے ساتھ قیام کرو۔

سورۂ بقرہ ۲ آیت ۲۳۸

قٰنِتِیْنَ

’’قٰنِتِیْنَ‘‘ لفظ قنوت سے ہے۔ جو نماز کا ایک خاص جزو ہے۔

تشریح اور شانِ نزول :

حضرت علیؓ ، عبداللہ ابن عباسؓ ، جابر بن عبداللہ انصاریؓ کی متعدد صحیح احادیث و روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ نماز میں قنوت کی تشریح اسی آیہ مبارکہ سے ہوئی ہے۔ [۱]

اس آیہ مبارکہ کے ضمن میں لفظ " قٰنِتِیْنَ " کی تشریح میں کچھ علماء صحیح مسلم اور مسند احمد بن حنبل کے حوالے سے کہتے ہیں کہ اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے لوگ ضروری بات چیت بھی نماز میں کرلیا کرتے تھے۔ جب یہ آیت اُتری تو چپ رہنے کا حکم دے دیا گیا۔ [۲]

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں۔

> "لیکن اس حدیث میں اشکال یہ ہے کہ علمائے کرام کی ایک جماعت کے نزدیک نماز میں بات چیت کرنے کی حرمت، حبشہ کی ہجرت کے بعد اور مدینہ شریف کی ہجرت سے پہلے ہی مکہ شریف میں نازل ہو چکی تھی۔ چنانچہ صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ حبشہ کی ہجرت سے پہلے ہم نبی ﷺ کو سلام کرتے تھے۔ آپ ﷺ نماز میں ہوتے پھر بھی جواب دیتے۔ جب حبشہ سے ہم واپس آئے، تو حضورؐ کو میں نے آپؐ کی نماز کی حالت میں سلام کیا۔ آپ ﷺ نے جواب نہ دیا۔ اب میرے رنج و غم کا کچھ نہ پوچھئے، نماز سے فارغ ہو کر آپ ﷺ نے فرمایا عبداللہ! اور کوئی بات نہیں، میں نماز میں تھا اس وجہ سے میں نے جواب نہیں دیا۔ اللہ جو چاہے نیا حکم اتارے، اس نے یہ نیا حکم نازل فرمایا ہے کہ نماز میں نہ بولا کرو۔ پس یہ واقعہ ہجرتِ مدینہ سے پہلے کا ہے۔ اور یہ آیت مدینہ میں نازل ہوئی ہے"۔ [۳]

مسند حنبل اور سنن ابوداؤد وغیرہ میں مرقوم حضرت زید بن ارقمؓ کی حدیث کے بارے

---

[۱] تفسیر ابن کثیر جلد اول۔ پارہ ۲۔ ، مفتی محمد شفیع کی تفسیر معارف القرآن جلد اول ، مولانا مودودی کی تفسیر تفہیم القرآن جلد اول ، علامہ احسن اصلاحی کی احسن التفاسیر جلد اول سورہ بقرآیت ۲۳۸ کے ضمن میں

[۲] و [۳] تفسیر ابن کثیر جلد اول، پارہ ۲۔ ص۱۱۸ طبع کراچی

میں حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ "علماء کہتے ہیں کہ زید بن ارقم کے قول کا مطلب جنس کلام سے ہے اور اس کی حرمت پر اس آیت سے استدلال بھی خود ان کا اپنا فہم ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ممکن ہے، دو (۲) دفعہ حلال اور دو (۲) دفعہ ممانعت ہوئی ہو۔ لیکن پہلا قول زیادہ صحیح ہے"۔ [1]

حافظ ابن کثیر کی اس تشریح سے یہ بات واضح ہوگئی کہ جن علماء نے مذکورہ آیہ مبارکہ کے لفظ " قٰنِتِیْن " کی تشریح لغت کے معنی سے کی ہے اور حضرت ابن مسعودؓ اور زید بن ارقمؓ کی حدیثوں سے استدلال قائم کیا ہے کہ اس آیت میں دورانِ نماز بات چیت پر پابندی کا حکم ہے، تو انہوں نے غلطی کی ہے۔ کیونکہ دورانِ نماز بات چیت نہ کرنے کا حکم اس آیت سے کافی پہلے مکہ معظّمہ میں ہی نازل ہو چکا تھا۔ اور سورہ بقر جو کہ خود بھی مدنی سورہ ہے۔ اس کی مذکورہ آیت ہجرتِ مدینہ کے بعد نازل ہوئی۔

حافظ ابن کثیر اس تشریح کے آخر میں لکھتے ہیں کہ "بعض کہتے ہیں کہ ممکن ہے دو دفعہ حلال ہوا، اور دو دفعہ ممانعت ہوئی ہو۔ لیکن پہلا قول زیادہ صحیح ہے"۔ یعنی جو لوگ دو دفعہ حلال اور دو دفعہ ممانعت کی بات کہتے ہیں، ان کو بھی اس بارے میں نہ تو علم ہے اور نہ یقین ہے، جب ہی تو انہوں نے کہا کہ "ممکن ہے"۔ یہ بے یقینی نتیجہ ہے راسخون فی العلم کی تاویل کو چھوڑ کر قرآنی احکامات کو اپنی تاویل کے ذریعے سمجھنے کا۔ قرآنی حکم کو اپنے اندازوں اور قیاس سے سمجھنے کی کوشش گناہ ہے۔ اور اس بارے میں ارشادِ رسول اللہؐ ہے۔

من فسر القرآن بر ايه فليتبوء مقعده من النار ۔

جو شخص اپنی رائے سے قرآنِ مجید کی تفسیر کرے گا۔ اس کا ٹھکانہ جہنم ہوگا۔

اندازے اور قیاس یقین کا متبادل نہیں ہو سکتے۔ اس لئے اس قرآنی حکم کی غلط تشریح کر کے، کتنے لوگوں کو اس حکم الٰہی کی بجا آوری سے محروم کر دیا گیا، اس کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔

آیئے ہم بھی اس قول کہ "نماز میں بات چیت دو دفعہ حلال ہوئی، اور دو دفعہ ممانعت ہونے" کا جائزہ لیتے ہیں تا کہ اس آیہ مبارکہ میں حکم الٰہی کا صحیح مفہوم سمجھ سکیں۔

---

[1] تفسیر ابن کثیر جلد اول۔ پارہ ۲۔ ص ۱۱۹ طبع کراچی

حافظ ابن کثیر نے مذکورہ آیہ مبارکہ کے ضمن میں جو تشریح بیان فرمائی اس میں اس بات کا ذکر ہے کہ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے رسول ؐ اللہ کو سلام کیا، تو حضورؐ نے جواب نہیں دیا۔ نماز سے فارغ ہو کر رسول ؐ اللہ نے فرمایا "عبداللہ! میں نماز میں تھا، اس وجہ سے جواب نہیں دیا۔ اللہ جو چاہے نیا حکم اتارے، اس نے یہ نیا حکم نازل فرمایا ہے کہ نماز میں نہ بولا کرو"۔ حافظ ابن کثیر خود لکھتے ہیں کہ "یہ واقعہ ہجرتِ مدینہ سے پہلے کا ہے"۔ یعنی مکہ کا ہے۔

اگر سورۂ بقرہ کی آیت ۲۳۸ میں لفظ "قٰنِتِیْنَ" کے وہ لغتی معنی جو یہ علماء بیان فرمارہے ہیں اس کو مان لیا جائے، تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس سے قبل مکہ میں دیا جانے والا حکم، بعد میں کسی وقت منسوخ ہو گیا تھا۔ جب ہی تو اللہ نے یہ حکم دوبارہ مدینہ میں نازل فرمایا۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پہلے حکم کو منسوخ کس نے کیا؟۔ اگر اللہ نے منسوخ کیا ہوتا، تو اس کے منسوخ کی آیت قرآن میں ہونی چاہیۓ تھی۔ جبکہ قرآن میں اس حکم کے منسوخ کی کوئی آیت نہیں ہے۔ تو پھر کس نے منسوخ کی؟۔ کیونکہ حکم الٰہی کو تبدیل یا منسوخ کرنے کا اختیار تو خود رسول ؐ اللہ کو بھی نہیں

قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِيْ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ

(اے رسولؐ) کہہ دیں کہ مجھے یہ اختیار نہیں کہ میں اسے اپنی مرضی سے بدل ڈالوں، میں تو بس اسی کا پابند ہوں جو میری طرف وحی کی گئی ہے۔

سورہ یونس ۱۰ آیت ۱۵

جب رسول ؐ اللہ کو منسوخ کرنے کا اختیار نہیں اور قرآنِ مجید میں پہلے حکم کے منسوخ کی کوئی آیت نہیں، تو یہ قول کہ نماز میں بات چیت نہ کرنے کا حکم دو مرتبہ حلال ہوا، اور دو مرتبہ ممانعت ہوئی غلط ثابت ہو گیا۔ حافظ ابن کثیر خود لکھتے ہیں جو صحیح بھی ہے کہ سورہ بقر کی مذکورہ آیت مدینہ میں نازل ہوئی۔ تو ہمیں ماننا پڑے گا کہ نماز میں بات چیت نہ کرنے کا حکم، اس آیت کے نازل ہونے سے کافی عرصہ پہلے مکہ میں نازل ہو چکا تھا۔ اس آیت میں لفظ " قٰنتین" کا مطلب وہ قطعاً نہیں، جو یہ علماء سمجھانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ جب کسی معاملے میں اس قسم کا اختلاف پیدا ہو جائے۔ تو اس اختلافی معاملے کو کس طرح حل کیا جائے؟۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ

اَنۡفُسِهِمۡ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيۡتَ وَ يُسَلِّمُوۡا تَسۡلِيۡمًا ☆

(پس اے رسولؐ) تمھارے ربّ کی قسم! یہ لوگ سچے مومن ہو ہی نہیں سکتے ، تاوقتیکہ یہ اپنے باہمی جھگڑوں میں تم کو اپنا حاکم (نہ) بنائیں۔ پھر (یہی نہیں بلکہ) جو کچھ تم فیصلہ کرو، اس سے کسی طرح تنگدل بھی نہ ہوں۔ بلکہ خوشی خوشی اس کو مان بھی لیں۔

سورہ النساء۴ آیت ۶۵

آیئے اس اختلاف میں سنت رسولؐ کی طرف رجوع کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے سورہ بقرہ کی اس آیہ مبارکہ کا کیا مفہوم لیا۔ اور اس کے مطابق کیا عمل اختیار فرمایا؟۔

نماز مغرب اور فجر :

حدثنا مسدد قال اخبرنا اسمعیل قال اخبرنا خالد عن ابی قلابة عن انس بن مالك قال كان القنوت فی المغرب و الفجر۔

حضرت انسؓ بن مالک نے فرمایا قنوت نماز مغرب اور نماز فجر میں پڑھی جاتی تھی۔ [1]

عن البراء بن عازب ان رسول الله صلي الله علیه وسلم كان یقنت فی الصبح و المغرب۔

حضرت براء بن عازب سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ صبح اور مغرب میں قنوت پڑھتے تھے۔ [2]

نماز ظہر و عشاء :

اس حدیث میں دیگر باتوں کے علاوہ حضرت ابوہریرہؓ کے طرز پر غور فرمایئے گا۔

عن ابی هریره یقول والله لاقربن بكم صلوة رسول الله فكان ابو هریرة یقنت فی الظهر و العشاء الاخرة و صلوة الصبح ویدعو

---

[1] صحیح بخاری جلد اول۔ص ۴۳۸، ابواب الوتر، باب ۶۳۴، حدیث ۹۴۸ طبع لاہور

[2] صحیح مسلم جلد ۲۔ص ۲۰۴ کتاب المساجد، باب القنوت ، جامع ترمذی جلد اول۔ص ۲۰۹، حدیث ۳۴۴

اللمومنين و يلعن الكفار۔

حضرت ابوہریرہؓ کہتے تھے کہ واللہ میں تمہارے ساتھ نماز ادا کروں، جو رسولؐ اللہ کی نماز کے قریب ترین ہو۔ پھر حضرت ابو ہریرہؓ ظہر اور عشاء اور صبح کی نماز میں قنوت پڑھتے تھے۔ اور مومنوں کیلئے دعا کرتے تھے اور کافروں پر لعنت کرتے تھے۔ [۱]

تمام نمازوں میں قنوت :

عن البراء بن عازب قال كان رسول الله صلعم لا يصلى صلوٰة مكتوبة الا قنت فيها۔

حضرت براء بن عازبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جو فرض نماز پڑھتے اس میں قنوت پڑھتے تھے۔ [۲]

اکثر معاملات میں کہا جاتا ہے کہ فلاں چیز بعد میں منسوخ ہوگئی تھی۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ دعائے قنوت بھی بعد میں منسوخ ہوگئی ہو؟ آیئے احتیاط کے پیش نظر اس کا بھی جائزہ لے لیں۔

عن انسؓ قال ان رسول الله ﷺ ماذال يقنت حتى مات و ابوبكر و عمر بن الخطاب حتى مات۔

حضرت انسؓ نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ برابر قنوت پڑھتے رہے، یہاں تک کہ آپؐ نے رحلت فرمائی۔ اور حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمر بن خطابؓ بھی مرتے وقت تک نماز میں قنوت پڑھتے رہے۔ [۳]

ان تمام حدیثوں سے یہ بات واضح ہوگئی کہ رسولؐ اللہ نے اپنی تمام حیات مبارکہ میں ہر نمازِ پنجگانہ میں دعائے قنوت پڑھنا جاری رکھا۔ اور یہی عمل حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کا بھی رہا۔

---

[۱] صحیح مسلم جلد۲۔ ص۲۰۳ باب **القنوت** ، سنن ابوداؤد جلد اول۔ ص۵۳۹ حدیث ۱۴۲۶ طبع لاہور

[۲] علامہ ابوبکر سیوطیؒ کی تفسیر درمنثور جلد اول۔ ص۷۹۳ طبع لاہور ، سنن دارقطنی جلد۲۔ ص۳۷ طبع مصر

[۳] تفسیر درمنثور جلد اول۔ ص۷۹۳ طبع لاہور ، سنن کبریٰ از بیہقی جلد۲۔ ص۲۰۲ مطبوعہ دارالفکر بیروت

نماز وتر میں قنوت :

عن ابی الحوراء قال الحسن بن علی علمنی رسول الله صلعم کلمات اقولهن فی الوتر اللهم اهدنی فیمن هدیت..............الخ

حضرت حسن بن علیؓ فرماتے ہیں کہ مجھ کو رسولؐ اللہ نے وتر کی نماز کے قنوت میں پڑھنے کیلئے یہ کلمات سکھائے **اللهم**--------------الخ [۱]

رسولؐ اللہ نے تمام نمازوں میں اپنے وصال تک باقاعدگی سے قنوت پڑھا۔ اس جائزے کے بعد اب اس بات کی تحقیق کرتے ہیں کہ قنوت نماز میں کب پڑھا جائے؟۔

قنوت رکوع سے پہلے یا بعد؟۔

محمد بن سیرین سے روایت ہے کہ حضرت انسؓ بن مالک سے پوچھا گیا کہ کیا نبی کریمؐ صبح کی نماز میں قنوت پڑھتے تھے؟۔ فرمایا: ہاں پوچھا گیا کہ کیا رکوع سے پہلے قنوت پڑھی؟۔ فرمایا کہ رکوع سے تھوڑا بعد۔

مندرجہ بالا حدیث میں حضرت انسؓ کے حوالے سے بیان کیا گیا کہ رسولؐ اللہ قنوت رکوع کے بعد پڑھا کرتے تھے۔ لیکن جب اس روایت کا ذکر حضرت انسؓ کے سامنے کیا گیا، تو انہوں نے پُرزور تردید فرمائی۔ اور یہ بات ان (انسؓ) سے منسوب کرنے والے کو جھوٹا قرار دیا۔

حدثنا مسندد قال حدثنا عبدالواحد قال حدثنا عاصم قال سالت انس بن مالك عن القنوت فقال قد كان القنوت قبل الركوع او بعده قال قبله۔ قال فان فلاناً اخبرنی عنك انك قلت بعد الركوع فقال كذب ۔

عاصم سے روایت ہے کہ میں نے حضرت انسؓ بن مالک سے قنوت کے متعلق پوچھا۔ فرمایا: قنوت پڑھی جاتی تھی۔ عرض گزار ہوا کہ رکوع سے پہلے یا بعد؟۔ فرمایا کہ پہلے۔

---

[۱] سنن ابوداؤد جلد اول۔ ۵۳۲ **باب مایقراء فی الوتر حدیث** ۱۴۱۱ ، جامع ترمذی جلد اول۔ ص ۲۳۰

میں نے کہا کہ فلاں نے تو آپ کی طرف سے بتایا ہے کہ آپ رکوع کے بعد فرماتے ہیں۔
فرمایا: جھوٹ بولتا ہے۔ [1]

اس کے بعد آپ (انسؓ) نے اس کی تصریح کرتے ہوئے بیان فرمایا:

انما قنت رسول الله صلعم بعد الركوع شهراً اراه كان بعث قوما يقال لهم القرآء زهآء سبعين رجلًا الى قوم من المشركين دون اولئك و كان بينهم و بين رسول الله صلعم عهداً فقنت رسول الله صلعم شهرا يدعوا عليهم۔

بیشک رسول اللہ ﷺ نے رکوع کے بعد صرف ایک مہینہ قنوت پڑھی۔ میرے خیال میں آپؐ نے قاریوں کے ستر افراد کو مشرکوں کی ایک قوم کے پاس بھیجا تھا۔ جب کہ اُن کے اور رسولؐ اللہ کے درمیان معاہدہ تھا۔ پس رسولؐ اللہ نے ایک مہینے قنوت پڑھی اور اُن مشرکوں کی بربادی کیلئے دعا فرمائی۔ [2]

یعنی حضرت انسؓ نے بڑی وضاحت سے بتایا کہ رسولؐ اللہ کا رکوع سے پہلے قنوت پڑھنا معمول تھا۔ البتہ صرف ایک مہینہ آپؐ نے قنوت رکوع کے بعد پڑھی۔ جس میں آپؐ نے مشرکین کیلئے بدعا فرمائی ہے۔

اس حدیث پر ہم بعد میں گفتگو کریں گے۔ پہلے سنت رسولؐ کی روشنی میں صحابہ کرامؓ کے عمل کا جائزہ لے لیں۔

صحابہ کرامؓ کا عمل :

رسولؐ اللہ کے رکوع سے پہلے قنوت پڑھنے کی تصدیق صحابہ کرامؓ کے عمل سے بھی ہوتی ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کے انتقال تک اپنی نمازوں میں قنوت پڑھنے کی روایت کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔

ا۔ طارق قال صليت خلف عمر ابن الخطاب صلوة الصبح فما فرغ

---

[1] و [2] صحیح بخاری جلد اول۔ ص۴۳۷، باب القنوت قبل الركوع و بعده حدیث ۹۴۵

من القراءۃ فی الرکعتہ الثانیۃ کبرثہ قنت ثم کبر فرکع ۔

طارق بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر ابن خطابؓ کے ساتھ نماز صبح پڑھی ۔ جب وہ دوسری رکعت کے دونوں سورے پڑھ چکے، تو تکبیر کہہ کر قنوت پڑھا۔ پھر تکبیر کہہ کر رکوع میں گئے۔ [۱]

۲۔ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ نماز میں قنوت ہاتھ اُٹھا کر رکوع سے پہلے پڑھا کرتے تھے ۔ [۲]

۳۔ اُم المومنین حضرت عائشہؓ ہر نماز میں ہاتھ اُٹھا کر قنوت پڑھا کرتی تھیں۔ [۳]

۴۔ حضرت ابوحلیمہؓ ومعاذؓ دعائے قنوت میں آنحضرت ﷺ اور اُن کی آل پر دُرود پڑھا کرتے تھے۔ [۴]

اہل بیتؑ اور قنوت :

۱۔ کنز العمال، امام ابوبکر ابن شیبہؒ کی کتاب 'المصنف' اور جمع الجوامع میں حضرت عبدالرحمٰن بن معقلؓ سے روایت ہے کہ حضرت علی بن ابی طالبؑ ہر نماز کی دوسری رکعت میں ہاتھ اُٹھا کر دعائے قنوت پڑھا کرتے تھے۔

۲۔ ابی بصیر نے امام محمد باقرؑ سے پوچھا: قنوت کونسی نمازوں میں ہے؟ آپ نے فرمایا: تمام نمازوں میں ہے۔ [۵]

۳۔ یعقوب بن یقطین سے روایت ہے کہ میں نے ائمہ اہل بیت کے ساتویں امام موسیٰ کاظمؑ سے قنوت کے متعلق دریافت کیا کہ قبلِ رکوع ہے یا بعد رکوع؟۔

---

[۱] علامہ علی بن حسام متقی شافعیؒ کی کنز العمال جلد۴۔ ص۱۹ [۲] تفسیر ابن کثیر جلد اول۔ پارہ ۲۔ ص ۱۱۵

[۳] تاریخ المختصر فی الاخبار البشر ابو الفداء۔ ص۸۷۳ ، تاریخ کامل ابن اثیر جلد۳۔ ص۱۴۰

[۴] امام ذہبیؒ کی تذکرۃ الحفاظ جلد۳۔ ص۸۰۳ [۵] فروع کافی جلد دوئم۔ ص۱۰۶ طبع کراچی

فرمایا: قبلِ رکوع قرآت کے بعد۔ [١]

ان تمام احادیث وروایات کا جائزہ لینے کے بعد یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ رسولؐ اللہ نے اپنی تمام حیاتِ مبارک میں ہر نماز کی دوسری رکعت میں قرآت کے بعد اور رکوع سے پہلے قنوت با قاعدگی سے پڑھا۔ اور اسی سنت رسولؐ کے مطابق صحابہ کرام اور اہل بیت کا عمل رہا۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ قنوت کے دوران کیا کیا جائے؟۔

قنوت میں کیا کیا جائے؟۔

اس حدیث کا ہم نے پہلے بھی ذکر کیا ہے۔ یہاں صرف اس کا ترجمہ پیش کر رہے ہیں۔

> حضرت ابو ہریرۃؓ کہتے تھے کہ واللہ! میں تمہارے ساتھ نماز ادا کروں جو رسولؐ اللہ کی نماز کے قریب ترین ہو۔ پھر ابو ہریرۃؓ ظہر وعشاء اور صبح میں قنوت پڑھتے تھے اور مومنوں کیلئے دعا کرتے اور کافروں پر لعنت کرتے تھے۔ [٢]

ہر مکتبہ فکر کی کتابوں میں دورانِ نماز قنوت پڑھنے کی تائید موجود ہے کہ یہ عمل دورِ رسالتؐ اور اس کے بعد بھی صحابہ کرام و اہل بیت کا متفقہ معمول تھا۔

قنوت کے متعلق تفصیلی جائزہ لینے کے بعد سوال پیدا یہ ہوتا ہے کہ یہ متفقہ عمل کس زمانے میں اور کیوں ترک کر دیا گیا؟۔ اس حکم الٰہی اور سنت رسولؐ کے ترک کرنے کے پس پردہ کیا عوامل کار فرما تھے؟۔ آیئے ان عوامل کی تحقیق کرتے ہیں۔

---

[١] علامہ یعقوب الکلینیؒ کی فروع کافی جلد دوئم۔ ص ١٠٦

[٢] صحیح مسلم جلد دوئم کتاب **القنوت**۔ ص ٢٠٣ ، سنن ابوداؤد جلد اول پارہ ٩۔ ص ٥٣٩۔ حدیث ١٤٢٦

قنوت ترک کیوں اور کب ہوا؟۔

قنوت سے متعلق جن احادیث کا ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔ ان کے مطابق رسولؐ اللہ، صحابہ اور اہل بیت ہر نماز کی دوسری رکعت میں رکوع سے پہلے قنوت پڑھا کرتے تھے اور اس میں مومنین کیلئے دعا مانگا کرتے تھے۔ یہ عمل رسولؐ اللہ کے وصال کے بعد خلفائے راشدینؓ کے دور میں بھی اسی طرح جاری رہا۔ اور ان کے بعد حضرت معاویہ کے عہدِ حکومت میں بھی جاری رہا۔ لیکن اس فرق کے ساتھ کہ پہلے قنوت میں کافروں اور مشرکوں پر لعنت کی جاتی تھی۔ لیکن اب قنوت میں اہل بیتِ رسول ﷺ اور خصوصاً حضرت علیؑ اور ان کے ساتھیوں پر لعنت کی جانے لگی۔

> ’’ حضرت معاویہ دعائے قنوت پڑھتے وقت حضرت علیؑ، امام حسنؑ و امام حسینؑ،
> عبداللہ ابن عباسؓ اور حضرت مالک اشترؓ پر لعنت و تبّرا بھیجا کرتے تھے‘‘۔ [1]

یہاں کسی کے ذہن میں یہ خیال پیدا ہو سکتا ہے کہ نماز میں ہر تبدیلی کا الزام حضرت معاویہ کی طرف جا رہا ہے۔ اس کا ہم کیا کریں کہ حقیقت کسی کی خواہش کے تابع نہیں ہوتی۔ حقیقت بڑی بے رحم اور خود سر ہوتی ہے۔ ہمارے ماننے یا نہ ماننے سے اس پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ایک مسلمان کو دلچسپی صرف حکم الٰہی و سنت رسولؐ سے ہونی چاہیئے۔ جو ہماری نجات کا ذریعہ ہے۔ اور جو ان کا پابند ہوگا وہ ہمارے لئے قابلِ احترام ہوگا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مسلمان کو اطاعت رسولؐ کی تاکید فرمائی ہے۔ انسان جو بوتا ہے وہی کاٹتا ہے۔ بہر حال

حضرت معاویہ نے ان حضرات پر لعنت تبّرا نہ صرف خود بھیجا، بلکہ اپنے حُکام کے ذریعے لوگوں کو مجبور کیا کہ وہ یہ مکروہ عمل اختیار کریں۔ جن لوگوں نے انکار کیا۔ ان کو زنداں کی مصیبتوں اور موت کی اذیتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ تمام مسجدوں میں منبر رسولؐ پر خطبوں میں کھلم کھلا حضرت علیؑ پر سَب و شتم کیا جاتا تھا۔ اور ان ہی مسجدوں میں دورانِ نماز دعائے قنوت کے بجائے قنوت میں ان حضرات پر لعنت و تبّرا بھیجا جاتا تھا۔

---

[1] تاریخ کامل ابن اثیر جلد سوئم۔ ص ۱۳۳ طبع مصر

> امام ابن شہاب زہریؒ بیان فرماتے ہیں کہ ''امیر معاویہ کے دور میں لوگوں کو مجبور کیا جاتا تھا کہ وہ نمازوں میں دورانِ قنوت حضرت علیؓ و اولادِ علیؓ اور حضرت علیؓ کے ساتھیوں پر لعنت بھیجیں''۔ [۱]

یہ باتیں تعجب کا باعث نہیں ہونا چاہئیں۔ کیونکہ حضرت معاویہ کی حضرت علیؓ سے بغض و عداوت کھلی ہوئی حقیقت ہے۔ جس کا اندازہ احادیث اور تاریخ کی تمام کتابوں میں موجود حالات و واقعات سے ہو جاتا ہے۔ جن میں چند کا ذکر ہم نے بسم اللہ کے باب میں پچھلے صفحات پر کیا۔

> حضرت علیؓ اور ان کے ساتھیوں پر سَب و شتم کا یہ سلسلہ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے دورِ حکومت تک جاری رہا۔ انہوں نے اپنے دور میں اس مکروہ بدعت پر پابندی عائد کی۔ [۲]

اور اس کے ساتھ ساتھ قنوت میں بھی ان حضرات پر لعنت کرنے پر پابندی عائد کر دی گئی، اس پابندی کا نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ لوگوں نے حالتِ قنوت میں کوئی دعا پڑھنے کے بجائے خاموشی اختیار کر لی۔ اور رفتہ رفتہ قنوت پڑھنے کو ہی ترک کر دیا گیا۔

قنوت کے ترک کرنے کی واضح وجوہات بیان کرنے کے بجائے لفظ ''قنوت'' کے معنی و مطالب کی بحث شروع کر کے اپنی اپنی تاویلوں اور منطقوں کے ذریعے اتنا الجھاؤ پیدا کر دیا گیا کہ اصل چیز ان بحثوں میں اوجھل ہو گئی۔

قنوت کے معنی اطاعت و خاموشی؟۔

قنوت کے معنی کبھی اطاعت کے اور کبھی چُپ رہنے کے بیان کئے جاتے ہیں۔ [۳]

---

[۱] امام ابن حمزہ مدنی کی بدعات فی السنہ۔ ص ۳۱۵ ، تاریخ ملوکیت فی الاسلام۔ ص ۶۷۲

[۲] طبقات ابن سعد جلد ۵۔ ص ۵۷۱ ، تاریخ خمیس جلد ۲۔ ص ۳۵۴

[۳] تفسیر ابن کثیر جلد اول ، احسن التفاسیر جلد اول ، تفسیر معارف القرآن جلد اول ، تفسیر تفہیم القرآن جلد اول میں سورہ بقرہ کی آیت ۲۳۸ کے ضمن میں

اگر قنوت کے ان معنوں پر آپ غور فرمائیں، تو قنوت کے ترک کرنے کی وجوہات جو ہم نے تاریخی حوالوں سے بیان کی، ان کی تصدیق ہو جاتی ہے۔ اگر قنوت کا مطلب چُپ رہنے کے ہیں، تو سنت رسولؐ تو یہ نہیں تھی۔ بلکہ رسولؐ اللہ قنوت میں کچھ پڑھ کر دعا مانگا کرتے تھے۔ جن کی متعدد احادیث پچھلے صفحات پر پیش کی گئیں۔

عن ابی هريره قال كان النبى صلى الله عليه وسلم يدعوا فى القنوت ...... الخ

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ قنوت میں دعا مانگا کرتے تھے۔ [۱]

کوئی ایک صحیح حدیث بھی ایسی نہیں ملتی جس میں رسولؐ اللہ کے حالتِ قنوت میں چُپ رہنے کا ذکر ہو۔ قنوت کا مطلب جو علماء و مفسرین ''چُپ رہنے'' کے بیان کر رہے ہیں۔ وہ سنت رسولؐ کے صریحاً خلاف ہے۔

قنوت کے معنیٰ لغت سے کیوں؟۔

مختلف عبادات کیلئے جتنے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ ان کے مطلب و معنیٰ لغت میں تلاش کرنے سے ان کے صحیح مفہوم تک نہیں پہنچا جا سکتا۔ مثلاً لفظ ''صلوٰۃ'' کو اگر لغت میں دیکھا جائے، تو اس کے معنیٰ ''دعا'' کے ہیں۔ لغت کے معنیٰ کے مطابق کوئی شخص چلتے پھرتے دعا کر لے، اور دعویٰ کرے کہ اس نے نماز ادا کر دی، تو مسلمانوں کے کسی بھی مسلک و فقہ میں اس کی دعا کو نماز کا متبادل نہیں مانا جائے گا۔ حالانکہ لغت کے معنیٰ کے مطابق اس نے صلوٰۃ (دعا) ادا کی۔ اس چیز کو علماء و مفسرین بہت اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ صلوٰۃ کے یہ معنیٰ نماز کے صحیح مفہوم کی عکاسی نہیں کر سکتے۔ اسی لئے عبادات کیلئے استعمال ہونے والے الفاظ کا ترجمہ لغت سے نہیں کیا جاتا بلکہ ان کا ترجمہ سنت رسولؐ کی روشنی میں کیا جاتا ہے۔ کیونکہ سنت رسولؐ کی روشنی میں لفظ ''صلوٰۃ'' صرف دعا کے معنیٰ میں استعمال نہیں ہوتا۔ بلکہ شریعت میں قیام و رکوع و سجود اور دیگر مخصوص افعال کو صلوٰۃ کہتے ہیں۔ اس لئے کسی مسلمان مترجم نے صلوٰۃ کا ترجمہ لغت سے نہیں کیا۔ بلکہ صلوٰۃ کا ترجمہ ہمیشہ سنت رسولؐ کی روشنی میں یا تو صلوٰۃ ہی رہنے دیا۔ یا اس کا ترجمہ ''نماز'' کیا۔

---

[۱] صحیح بخاری جلد دوئم۔ ص ۱۰۹ ، صحیح مسلم جلد ۲۔ ص ۲۰۴ ، سنن ابوداؤد جلد اول۔ ص ۱۸۲

اسی طرح لفظ ''قنوت'' کا ترجمہ یہاں بھی لغت سے کرنا مناسب نہیں بلکہ اس کا ترجمہ بھی صلوۃ کی طرح لغت کے بجائے سنت رسولؐ کی روشنی میں کرنا پڑے گا۔ کیونکہ لفظ ''قنوت'' کے معنی لغت میں اطاعت اور چُپ رہنے کے ہیں۔ لیکن شریعت کی اصطلاح میں قنوت کا مطلب وہ مخصوص عمل ہے، جو رسولؐ اللہ نے ساری حیاتِ مبارکہ میں ہر نماز کی دوسری رکعت کے رکوع سے پہلے جاری رکھا، اور اس میں دعا فرمائی اور اس سنت رسولؐ کے مطابق آپؐ کے وصال کے بعد بھی یہ عمل لوگوں کا معمول رہا۔

ان تمام چیزوں کو اچھی طرح جاننے کے باوجود، بعد کے آنے والے علماء و مفسرین کا قنوت کے ترجمے میں سنت رسولؐ اور صحابہ کرام و اہل بیت کے معمول کے بجائے لغت سے مدد لینا واضح نشاندہی کرتا ہے کہ یہ علماء کوئی بات اپنے مقلد سے مخفی رکھنا چاہتے ہیں۔

اس کا دوسرا پہلو :

اس بات کا ہم دوسرے طریقے سے بھی جائزہ لے سکتے ہیں۔ بالفرضِ محال تھوڑی دیر کیلئے لفظ ''قنوت'' کا ترجمہ لغت سے کرنے کو صحیح مان لیں، تو مختلف لغات میں قنوت کے معنی یہ بیان ہوئے ہیں۔

قنوت : ۱۔ اطاعت و عاجزی ، ۲۔ چُپ رہنا ، ۳۔ خشوع و خضوع

لغت کی روح سے قنوت کے معنی پر غور کریں، تو ان تمام (تینوں) باتوں کا ہر نمازی اپنی تمام نمازوں میں خیال رکھتا ہے۔ اور اگر خیال نہیں رکھتا، تو رکھنا چاہئے۔ اس میں کسی خاص نماز یا خاص حالات کی کوئی قید نہیں۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر وہ کون سا قنوت ہے۔ جس میں یہی علماء و مفسرین خاص حالات و مخصوص نماز کی قید لگاتے ہیں؟۔ کہ فلاں نماز کی فلاں رکعت میں پڑھا جائے۔ جب قنوت کے معنی ہی چُپ رہنے اور عاجزی کے ہیں، تو اس کے پڑھنے کا کیا مطلب ہوا؟۔

ایک غلطی کی پردہ پوشی

اب دو باتوں میں سے ایک بات ہمیں ماننا پڑے گی۔

۱۔ کہ یا تو یہ علماء و مفسرین، سورہ بقر کی مذکورہ آیت کے نزول و معنی کو (معاذ اللہ) رسولؐ اللہ و صحابہ کرام اور اہل بیت کے مقابلے میں زیادہ صحیح طور پر سمجھے؟۔ کیونکہ رسولؐ اللہ اور یہ حضرات ہر نماز کی دوسری رکعت کے رکوع سے پہلے دونوں ہاتھ اٹھا کر دعائے قنوت پڑھتے تھے۔ تو ان تمام حضرات کا (معاذ اللہ) دعائے قنوت پڑھنا باطل تھا؟۔

۲۔ یا پھر ان علماء و مفسرین نے ایک تاریخی غلطی پر پردہ ڈالنے کیلئے حقیقت کے برخلاف قنوت کے معنی سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کی۔ اس سلسلے میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ قنوت کے بارے میں بعد کے آنے والے علماء کو علم نہیں تھا۔ دراصل قنوت کا مطلب سنت رسولؐ کے بجائے صرف لغت سے بیان کرنے میں ان کی مجبوری تھی۔ جب یہ بات طے شدہ اور یقینی ہے کہ دین کے معاملے میں کوئی شخص رسولؐ اللہ سے زیادہ نہیں جان سکتا، تو پھر ماننا پڑے گا کہ دورانِ قنوت کوئی ایسا (قولی) عمل رائج کر دیا گیا تھا کہ جس پر پابندی کے بعد قنوت کا مطلب لغت کی مدد سے ''چُپ رہنا'' تصور کیا جانے لگا۔ اور باقی ماندہ علماء نے رفتہ رفتہ قنوت کو ہی ترک کر دیا گیا۔

اور بعد کے زمانے میں آنے والے علماء نے اس ترکِ حکم الٰہی اور سنت رسولؐ کی تائید میں قنوت کا مطلب سنت رسولؐ کے بجائے لغت کی مدد سے سمجھنا اور سمجھانا شروع کر دیا۔ اور یہ سلسلہ آج تک جاری ہے۔

جو علماء قنوت کے پڑھے جانے سے انکار نہیں کر سکے۔ انہوں نے اس پر بحث شروع کر دی کہ قنوت کون سی نماز میں اور کب پڑھا جائے؟۔ اور کن حالات میں پڑھا جائے؟۔ واضح سنت رسولؐ، حدیثوں کی صورت میں موجود ہونے کے باوجود، اس کا اختیار بھی اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔

قنوت اور ائمہ اربعہؒ :

امام اعظم ابوحنیفہؒ :

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک وتر کی تیسری رکعت میں قرأت کے بعد رکوع سے پہلے دعائے قنوت کا پڑھنا واجب ہے۔ [۱]

امام احمد بن حنبلؒ :

امام حنبلؒ کے مطابق وتر میں قنوت پڑھنا سنت ہے۔ [۲]

امام شافعیؒ :

امام شافعیؒ کے نزدیک بلند آواز سے دعائے قنوت پڑھنا سنت ہے۔ مگر ماہ رمضان کی وتر کی تیسری رکعت میں۔ اور نماز فجر میں مسنون ہے۔ لیکن آخری رکعت کے رکوع کے بعد، اور دعائے قنوت کے بعد رسولؐ اللہ اور انکی آل پر دُرود کو سنتِ ابعاض کہتے ہیں۔ [۳]

رسولؐ اللہ کی نماز وتر میں دعائے قنوت پڑھنے سے استدلال قائم کیا گیا۔ لیکن دیگر نمازوں میں دعائے قنوت پڑھنے کو نظرانداز کردیا گیا۔ جبکہ امام شافعیؒ نے نماز فجر میں بھی اس کا پڑھنا سنت قرار دیا۔ لیکن آخری رکعت کے رکوع کے بعد، حضرت انسؓ بن مالک کی حدیث جو گزشتہ صفحات پر ہم نے پیش کی۔ جس میں انہوں نے خود تردید فرمائی، کہ رسولؐ اللہ نے قنوت رکوع سے پہلے پڑھا۔ اور اسی کے مطابق صحابہ کرام میں حضرت عمرؓ بن خطاب اور عبداللہ ابن عباسؓ اور دیگر صحابہ و اہل بیت کا عمل رہا۔ جن کا گزشتہ صفحات پر ذکر کیا گیا۔ یہاں صرف حضرت انسؓ کی حدیث کا ترجمہ پیش کررہے ہیں۔

”عاصم سے روایت ہے کہ میں نے حضرت انسؓ بن مالک سے قنوت کے متعلق

---

[۱] کتاب الفقہ علی المذاھب الاربعہ جلد اول۔ ص ۳۸۰ ، ۵۳۳ (جامعۃ الازہر)

[۲] کتاب الفقہ علی المذاھب الاربعہ جلد اول۔ ص ۳۹۴

[۳] کتاب الفقہ علی المذاھب الاربعہ جلد اول۔ ص ۳۸۶ ، تفسیر ابن کثیر جلد اول۔ ص ۱۱۵

> پوچھا فرمایا کہ قنوت پڑھی جاتی تھی۔ عرض کیا کہ رکوع سے پہلے یا بعد؟ فرمایا پہلے۔ میں نے کہا فلاں نے تو آپ کی طرف سے بتایا ہے کہ آپ رکوع کے بعد فرماتے ہیں۔ فرمایا جھوٹ بولتا ہے۔ [1]

اس حدیث میں حضرت انسؓ نے اس کی بھی تصریح فرمائی کہ رسولؐ اللہ نے رکوع کے بعد قنوت صرف ایک مہینے پڑھا۔ اور ساری حیاتِ مبارکہ قنوت رکوع سے پہلے پڑھتے رہے۔

یہ کتنی بڑی زیادتی ہے کہ رسولؐ اللہ کی ساری حیاتِ مبارک کے عمل کو نظر انداز کر کے صرف اس ایک مہینے کے عمل کو اپنے استدلال کی بنیاد بنالیا جائے۔ اور باقی لوگوں نے دعائے قنوت کو بالکل نظر انداز کر دیا۔ اور اس کی وجوہات میں دو تاویلیں پیش کرتے ہیں۔

۱۔ جب آفت نازل ہو یا دشمنانِ اسلام کا غلبہ یا قحط ہو۔ اس میں بھی پیش امام کو اختیار ہے کہ امام قنوت پڑھے یا نہیں۔ [2]

۲۔ کسی حالت میں نہ پڑھے۔ [3]

ان دونوں تاویلوں کا جائزہ لے لیں۔ دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ یعنی اہمیت حکم الٰہی اور سنت رسولؐ کی نہیں بلکہ اپنی تاویلوں کی ہے۔ حالانکہ سورہ بقر کی آیہ مبارکہ (۲۳۸) میں تمام نمازوں کے ذکر کے ساتھ قنوت پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس میں کسی خاص حالات و واقعات کا ذکر نہیں کہ فلاں حالات درپیش ہوں، تو دعائے قنوت پڑھو اور اگر نہ ہوں تو پڑھنا چھوڑ دو۔ اور اسی کے مطابق سنت رسولؐ بھی ہے کہ آپ ﷺ نے تمام نمازوں میں مستقل دعائے قنوت پڑھی۔

---

[1] صحیح بخاری جلد اول۔ ص ۴۳۷ حدیث ۹۴۵ طبع لاہور

[2] و [3] شرح صحیح مسلم امام نووی جلد دوئم۔ ص ۲۰۲ طبع لاہور

دُعائے قنوت کس طرح پڑھی جائے؟۔

جو دوست اس حکم الٰہی اور سنت رسولؐ پر عمل کرنا چاہیں، تو ہر نماز کی دوسری رکعت میں قرأت کے بعد ہاتھ چہرے کے مدمقابل بلند کریں اور دونوں ہتھیلیاں ملا کر آسمان کی طرف رکھیں۔ اور انگوٹھے کے علاوہ باقی انگلیاں ملی ہوئی ہوں۔ اور نمازی کی نظر ہاتھوں کی ہتھیلیوں پر رہیں جس طرح دُعا مانگی جاتی ہے۔ اور قرآنِ مجید میں موجود مختلف انبیاء کی دعاؤں میں سے جو دُعا مناسب سمجھیں، اس کو پڑھیں۔ جس دعائے قنوت کی کثرت سے روایات ملتی ہیں وہ یہ ہے۔

رَبَّنَا اغْفِرْلِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَ لِلْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابَ (سورۂ ابراہیم ۱۴ آیت ۴۱)

اے ہمارے پالنے والے قیامت کے دن، ہم کو اور ہمارے والدین اور تمام مومنین کو بخش دے۔

رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِی☆ وَ یَسِّرْ لِیْٓ اَمْرِی☆رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا☆ (سورۂ طٰہٰ ۲۰ آیات ۲۵، ۲۶، ۱۱۴)

اے ربّ تو میرے سینے کو کشادہ فرما، اور میرے کام میرے لئے آسان کردے۔ میرے علم میں اضافہ فرما۔

اس دعا کے بعد رسولؐ اللہ اور ان کی آلِ پاک پر دُرود پڑھنے کے بعد تکبیر کہہ کر رکوع میں جائیں۔ ہر دعا کی طرح دعائے قنوت میں بھی رسولؐ اللہ اور ان کی آلِ پاک پر دُرود پڑھنے کی احادیث تواتر کے ساتھ ملتی ہیں۔ اور صحابہ کرامؓ کا یہ معمول تھا کہ دعائے قنوت سمیت ہر دعا کے بعد رسولؐ اللہ اور ان کی آل پر دُرود بھیجا کرتے تھے۔

قدیم شافعی عالم امام نوویؒ لکھتے ہیں کہ ''قنوت میں رفع یدین مستحب ہے۔ اور قنوت ختم کرنے کے بعد منہ پر ہاتھ پھیرے اور بعضوں نے ہاتھ پھیرنا بھی مستحب کہا ہے۔ [۱]

> حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسولؐ اللہ نے ارشاد فرمایا: جب تو اللہ سے دعا کرے تو اپنی ہتھیلیوں کے ساتھ کر اور پشت کے ساتھ نہ کر اور جب (دعا سے) فارغ ہو تو اپنی چہرے پر مل لے۔ [۲]

---

[۱] شرح صحیح مسلم امام نووی جلد دوئم۔ ص ۲۰۲ طبع لاہور

[۲] سنن ابن ماجہ جلد اول۔ ص ۳۵۰ باب من رفع یدیه فی الدعاء و مسح بهما وجهه، حدیث ۱۲۳۲

باب۔ ۹

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سجدہ

اسلام کے تمام مکاتبِ فکر کے نزدیک سجدہ نماز کا اہم ترین رکن ہے۔ جس کے بغیر نماز کا تصور ہی نہیں۔ نماز بندے اور معبود کے درمیان براہ راست تعلق کا نام ہے۔ اور اس براہ راست تعلق میں سجدہ وہ رکن ہے جس میں بندہ اپنے خالق سے قربت کی جس منزل پر ہوتا ہے وہ منزلت دیگر ارکان میں میسر نہیں آتی۔ سجدے میں بندہ اپنے معبودِ حقیقی کی بارگاہ میں عبدیت کی معراج پر فائز ہوتا ہے۔ جہاں جبینِ نیاز کو اپنے خالق کے حضور زمین بوس کر کے اپنے معبود کے بزرگ و برتر ہونے کا اقرار کرتا ہے۔ معبود کے نزدیک اس رکنِ عبادت کی اتنی اہمیت ہے کہ تمام عبادات کا دارومدار صرف اس ایک عمل پر منحصر ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ سجدہ نماز کی روح ہے تو بے جا نہ ہوگا۔

اس اہم ترین رکنِ نماز کی بجا آوری کے وقت کیا ہم حقِ سجدہ ادا کر پا رہے ہیں؟۔ اور کیا وہ طریقہ قائم کیے ہوئے ہیں، جس کی تعلیم ہم کو پیغمبر اسلامؐ نے عطا فرمائی؟۔

آیئے ہم تحقیق کرتے ہیں کہ پیغمبر اسلامؐ کی سجدے کے متعلق کیا تعلیم تھی۔ اور ہم کیا کر رہے ہیں؟۔

سجدے میں جانے کے دو طریقے :

سجدے کے موضوع کا تفصیلی جائزہ لینے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ سجدے میں جانے سے متعلق جو فرق ہے، اس کا جائزہ لے لیں۔ اس میں بھی دو طریقے رائج ہیں۔

۱۔ سجدے میں جاتے وقت پہلے گھٹنوں کو زمین پر ٹکاتے ہیں۔ اس کے بعد ہاتھ زمین پر رکھتے ہیں۔

۲۔ سجدے میں جاتے وقت پہلے ہاتھوں کو زمین پر ٹکاتے ہیں۔ اس کے بعد گھٹنوں کو

زمین میں رکھتے ہیں۔

تیسرا طریقہ کوئی ہو نہیں سکتا۔ ورنہ وہ بھی رائج ہو چکا ہوتا۔ آیئے ان دونوں طریقوں پر تحقیق کرتے ہیں کہ کون سا طریقہ سنت رسولؐ کے مطابق ہے، اور کون سا ہماری اپنی ایجاد؟۔ ہم اپنی تحقیق کا آغاز پہلے طریقے سے کرتے ہیں۔

ائمہ اربعہؒ :

اس سلسلے میں ائمہ اربعہؒ کے درمیان اختلاف ہے۔ ائمہ اربعہؒ میں سے دو ائمہ، امام ابو حنیفہؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور بعض روایات کے مطابق امام شافعیؒ بھی پہلے طریقے کے قائل ہیں۔ ان ائمہ کا قول یہ ہے کہ پہلے گھٹنوں کو زمین پر رکھا جائے، پھر ہاتھوں کو۔ جبکہ امام مالکؒ اور اکثر روایات کے مطابق امام شافعیؒ بھی دوسرے طریقے کے قائل ہیں۔ [1]

پہلے طریقے کے قائل حضرات اپنے عمل کے استدلال میں یہ حدیث پیش کرتے ہیں۔

پہلے طریقے کی تائید کی حدیث :

حدثنا الحسن بن علی و حسین بن عیسیٰ قالا انا یزید بن ہارون انا شریك عن عاصم بن کلیب عن ابیه عن وآئل بن حجر قال رایت النبی ﷺ اذا سجد وضع رکبتیه قبل یدیه و اذا نهض رفع یدیه قبل رکبتیه۔

بیان کیا یزید بن ہارون نے شریک سے، انہوں نے عاصم بن کلیب سے، انہوں نے اپنے والد کلیب بن شہاب سے کہ حضرت وائل بن حجرؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسولؐ اللہ کو دیکھا جب آپ ﷺ سجدہ کرتے، تو دونوں گھٹنے ہاتھوں سے پہلے زمین پر رکھتے، اور جب اُٹھتے تو ہاتھ پہلے اُٹھاتے گھٹنوں سے۔ [2]

جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا کہ جب کسی حدیث سے استدلال و استنباط کیا جاتا ہے تو

---

[1] کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ جلد اول۔ ص۴۱۳ ، شرح سنن ابوداؤد جلد اول۔ ص۳۲۷ طبع لاہور

[2] سنن ابوداؤد جلد اول۔ ص۳۲۷ باب ۳۹۲ حدیث ۸۲۹ ، جامع ترمذی جلد اول۔ ص۱۶۱۔ ابواب الصلوٰۃ۔ باب ۱۹۵، حدیث ۲۳۴ طبع کراچی ، سنن ابن ماجہ جلد ۱۔ ص۲۷۷ حدیث ۹۲۹ طبع لاہور

دیگر باتوں کے علاوہ سب سے زیادہ جس چیز کا خیال رکھا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ حدیث کی سند صحیح ہو۔ یعنی حدیث کے راوی ایسے افراد ہوں جن پر اعتماد کیا جا سکے۔

مندرجہ بالا حدیث کی سند کے بارے میں جس کو سنن ابوداؤد اور جامع ترمذی کے حوالے سے بیان کیا گیا ہے۔ غور کرتے ہیں کہ آیا ان افراد کی بیان کردہ روایت کو مستند مانا جا سکتا ہے؟۔

اختصار کے پیش نظر ہم صرف تین راویوں کے بارے میں علمائے حدیث کی آراء پیش کر رہے ہیں۔

۱۔ عاصم بن کلیب ۲۔ شریک ۳۔ یزید بن ہارون

۱۔ عاصم بن کلیب :

ان کے بارے میں تفصیلی ذکر ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنے کی حضرت وائل بن حجرؓ سے منسوب سنن نسائی کی روایت کے ضمن میں ہو چکا ہے۔ مذکورہ روایت جس کا ہم جائزہ لے رہے ہیں۔ اس روایت کو عاصم بن کلیب اپنے والد کلیب بن شہاب کے حوالے سے بیان فرما رہے ہیں رسول اللہؐ کے جس عمل کا اس روایت میں ذکر ہو رہا ہے۔ اس عمل کا ذکر عاصم بن کلیب کے علاوہ کسی دوسرے راوی نے نہیں کیا، نہ حضرت وائلؓ سے اور نہ کسی دوسرے صحابی کے حوالے سے۔ یعنی اس عمل کے بیان کرنے میں عاصم منفرد ہیں۔

☆ امام بخاریؒ کے استاد امام علی بن مدینیؒ فرماتے ہیں ''لا یحتج به اذا انفرد'' ''جب یہ منفرد ہوں، تو ان سے احتجاج یعنی ان کی روایت کو دلیل بنانا درست نہیں''۔ [۱]

مذکورہ حدیث سے استدلال لینا درست نہیں ہے۔ کیونکہ اس کے راوی عاصم منفرد ہیں۔ ان کے علاوہ کسی نے رسول اللہؐ کے سجدے میں جاتے وقت ہاتھ سے پہلے گھٹنوں کو زمین پر رکھنے کی روایت نہیں کی۔ اور امام علی بن مدینیؒ کے مطابق ان کی بیان کردہ، ان روایات پر یقین

---

[۱] حافظ ابن حجر عسقلانی کی تہذیب التہذیب جلد ۵۔ ص ۴۹

کر کے دلیل بنانا درست نہیں، جن کے بیان کرنے میں عاصم منفرد ہوں۔

اس کے علاوہ جب کوئی روایت عاصم اپنے والد کلیب بن شہاب سے بیان کریں، تو اس روایت کے بارے میں امام ابوداوٗدؒ فرماتے ہیں۔

☆ **قال ابو عبید الآجری سمعت ابا داؤد یقول عاصم بن کلیب عن ابیه عن جده لیس بشی الناس یغلطون یقولون کلیب عن ابیه لیس هو ذاك ۔**

ابوعبید الآجری کہتے ہیں کہ امام ابوداوٗدؒ فرماتے تھے کہ عاصم بن کلیب اگر اپنے والد کلیب بن شہاب سے روایت کریں، تو یہ روایت صحیح نہیں۔ لوگ ان کی غلطی بیان کرتے ہیں کہ یہ روایت کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ کیونکہ عاصم کی کمسنی میں ان کے والد کا انتقال ہو گیا تھا۔ [1]

اس حدیث کے دوسرے راوی شریک ہیں۔ جنہوں نے عاصم بن کلیب سے یہ روایت کی۔

۲۔ **شریک** : ان کا پورا نام قاضی شریک بن عبداللہ ہے۔

☆ امام بخاریؒ، امام علی بن مدینیؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور امام دارقطنیؒ کے مطابق شریک ضعیف ہیں، کیونکہ وہ کثیر الغلط ہیں۔ یعنی حدیث بیان کرنے میں کثرت سے غلطیاں کیا کرتے تھے۔ [2]

☆ اور امام عبداللہ ابن مبارکؒ ان کے متعلق فرماتے ہیں " **لیس حدیث شریك بشئی** "۔ " شریک کی بیان کی ہوئی حدیث کی کوئی حیثیت نہیں"۔ [3]

☆ **وقال الدارقطنی "لیس شریك بالقوی فیما ینفردبه "**۔ اور امام دارقطنیؒ نے کہا " شریک جس حدیث کو بیان کرنے میں منفرد ہو، وہ حدیث قوی

---

[1] ابوعبید الآجری کی سوالآت الآجری لابی داؤد جلد ۳۔ ص ۱۶۷ طبع مصر

[2] میزان الاعتدال فی نقد الرجال جلد دوئم۔ ص ۲۷۰ ، سنن ابوداوٗد جلد اول۔ ص ۲۹۹، ۳۲۸ طبع لاہور

[3] میزان الاعتدال فی نقد الرجال جلد دوئم۔ ص ۲۷۰ طبع بیروت

نہیں مانی جاتی"۔ [1]

☆ **وقال الجوزجانی: " سیئی الحفظ مضطرب الحدیث مائل "**
اور امام جوز جانیؒ نے کہا کہ اس کا حافظہ خراب ہے۔ اور وہ مضطرب حدیثیں بیان کرنے کی طرف مائل ہے۔ [2]

تیسرے راوی یزید بن ہارون واسطی ہیں۔ جنہوں نے شریک بن عبداللہ سے یہ روایت سنی۔

۳۔ یزید بن ہارون واسطی :

☆ یہ بہت بڑے حدیثوں کے حافظ تھے۔ لیکن ان میں ایک نقص تھا۔ جس کی نشاندھی کرتے ہوئے امام یحییٰ بن معینؒ فرماتے ہیں۔ " یزید بن ہارون تمیز نہیں کرتے تھے اور انہیں اس کی پرواہ نہیں تھی کہ وہ کس سے روایت لے رہے ہیں۔ [3]

اس حدیث کے صرف راوی ہی ضعیف نہیں، بلکہ یہ حدیث دیگر معیار پر بھی پوری نہیں اترتی۔

۱۔ اس حدیث کے بیان کرنے میں عاصم بن کلیب منفرد ہے۔ امام علی بن مدینیؒ کے مطابق جب عاصمؒ کسی حدیث کو بیان کرنے میں منفرد ہوں، تو وہ حدیث دلیل بنانے کے لائق نہیں۔

۲۔ شریک کے علاوہ عاصم سے کسی دوسرے راوی نے یہ حدیث بیان نہیں کی۔ امام دارقطنیؒ کے مطابق جس حدیث کے بیان کرنے میں شریک منفرد ہوں وہ حدیث قوی نہیں۔

۳۔ دیگر باتوں کے ساتھ ساتھ قابلِ غور بات یہ ہے کہ یہ واحد حدیث ہے جو شریک نے عاصم بن کلیب سے روایت کی ہے۔ اس حدیث کے علاوہ کوئی اور حدیث

---

[1] و [2] میزان الاعتدال فی نقد الرجال جلد ۲۔ ص ۲۷۰ [3] تذکرۃ الحفاظ جلد اول۔ ص ۲۲۷

شریک نے عاصم سے روایت نہیں کی۔

اس حدیث کے بیان کرنے میں عاصم اور شریک دونوں منفرد ہیں۔ اس لئے جامع ترمذی میں یہ حدیث بیان کرنے کے بعد اسے غریب قرار دیا گیا ہے۔ [1]

دوسرا طریقہ :

سجدے میں جانے کے پہلے طریقے کا جائزہ لینے کے بعد، آیئے دوسرے طریقے یعنی سجدے میں جاتے وقت پہلے ہاتھوں کو زمین پر ٹکانے، اور اس کے بعد گھٹنوں کو زمین پر رکھنے کا جائزہ لیتے ہیں۔

پہلی قولی حدیث :

قال رسول الله اذا سجد احدكم يبرك كما يبرك البعير و ليضع يديه قبل ركبتيه۔

رسول اللہ نے فرمایا کہ جب تم سجدہ کرو، تو اُونٹ کی طرح بیٹھو، دونوں ہاتھوں
کو پہلے ٹیک دو، پھر گھٹنوں کو۔ [2]

دوسری قولی حدیث :

عن الاعرج عن ابی هریره قال قال رسول الله ﷺ يعمد احدكم في صلاته يبرك كما يبرك الجمل۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے کوئی نماز میں
اس طرح بیٹھتا ہے؟۔ جس طرح اونٹ بیٹھتا ہے۔ یعنی پہلے ہاتھ زمین پر رکھے،
پھر گھٹنے۔ [3]

---

[1] جامع ترمذی جلد اول۔ ص ١٦١

[2] مستدرک الحاکم جلد ٢۔ ص ٣٥٤

[3] سنن ابوداؤد جلد اول۔ ص ٣٢٨، **باب كيف يضع ركبتيه قبل يديه** حدیث ٨٣٢، سنن نسائی جلد اول۔ ص ٣٥٣ کتاب **الافتتاح** باب ٦٦٠ حدیث ١٠٩٤، جامع ترمذی جلد ١۔ ص ١٦٢ حدیث ٢٣٥

رسول ؐ اللہ کے حکم کے مطابق نمازی سجدے کی غرض سے جھکے، تو زمین پر پہلے اپنے ہاتھوں کو رکھے اور اس کے بعد اپنے گھٹنوں کو زمین پر رکھے۔ اور اس کو رسول ؐ اللہ نے اونٹ کی مثال دے کر سمجھایا ہے، کیونکہ اونٹ جب بیٹھتا ہے، تو پہلے اپنے اگلے پاؤں سمیٹ کر زمین پر رکھتا ہے، اور پھر پچھلے پیروں کو سمیٹ کر زمین پر رکھتا ہے۔ جتنے بھی حلال جانور ہیں۔ اُن سب کا یہی طریقہ ہے۔

کسی انسان کے بچے کو اگر آپ گرتے ہوئے دیکھیں، تو اس کی فطری کوشش ہوتی ہے کہ اس کے جسم سے پہلے اس کے ہاتھ زمین پر ٹک جائیں۔ اس میں بچے کی کوئی شعوری کوشش نہیں ہوتی۔ بلکہ اس کے ہاتھ خود بخود زمین کی طرف بڑھتے ہیں۔ یہ فطری عمل ہے۔ اسلام دین فطرت ہے۔ اس کے تمام احکامات فطرت کے عین مطابق ہیں۔

فعلی حدیث :

> حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول ؐ اللہ جب سجدے میں جاتے تو گھٹنوں سے پہلے اپنے ہاتھوں کو زمین پر رکھتے تھے۔ [۱]

عبادات میں کسی مقام پر بھی آپ کو فطرت سے ہٹ کر کوئی عمل نظر آئے، تو فوراً سمجھ لیں کہ یہ عمل اسلام کا نہیں ہو سکتا۔ اس میں ضرور حضرت انسان کی اپنی تاویل، یا اپنا قیاس کارفرما ہے۔

صحابہ کرامؓ کا عمل :

رسول ؐ اللہ کے حکم کے مطابق صحابہ کرامؓ کا عمل بھی یہی رہا۔ یہ تمام احادیث جو ہم یہاں پیش کر رہے ہیں رسول ؐ اللہ کے وصال کے بعد کے زمانے کی ہیں، جو واضح ثبوت ہیں کہ یہ عمل نہ تو رسول ؐ اللہ کے وصال تک اور نہ صحابہ کرامؓ کے زمانے میں منسوخ ہوا۔

---

[۱] صحیح ابن خزیمہ جزء اول۔ ص ۳۱۹

امام بخاریؒ اپنی صحیح میں نقل کرتے ہیں۔

۱۔ یھوی بالتکبیر حین یسجدو قال نافع کان ابن عمر یضع یدیه قبل رکبتیه۔

سجدے میں جاتے وقت تکبیر کہتا ہوا جھکے۔ نافع سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ گھٹنوں سے پہلے، اپنے ہاتھوں کو (زمین) پر رکھتے تھے۔ [1]

۲۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کہتے ہیں کہ رسولؐ اللہ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی سجدہ کرے تو ہاتھوں سے ابتداء کرے۔ [2]

کنز العمال اور مستدرک الحاکم میں حضرت عبداللہ ابن عباسؓ اور حضرت انسؓ بن مالک کے یہی طریقہ اختیار کرنے کی روایات موجود ہیں۔ [3]

اہل بیتؑ کا عمل :

حضرت عمران بن حصینؓ نے مسجد کوفہ میں حضرت علیؑ کے ساتھ نماز پڑھی، جب آپؑ سجدے میں جاتے، تو گھٹنوں سے پہلے ہاتھوں کو زمین پر جماتے، پھر گھٹنے زمین پر رکھتے۔ یہ ہی عمل حضرت ابن عباسؓ کا بھی تھا۔ [4]

مندرجہ بالا حدیث میں حضرت علیؑ کا یہ عمل ان کے زمانہ خلافت کا بیان کیا جا رہا ہے۔ یہ حدیث تردید ہے اس دعویٰ کی، جس میں کہا جاتا ہے کہ رسولؐ اللہ کے زمانے میں یہ طریقہ منسوخ ہو گیا تھا۔

ائمہ اہل بیتؑ کے اقوال کے مطابق نمازی جب سجدے میں جائے، تو پہلے زمین پر

---

[1] صحیح بخاری جلد اول۔ ص ۳۷۵ کتاب الاذان، باب ۵۱۹ ، فتح الباری جلد اول۔ ص ۴۳۹ ، امام شوکانیؒ کی نیل الاوطار جلد ۲۔ ص ۱۴۷

[2] نیل الاوطار جلد اول۔ ص ۲۱۳

[3] کنز العمال جلد اول۔ ص ۳۵۵ ، مستدرک الحاکم جلد اول۔ ص ۲۶۵

[4] امام ابن شیبہؒ کی **المصنف** جلد اول۔ ص ۲۲۷ ، کنز العمال جلد اول۔ ص ۳۵۶

اپنے ہاتھ رکھے، اس کے بعد اپنے گھٹنوں کو زمین پر رکھے۔ [۱]

امام مالکؒ اور ائمہ حدیث :

امام مالکؒ اور امام اوزاعیؒ اور دیگر ائمہ حدیث کی ایک بہت بڑی جماعت اس طریقے کی قائل ہے کہ پہلے ہاتھوں کو زمین پر رکھے پھر گھٹنوں کو۔ [۲]

رسالتمآب ﷺ کے حکم، صحابہ کرامؓ اور اہل بیتؓ کے عمل کا جائزہ لینے کے بعد یہ بات واضح ہوگئی کہ سجدے میں جاتے وقت نمازی زمین پر پہلے ہاتھ جمائے اور اس کے بعد اپنے گھٹنوں کو زمین پر رکھے۔ یہی سنت رسولؐ ہے اور یہی صحابہ کرام و اہل بیت کا عمل ہے۔ آیئے سجدے کے دیگر امور کا جائزہ لیتے ہیں کہ ان میں سنت رسولؐ اللہ کیا ہے؟۔

سجدہ کے دیگر اُمور

اس حدیث کو ہم نے ہاتھ کھول کر نماز پڑھنے کے باب میں سنن ابوداؤد اور جامع ترمذی کے حوالے سے تحریر کیا۔ اسی حدیث کے ایک جزو کو امام بخاریؒ تحریر کرتے ہیں۔

یستقبل باطراف رجلیه القبلة قالا ابو حمید عن النبی ﷺ

حضرت ابوحمید ساعدیؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ سجدے میں پیروں
کی انگلیاں قبلہ رخ رکھا کرتے۔ [۳]

سجدہ کن چیزوں پر؟۔

سجدے کے ضمن میں دوسرا اختلاف اس بات پر ہے کہ سجدہ کن چیزوں پر کیا جائے اور

---

[۱] علامہ یعقوب الکلینیؒ کی فروع کافی جلد دوئم۔ ص ۵۰ طبع کراچی

[۲] سنن ابوداؤد جلد اول۔ ص ۳۴۷ طبع لاہور [۳] صحیح بخاری جلد اول۔ ص ۳۷۹، باب ۵۲۲ طبع لاہور

کن چیزوں پر نہیں؟۔ اکثر مسالک کپڑے پر سجدے کو جائز قرار دیتے ہیں جبکہ دیگر مسالک کے نزدیک افضل ترین سجدہ مٹی پر ہے اور کپڑے پر سجدہ کرنا باطل ہے۔ آیئے احادیث کی روشنی میں سنت رسولؐ کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں کہ اس معاملے میں رسولؐ اللہ کا کیا طریقہِ کار تھا۔

ہم اپنی تحقیق کا آغاز اس عمل سے کرتے ہیں جو اکثر مسالک میں رائج ہے۔ یعنی کپڑے پر سجدہ کرنا۔

کپڑے پر سجدہ کرنا : پہلی حدیث

حدثنا ابو الوليد هشام بن عبدالملك قال نا بشر بن المفضل قال حدثني غالب القطان عن بكر بن عبدالله عن انس بن مالك قال كنا نصلي مع النبي صلعم فيضع احدنا طرف الثوب من شدهالحر في مكان السجود۔

بکر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ حضرت انسؓ بن مالک نے فرمایا: ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ نماز پڑھا کرتے، تو گرمی کی شدت کے باعث ہم میں سے ایک، اپنے کپڑے کے کنارے کو سجدے کی جگہ رکھ لیتا۔ [1]

روایت کا تجزیہ :

حضرت انسؓ بن مالک کی مندرجہ بالا روایت میں سب سے زیادہ غور طلب بات یہ ہے کہ اس میں جس عمل کا ذکر ہو رہا ہے۔ وہ رسولؐ اللہ کا عمل نہیں اور نہ ہی صحابہ کرامؓ کا عمل ہے۔ بلکہ صحابہ کرامؓ میں سے کسی ایک فرد کے عمل کا ذکر ہو رہا ہے۔

حدیث کے مطابق رسولؐ اللہ اور صحابہ کرامؓ زمین پر سجدہ کر رہے تھے کہ ان میں سے ایک صحابی کو گرمی کی شدت زیادہ محسوس ہوئی۔ اور انہوں نے اپنے کپڑے کو سجدے کی جگہ رکھ کر اس پر سجدہ کیا۔ جبکہ رسولؐ اللہ سمیت باقی افراد زمین پر ہی سجدہ کرتے رہے۔ صحیح بخاری کی اس

---

[1] صحیح بخاری جلد اول کتاب **الصلوۃ** باب ۲۶۴۔ ص ۲۴۷ حدیث ۳۷۵ طبع لاہور

حدیث میں ان صحابی کا نام نہیں۔ لیکن بعض کتابوں میں حضرت انسؓ کی یہی حدیث مروی ہے کہ جب راوی نے ان صحابی کا نام حضرت انسؓ سے دریافت کیا، تو انہوں نے ان صحابی کا نام افلحؓ بیان فرمایا۔

ہمارے لئے سب سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ ان صحابی کے کپڑے پر سجدہ کرنے کے عمل پر رسولؐ اللہ نے سکوت اختیار فرمایا، یا کوئی تنبیہہ فرمائی؟۔ اگر سکوت اختیار فرمایا، تو کپڑے پر سجدہ کرنا بحالت مجبوری جائز ہوگا۔ اور اگر آپ ﷺ نے تنبیہہ فرمائی، تو کپڑے پر سجدہ کرنا بحالتِ مجبوری بھی جائز نہیں ہوگا۔ وہ اس لئے کہ ان صحابی نے بھی بحالتِ مجبوری ہی کپڑے پر سجدہ کیا تھا۔

ایک ہی صحابی ہیں جنہوں نے کپڑے پر سجدہ کیا۔ اور انہی کا نام لے کر رسولؐ اللہ نے تنبیہہ فرمائی۔ اس حدیث کے خود حضرت افلحؓ راوی ہیں۔

عن افلح قال ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لافلح ترب وجهك في سجودك۔

رسولؐ اللہ نے فرمایا: اے افلح! سجدہ کی حالت میں اپنی پیشانی کو مٹی پر رکھا کرو۔ [۱]

رسول اللہ ﷺ کی تنبیہہ کے الفاظ پر غور فرمایئے یہ سخت تاکید ہے، تمام مسلمانوں کیلئے۔

اور ارشادِ ربُّ العزت ہے

وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ☆

جو تم کو رسولؐ دے دیں، وہ لے لیا کرو۔ اور جس سے منع کریں، اس سے باز رہو۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو، بیشک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔

سورہ حشر ۵۹ آیت ۷

---

[۱] امام شوکانیؒ کی نیل الاوطار جلد ۲۔ ص ۱۸ طبع مصر

کپڑے پر سجدہ کرنے کی دیگر حدیثیں :

حضرت انسؓ بن مالک کی حدیث کے علاوہ رسول اللہ ﷺ کے بستر پر نماز پڑھنے کی روایات کو استدلال میں پیش کیا جاتا ہے۔ ان روایات کا مختصر جائزہ آپ کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں، تاکہ آپ فیصلہ کرسکیں کہ یہ استدلال کہاں تک قوی ہے؟۔ کیونکہ ہمارا مقصد صرف اتنے سارے طریقہ ہائے نماز میں صلٰوۃ الرسول ﷺ کی تلاش ہے۔ تاکہ اپنی نماز کو اس کے مطابق ڈھال کر حق عبادت ادا کرسکیں۔ کیونکہ ہمیں پختہ یقین ہے کہ ہمارا صرف وہی طریقہِ نماز بارگاہِ الٰہی میں نجات کا ذریعہ بنے گا جس کا ہر عمل سنت رسولؐ کے عین مطابق ہو۔

بسترؒ پر نماز کی پہلی حدیث :

حدثنا اسمعیل قال حدثنی مالك عن ابی النضر مولٰی عمر بن عبیدالله عن ابی سلمة بن عبدالرحمن عن عائشه زوج النبی صلعم انها قالت کنت انام بین یدی رسول الله و رجلای فی قبلة فاذا سجد غمزنی فقبضت رجلی و اذا قام بسطتهما قالت و البیوت یومئذ لیس فیها مصابیح۔

ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کی زوجہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا: میں رسولؐ اللہ کے سامنے سویا کرتی اور میرے پیر آپؐ کے قبلہ کی طرف ہوتے۔ جب آپؐ سجدے میں جاتے ، تو مجھے دبا دیتے ۔ اور میں پیروں کو سکیڑ لیتی اور جب قیام فرماتے، تو پھیلا لیتی۔ وہ فرماتی ہیں کہ ان دنوں گھروں میں چراغ نہیں تھے۔ [1]

دوسری حدیث :

حدثنا یحییٰ بن بکیر قال نا اللیث عن عقیل عن ابن شهاب قال اخبرنی عروه بن زبیر ان عائشه اخبرته ان رسول الله صلعم کان یصلی وهی بینه و بین القبلة علی فراش اهله اعتراض الجنازه۔

---

[1] صحیح بخاری جلد اول۔ ص ۴۶ ۲ کتاب الصلوٰۃ ، حدیث ۳۷۲ طبع لاہور

عروہ بن زبیرؓ سے روایت ہے کہ حضرت عائشہؓ نے انہیں بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نماز پڑھتے اور وہ آپؐ کے اور قبلے کے درمیان فراش (بستر) پر جنازے کی طرح پڑی رہتی تھیں۔ [۱]

تیسری حدیث :

حدثنا عبدالله بن يوسف قال نا الليث عن يزيد عن عراك عن عروة بن الزبير ان النبی صلعم كان يصلی و عائشه معترضته بينه و بين القبله علی الفراش الذی ينامان عليه۔

عروہ بن زبیرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نماز پڑھا کرتے اور حضرت عائشہؓ آپؐ کے اور قبلے کے درمیان اس فراش پر لیٹی ہوتیں جس پر دونوں سویا کرتے تھے۔ [۲]

ان حدیثوں پر ایک نظر :

مندرجہ بالا احادیث کپڑے پر سجدہ کرنے کے استدلال کے طور پر پیش کی جاتی ہیں۔ ان حدیثوں کے مطالعہ سے آپ نے خود اندازہ لگالیا ہوگا کہ ان تینوں حدیثوں میں کہیں سجدے کے مقام کا ذکر نہیں۔ ان حدیثوں میں اس کا کوئی ثبوت نہیں کہ رسولؐ اللہ نے بستر پر نماز پڑھی، تو سجدہ بھی بستر پر ہی کیا ہو؟۔ کیونکہ اس زمانے میں بستر زمین پر ہوتے تھے، پلنگ یا مسہری پر نہیں۔ ان حضرات نے یہ بات خود تصور کرلی کہ چونکہ رسولؐ اللہ بستر پر نماز پڑھ رہے تھے، تو لازمی انہوں نے سجدہ بھی بستر پر ہی کیا ہوگا۔ حالانکہ نہ تو ان حدیثوں میں اس کا کوئی ثبوت ہے اور نہ ہی اس تصور کی تقویت کیلئے کوئی صحیح حدیث موجود ہے۔ جب بغیر دلیل کے یہ بات تصور کی جاسکتی ہے، تو اس بات کے تصور کرلینے میں بھی کوئی حرج نہیں کہ رسولؐ اللہ کے بستر پر نماز پڑھنے کے باوجود سجدہ بستر سے باہر زمین پر کیا ہو۔ جبکہ اس کی تائید (یعنی زمین پر سجدے) کی قولی اور فعلی حدیثیں تواتر سے موجود ہیں۔ جو اس بات کو تقویت پہنچاتی ہیں۔

---

[۱] و [۲] صحیح بخاری جلد اول۔ ص۲۴۶ کتاب **الصلوة، باب الصلوٰة علی الفراش** احادیث ۳۷۳، ۳۷۴ طبع لاہور

ان حدیثوں کا مقصد :

ان حدیثوں کو بیان کرنے کا مقصد اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کا کپڑے پر سجدہ کرنا ثابت کرنا نہیں تھا۔ جیسا کہ بعد کے علماء نے ان کا مطلب نکالا۔ بلکہ ان حدیثوں کو بیان کرنے کا مقصد :

۱۔ غیر فرض نماز کی گھروں میں ادائیگی کی ترغیب دلانا، خواہ جگہ کتنی ہی تنگ کیوں نہ ہو۔ (اس بارے میں حدیث رسولؐ بھی ہے کہ اپنے گھروں کو قبرستان نہیں بناؤ، بلکہ کچھ نمازیں گھروں میں بھی پڑھو)۔

۲۔ کسی نرم چیز پر نماز کی ادائیگی، جیسا کہ آج کل تمام مساجد میں جاءنماز یا قالین پر نماز کی ادائیگی ہورہی ہے، اس حدیث کی روشنی میں جائز ہے۔ لیکن ان نرم چیزوں پر نماز پڑھنے کے باوجود سجدہ ٹھوس چیز پر ہی جائز ہے۔ اور یہ چیزیں حکم رسولؐ کے مطابق مٹی (کا ڈلا) لکڑی کا ٹکڑا یا درخت کا پتا یا خمرہ ہیں۔ جس کی تفصیل اگلے صفحات پر آرہی ہے۔

راویوں کا نقطۂ نظر :

اس گفتگو کے آخر میں ان حدیثوں کے راویوں کے نقطہ نظر کا جائزہ بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ ان تین حدیثوں میں سے پہلی حدیث کے سلسلہ سند کے راویوں میں امام مالکؒ بھی ہیں۔ جنہوں نے اس حدیث کو ابی النضر کے حوالے سے بیان کیا۔ لیکن اس کے باوجود امام مالکؒ سجدے میں پیشانی کا زمین سے لگانا اور جمانا مستحب قرار دیتے ہیں۔ [۱]

اور ان تین حدیثوں میں آخری دو حدیثیں حضرت عروہ بن زبیرؒ نے اُم المومنینؓ سے روایت کی ہیں۔ اگر ان حدیثوں میں اشارتاً بھی کپڑے پر سجدہ کرنا ثابت ہوتا، تو سب سے پہلے حضرت عروہ بن زبیرؒ خود عمل کرتے۔ لیکن وہ زمین کے علاوہ کسی اور چیز پر سجدے کو مکروہ قرار

---

[۱] کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعۃ جلد اول۔ ص ۳۶۷ (جامعہ الازہر مصر)

دیتے ہیں۔

عن عروة بن الزبير انه كان يكره ان يسجد علے شئی من دون الارض۔

حضرت عروہ بن زبیرؒ زمین کے علاوہ کسی چیز پر سجدہ کرنا مکروہ قرار دیتے تھے۔ [۱]

رسول اللہ ﷺ نے متعدد مرتبہ کپڑے پر نماز ضرور ادا فرمائی، لیکن سجدہ کبھی کپڑے پر نہیں کیا۔

حدثنا ابوبكر ابن شيبه ثنا عبدالعزيز بن محمد عن اسماعيل عن عبدالله بن عبدالرحمن قال جاء نا النبی ﷺ فصلی بنا فی مسجد بنی عبدالاشهل فرايته و اضعا يديه علٰی ثوبه اذا سجد۔

حضرت عبداللہ بن عبدالرحمٰنؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے۔ اور مسجد بنی عبدالاشہل میں ہمیں نماز پڑھائی۔ تو میں نے آپ کو سجدے میں کپڑے پر دستِ مبارک رکھے دیکھا۔ [۲]

اس حدیث میں ہماری بات کی تصدیق ہوگئی۔ صحابی رسول حضرت عبداللہ بن عبدالرحمٰنؓ نے رسول اللہؐ کے حالت سجدہ میں دستِ مبارک کپڑے پر رکھنے کا ذکر فرمایا۔ لیکن پیشانی کو کپڑے پر رکھنے کا ذکر نہیں فرمایا۔ اگر رسول اللہؐ کپڑے پر پیشانی رکھتے، تو ہاتھوں کے ساتھ ساتھ پیشانی کا ذکر بھی ضرور ہوتا۔

رسول اللہ ﷺ کے کپڑے پر سجدہ کرنے کے ثبوت میں کوئی ایک بھی صحیح حدیث نہیں ملتی۔ اس معاملے میں بعد کے علماء کی قیاس آرائیوں کا دخل زیادہ ہے۔ ہمیں کسی کی قیاس آرائیوں سے کوئی غرض نہیں۔ ہمیں تلاش ہے تو صرف ''حقیقی'' حکم الٰہی اور سنت رسولؐ کی جو ہماری اس اولین عبادت کو مرضیِ معبود کے مطابق ڈھال سکے۔ اور روزِ قیامت ہماری یہ اولین عبادت

---

[۱] امام شوکانیؒ کی نیل الاوطار جلد دوئم۔ ص۱۰ طبع مصر

[۲] سنن ابن ماجہ جلد اول۔ ص۳۱۲، ابواب اقامة الصلوٰة و السنة فيها۔ باب ۲۸۷، حدیث ۱۰۷۹

صرف اس وجہ سے رائیگاں نہ ہو جائے کہ یہ حکم الٰہی اور سنت رسولؐ کے مطابق نہیں تھی ۔ اور ہم روزِ حشر اپنے ہاتھ کفِ افسوس سے نہ مَل رہے ہوں۔ اور کہہ رہے ہوں

وَ یَوْمَ یَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰی یَدَیْہِ یَقُوْلُ یٰلَیْتَنِی اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِیْلًا ☆
یٰوَیْلَتٰی لَیْتَنِیْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِیْلًا ☆

اور جس دن ظلم کرنے والا اپنے ہاتھ (کفِ افسوس) کے کاٹنے لگے گا اور کہہ گا۔ کاش رسولؐ کے ساتھ میں بھی (دین کا سیدھا) رستہ پکڑتا۔ ہائے افسوس کاش میں فلاں شخص کو اپنا دوست نہ بناتا۔

سورہ فرقانؔ ۲۵ آیات ۲۷، ۲۸

آیئے احادیث کی روشنی میں سنت رسول ﷺ کا جائزہ لیتے ہیں کہ وہ اس سلسلے میں کیا ہے۔

قولی حدیث :

اس حدیث کو ہم نے پہلے بھی پیش کیا ہے۔ اس کو دوبارہ پیش کرر ہے ہیں۔

عن أفلح قال أن النبی صلی الله علیه وسلم قال لافلح ترب وجهك لی فی سجودك۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے افلح اسجدے کی حالت میں اپنی پیشانی کو مٹی پر رکھا کرو۔ [۱]

دوسری قولی حدیث :

ان افضل ماتسجد علیه الارض و ما انبتة الارض

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سجدہ کرنے کیلئے سب سے بہتر چیز زمین ہے۔ یا وہ چیز (پتا لکڑی وغیرہ) جو زمین سے پیدا ہو۔ [۲]

(جس کی ماہیت تبدیل نہ ہوئی ہو)

---

[۱] امام شوکانیؒ کی نیل الاوطار جلد ۲۔ ص ۱۸ طبع مصر

[۲] کنز العمال جلد ۴۔ ص ۱۱۴۳

فعلی حدیثیں :

مسلم بن ابراهیم قال حدثنا هشام عن یحییٰ عن ابی سلمة قال سالت ابا سعید الخدری فقال رایت رسول الله ﷺ یسجد فی المآء و الطین حتی رایت اثر الطین فی جبهة۔

ابی سلمہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت ابوسعید خدریؓ سے پوچھا، تو فرمایا: میں نے رسولؐ اللہ کو پانی اور مٹی میں سجدہ کرتے ہوئے دیکھا۔ یہاں تک کہ مٹی کا نشان میں نے آپ ﷺ کی جبینِ اقدس (پیشانی) پر دیکھا۔ [۱]

دوسری حدیث :

حدثنا ادم قال حدثنا اسرآئیل عن ابی اسحق عن عبدالله بن یزید قال حدثنا البرآء بن عازب و هو غیر کذوب قال کنا نصلی خلف النبی فاذا قال سمع الله لمن حمده لم یحن احدنا ظهره حتی یضع النبی جبهة علی الارض۔

عبداللہ بن یزید سے روایت ہے کہ حضرت براء بن عازبؓ نے فرمایا جو جھوٹے نہیں تھے، کہ ہم نبی کریمؐ کے پیچھے نماز پڑھا کرتے، جب آپؐ **سمع اللہ لمن حمدہ** کہتے، تو ہم میں کوئی بھی اپنی پیٹھ کو نہ جھکاتا، یہاں تک کہ آپؐ اپنی پیشانی کو زمین پر رکھ دیتے۔ [۲]

یہاں تمام احادیث کے ذکر کی گنجائش نہیں، اس لئے چند قولی اور فعلی حدیثوں کا ذکر اس وجہ سے کیا گیا ہے تاکہ ہمارا موضوع مختصر بھی رہے اور اصل سنت رسولؐ بھی واضح ہو جائے۔

احادیث کی تمام کتابوں میں تواتر کے ساتھ یہ حدیثیں ملتی ہیں کہ رسولؐ اللہ اپنی تمام

---

[۱] حضرت ابوسعید خدریؓ کی یہ حدیث صحیح بخاری کی جلد اول کتاب **الصلوۃ** باب ۵۴۱۔ ص ۳۸۹ حدیث ۷۹۴ اس کے علاوہ اسی جلد کے پانچ دیگر مقامات حدیث نمبر ۶۴۴، ۷۷۳، ۱۸۸۲، ۱۸۹۱، ۱۸۹۹ پر مروی ہے۔ ، سنن ابوداؤد جلد اول۔ ص ۳۴۷ **باب السجود علی الانف والجبهة**۔ حدیث ۸۸۵

[۲] صحیح بخاری جلد اول کتاب الاذان باب ۵۲۶۔ ص ۳۸۰ حدیث ۷۷۱

حیاتِ مبارکہ میں زمین (مٹی) پر سجدہ کرتے رہے۔ اگر بعض مواقعوں پر کسی مجبوری کے تحت کسی دوسری چیز پر سجدہ کیا، تو وہ درخت کا پتا، لکڑی کا ٹکڑا یا چٹائی پر۔ جس کو خمرہ کہتے ہیں۔

خمرہ پر سجدہ :

حدثنا ابو الولید قال نا شعبة قال نا سلیمان الشیبانی عن عبدالله بن شداد عن میمونة قالت کان النبی ﷺ یصلی علی الخمرة۔

عبداللہ بن شداد سے روایت ہے کہ اُم المومنین حضرت میمونہؓ نے فرمایا: نبی کریم ﷺ چھوٹی چٹائی (خمرہ) پر نماز پڑھا کرتے تھے۔ [۱]

حدیث کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ ام المومنین حضرت میمونہؓ اس عملِ رسولؐ کو وصالِ رسول ﷺ کے بعد بیان فرما رہی ہیں۔ ایک اور حدیث اُم المومنین اُم سلمہؓ سے بھی مروی ہے۔

حدثنا ابو کریب ثنا ابو معاویه عن الاعمش عن ابی سفیان عن جابر عن أبی سعید قال صلی رسول الله ﷺ علی حصیر۔

حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چٹائی پر نماز پڑھی۔ [۲]

''خمرہ'' کی تعریف اہل حدیث عالم بیان کرتے ہیں :

اہل حدیث کے جیّد عالم وحید الزماں خاں صاحب اپنی کتاب ''انوار اللغۃ'' میں تحریر فرماتے ہیں۔

---

[۱] صحیح بخاری جلد اول کتاب الصلوۃ باب **الصلوۃ علی الخمرہ**۔ ص ۲۴۵ حدیث ۳۷۱ ، کنز العمال جلد ۴۔ ص ۱۲ ، سنن ابن ماجہ جلد اول۔ ص ۳۱۲ حدیث ۱۰۷۶ طبع لاہور

[۲] سنن ابن ماجہ جلد اول باب **الصلوۃ علی الخمرہ** ۔ ص ۳۱۳ حدیث ۱۰۷۷ طبع لاہور

> **”آنحضرت صلعم نے اپنی بی بی جناب اُم سلمہؓ سے فرمایا: و ناو لینی الخمرۃ من المسجد۔ یعنی ذرا مسجد سے سجدہ گاہ مجھ کو اُٹھا دو۔ خمرہ وہ چھوٹا ٹکڑا کھجور کے پتوں سے بنا ہوا۔ جس پر سجدے میں آدمی کا فقط سر آسکتا ہو۔ علامہ ابن اثیر نے ”جامع الاصول“ میں کہا کہ خمرہ سجدہ گاہ جس پر ہمارے زمانے میں شیعہ سجدہ کرتے ہیں، میں (ابن اثیر) کہتا ہوں اس حدیث سے سجدہ گاہ رکھنا مسنون ٹھہرا۔ اور جن لوگوں نے اس سے منع کیا ہے اور رافضیوں کا طریقہ قرار دیا ہے۔ ان کا قول صحیح نہیں ہے۔ میں (ابن اثیر) تو اتباعِ سنت کیلئے پنکھا بجائے سجدہ گاہ کے رکھ کر اس پر سجدہ کرتا ہوں۔ اور جاہلوں کے طعن و تشنیع کی کوئی پروا نہیں کرتا۔ ہمیں سنت رسول صلعم سے غرض ہے۔ کوئی رافضی (شیعہ) کہے یا خارجی پڑا بکا کرے“۔ [1]**

اندازہ لگائیے کہ نام نہاد علماء نے ہمارے ساتھ کتنی بڑی زیادتی کی ہے کہ بہت ساری سنت رسولؐ صرف اور صرف ایک مسلک سے بُغض کی وجہ سے ترک کروا دی گئیں۔ تا کہ ہمارے اور اس مسلک کے عمل میں تفریق پیدا ہو سکے۔ اور جن علماء نے اپنی تحقیق کے ذریعے کوئی صحیح بات کہنے کی کوشش کی تو ان کو دَبا دیا گیا۔ ان علماء کے اعترافات ان کی کتابوں میں جا بجا مل جاتے ہیں۔ جن میں سے کچھ کا ذکر متعلقہ موضوعات کے ضمن میں ہم نے پچھلے صفحات پر کیا۔ اپنے مقلدوں کے ساتھ ان نام نہاد علماء کی بہت بڑی زیادتی ہے کہ کسی مسلک سے بُغض و عناد کی خاطر سنت رسولؐ کو ترک کر دیا جائے، اور وہ بھی نماز جیسی اولین عبادت میں۔

صحابہ کرامؓ کا عمل :

گرمی کی شدت کے باعث عموماً رسولؐ اللہ اور صحابہ کرامؓ سجدے میں خمرہ استعمال کرتے تھے۔ لیکن اس کے باوجود صحابہ کرامؓ کی کوشش یہی ہوتی تھی کہ چونکہ افضل ترین سجدہ مٹی پر ہے، تو زیادہ سے زیادہ اسی پر سجدہ کیا جائے۔

---

[1] علامہ وحیدالزماں کی انوار اللغتہ پارہ ۷۔ ص ۱۱۸

عن جابر بن عبدالله قال كنا نصلی مع رسول الله ﷺ الظهرفاخذ قبضة من حصی فی كفی ابرده ثم احوله فی كفی الاخرفاذا سجدت و ضعته لجبهتی۔

حضرت جابر بن عبداللہ ؓ فرماتے ہیں کہ ہم حضور ﷺ کے ساتھ ظہر کی نماز پڑھتے، تو ہم کنکریوں کو مٹھی میں اُٹھالیتے اور انہیں ٹھنڈا کرتے۔ پھر انہیں دوسرے ہاتھ میں لے لیتے۔ پھر جب سجدے میں جاتے، توانہیں اپنی پیشانی کی جگہ رکھ لیتے۔ [1]

اگر کپڑے پر سجدہ کرنا جائز ہوتا، تو صحابہ کرامؓ کیلئے کنکریوں کوٹھنڈا کر کے ان پر سجدہ کرنے کے مقابلے میں کپڑے پر سجدہ کرنا کہیں زیادہ آسان تھا۔ لیکن صحابہ کرامؓ کو مٹی پر سجدہ کرنے کی فضیلت اور حضرت افلح کو رسولؐ اللہ کی تنبیہ، اور اس تنبیہ کے خلاف عمل کرنے والے کے سجدے کی حیثیت کا پورا پورا علم تھا۔ اسی لئے وہ اس مشکل عمل کو برداشت فرماتے تھے، تاکہ ان کا سجدہ باطل نہ ہو جائے۔

اب تک جتنی احادیث کا ہم نے جائزہ لیا۔ ان میں سنت رسولؐ اور صحابہ کرامؓ کے عمل کی روشنی میں جو باتیں واضح ہوئیں، وہ یہ ہیں کہ افضل ترین سجدہ مٹی پر ہے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں۔

> ''اس سے بھی زائد تعظیم، جس کو تعظیم کی انتہا کہنا چاہئے، یہ ہے کہ آدمی اپنے چہرے کو جو اسکے جسم کا شریف ترین حصہ ہے۔ فرش خاک پر رکھ دے۔ اور ماتھے کو زمین پر رگڑے''۔ [2]

اور مجبوری کے تحت مٹی کے علاوہ جن چیزوں پر سجدہ ہوسکتا ہے۔ وہ خمرہ، درخت کا پتا، لکڑی کا ٹکڑا ہیں۔ ان کے علاوہ کسی اور چیز پر سجدہ سنت رسولؐ نہیں۔ اس مقام پر مناسب معلوم

---

[1] سنن نسائی جلد اول۔ ص ۳۵۱ کتاب الافتتاح حدیث ۱۰۸۵ طبع کراچی

[2] شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی حجۃ اللہ البالغہ جلد اولؒ۔ ص ۴۰۱

ہوتا ہے کہ ائمہ اربعہؒ اور ائمہ اہل بیتؑ کے اقوال کا جائزہ بھی لے لیں۔ تاکہ اندازہ ہو سکے کہ ان کے اقوال کہاں تک سنت رسولؐ کے مطابق ہیں۔ کیونکہ ان ائمہ کا قول ہے کہ ہمارا کوئی قول، حدیث کے خلاف پاؤ تو اس کو چھوڑ دو اور حدیث پر عمل کرو۔

ائمہ اربعہؒ :

امام مالکؒ کے نزدیک پوری پیشانی کا زمین سے لگانا اور جمانا مستحب ہے۔ ان کے علاوہ باقی تینوں ائمہ کے نزدیک صحتِ سجدہ کی شرائط میں ایک یہ ہے کہ خشک جگہ پر کیا جائے۔ جہاں پیشانی اچھی طرح ٹک سکے۔ جیسے بوریا اور بچھونا بخلاف دھنکی ہوئی روئی کے جس پر پیشانی نہیں ٹکتی لہذا اس پر سجدہ درست نہیں ہے، یہی صورت بھوسا، چاول اور مکئی کے اوپر سجدہ کرنے کی ہے۔ جبکہ اس پر پیشانی نہ ٹک سکے، اگر پیشانی ٹک جائے، تو ان تمام اشیاء پر سجدہ صحیح ہے۔ اس میں بھی مضائقہ نہیں ہے کہ پیشانی کو، اپنے ہی لباس پر یا کسی ایسی شے پر جو بدن پر ہو، کہ بدن کے ساتھ وہ بھی حرکت کرتی ہو، رکھا جائے۔ تاہم ایسا کرنا مکروہ ہے۔ اس پر امام شافعیؒ کے علاوہ تین ائمہ متفق ہیں۔ امام شافعیؒ کے نزدیک مذکورہ اشیاء پر پیشانی نہ رکھی جائے۔ ورنہ نماز باطل ہو جائے گی۔ سوائے اس صورت کے جب کہ وہ لباس اتنا لمبا ہو کہ نمازی کو حرکت کرنے سے اس میں حرکت نہ ہو۔ [1]

آپ خود اندازہ کریں کہ ان میں سے کس کا قول سنت رسولؐ سے مطابقت رکھتا ہے۔ اور جو قول مخالف ہو اس کو بقول ائمہ اربعہؒ ''حدیث پر عمل کرو اور ہمارے قول کو ترک کر دو''۔

ائمہ اہل بیتؑ :

ائمہ اہل بیتؑ کے نزدیک افضل ترین سجدہ مٹی پر ہے۔ اور باعثِ مجبوری دیگر چیزوں میں خمرہ، درخت کا پتا، لکڑی کا ٹکڑا ہیں۔

عبدالرحمٰن بن عبداللہ نے امام ابوعبداللہؑ سے پوچھا ایک شخص کے سر پر عمامہ

---

[1] کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ جلد اول۔ ص ۳۶۷ (جامعہ الازہر مصر)

ہے، جس کی وجہ سے اس کی پیشانی زمین پر نہیں لگتی؟۔ امام نے فرمایا: یہ کافی نہیں۔ جب تک پیشانی زمین سے نہ لگے، سجدہ نہیں ہوگا۔ [۱]

علی بن جعفر نے ائمہ اہل بیت کے ساتویں امام موسیٰ کاظمؑ سے اس شخص کے متعلق پوچھا جو کھجور کے نئے اُگے پتوں پر نماز پڑھے؟۔ امام نے فرمایا: اگر پیشانی زمین سے لگ جاتی ہے، تو کوئی مضائقہ نہیں۔ اور گھنی گھاس پر نماز پڑھنا؟۔ جبکہ زمین پر پیشانی پہنچ جائے، تو کوئی مضائقہ نہیں۔ [۲]

محمد نے امام موسیٰ کاظمؑ کو لکھا کہ شیشہ پر نماز پڑھنا کیسا ہے؟۔ جب یہ خط بھیج چکے تو خیال آیا کہ شیشہ تو نباتات کی ایک قسم ہے۔ مجھے یہ نہیں پوچھنا چاہئے تھا۔ امام نے جواب میں لکھا کہ شیشہ پر نماز نہ پڑھو، اور یہ جو تمہارا خیال ہے کہ نباتات سے ہے، تو یہ صحیح نہیں۔ شیشہ نمک اور ریت کی بدلی ہوئی صورت ہے۔ [۳]

بے قدر چیز پر ہی سجدہ کیوں؟۔

یہ ضروری ہے کہ سجدہ گاہ، کھانے کی چیزوں، معدنیات اور لباس (کپڑا) میں سے نہ ہو۔ ائمہ اور قدیم علماء نے اس کی علت یوں بیان فرمائی ہے کہ چونکہ کھانے کی اشیاء، معدنیات اور کپڑا مال شمار ہوتے ہیں۔ اور سجدہ چونکہ خالص اللہ کیلئے مخصوص ہے اس لئے کسی مال پر سجدہ نہیں ہوتا۔

سجدہ اور مٹی کے باہمی تعلق میں حکمت

جب ہم سجدے کی حکمت پر غور کرتے ہیں، تو دو سوالات ذہن میں اُبھرتے ہیں۔ جن کا بظاہر آپس میں کوئی تعلق نظر نہیں آتا۔

۱۔ ایک رکعت میں باقی اعمال یعنی قیام، رکوع وغیرہ ایک ایک مرتبہ ہیں۔ لیکن سجدے دو کیوں ہیں؟۔

---

[۱] علامہ یعقوب الکلینی کی فروع کافی جلد دوئم۔ ص ۹۷ ، علامہ دستغیب کی **اسرار الصلوٰة**

[۲] فروع کافی جلد دوئم۔ ص ۹۴ طبع کراچی [۳] فروع کافی جلد دوئم۔ ص ۹۵

۲۔ اور افضل ترین سجدہ مٹی پر کیوں ہے؟۔

آیئے اس کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں کہ ان کے درمیان باہمی تعلق کیا ہے اور اس کے پیچھے کیا حکمت کارفرما ہے؟۔

سجدوں میں دراصل پروردگارِ عالم بندے سے حیات بعد الموت کے عقیدے پر یقین کا اظہار عملی طور پر کروا رہا ہے۔

یعنی پہلا سجدہ علامت ہے کہ میں (نمازی) اسی مٹی سے پیدا ہوا ہوں، جب (نمازی) پہلے سجدے سے اُٹھ کر بیٹھتا ہے، تو یہ درمیانی وقفہ دنیاوی زندگی کی علامت ہے۔ اور اس میں صرف اپنی کوتاہیوں اور لغزشوں سے استغفار کرنا (**استغفر اللہ ربی و اتوب الیه**)۔

دوسرا سجدہ علامت ہے کہ پھر اسی مٹی میں مجھے جانا ہے، اور اسی سے دوبارہ اُٹھایا جاؤں گا۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہوا۔

مِنۡهَا خَلَقۡنٰكُمۡ وَ فِيۡهَا نُعِيۡدُكُمۡ وَ مِنۡهَا نُخۡرِجُكُمۡ تَارَةً اُخۡرٰى ☆

اسی (مٹی) سے ہم نے تم کو پیدا کیا۔ اور اسی میں ہم تم کو پھر لوٹائیں گے۔
اور اسی سے پھر تم کو دوبارہ نکالیں گے۔

سورہ طٰہٰ ۲۰ آیت ۵۵

اب ہم کسی مجبوری کے بغیر مٹی کے علاوہ سجدہ کسی دوسری چیز پر کرنے لگیں تو کیا اس کے پیچھے کارفرما حکمت سے انکار کا موجب نہیں بنیں گے؟۔ اور کیا سجدے کا وہ حق جو ہم سے پروردگارِ عالم چاہتا ہے، ادا کر پائیں گے؟۔

یہ سوال ہے عبادت گذاروں کیلئے۔

شرف جس کو نہ ہو مقبولیت کا
وہ سجدہ کیا ہے، توہینِ جبیں ہے

سجدے سے اُٹھنے کے دو طریقے

تیسرا اختلاف سجدے کے بعد اگلی رکعت کیلئے اُٹھنے پر ہے۔ اس میں بھی دو طریقے رائج ہیں۔

۱۔ اگلی رکعت کیلئے کھڑے ہوتے وقت، پہلے ہاتھوں کو اُٹھاتے ہیں۔ اس کے بعد گھٹنوں کو زمین سے اُٹھاتے ہیں۔ یعنی پنجوں کے بَل کھڑے ہوتے ہیں۔

۲۔ اگلی رکعت کیلئے کھڑے ہوتے وقت پہلے گھٹنوں کو زمین سے اُٹھاتے ہیں۔ بعد میں ہاتھوں کو زمین سے۔ یعنی ہاتھوں کے سہارے سے کھڑے ہوتے ہیں۔

آیئے دونوں طریقوں کے استدلال میں جو حدیثیں پیش کی جاتی ہیں۔ ان کا جائزہ لیتے ہیں تاکہ واضح ہو سکے کہ ان میں سے کون سا طریقہ سنت رسولؐ کے مطابق ہے۔ اور کون سا خلاف سنت، تاکہ ہم وہ طریقہ اختیار کر سکیں جو سنت رسولؐ کے مطابق ہو۔

پہلے طریقے کی حدیث :

پنجوں کے بَل کھڑے ہونے کی تائید میں یہ واحد حدیث ہے جو جامع ترمذی میں ملتی ہے۔ اس کے علاوہ کوئی اور حدیث اس عمل کی تائید میں نہیں ملتی۔

عن خالد بن الیاس عن صالح عن ابی ہریرۃ قال کان النبی ﷺ ینھض فی الصلوۃ علٰی صدور قدمیه۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نماز میں اُٹھتے تھے، دونوں قدموں کے سروں پر۔ یعنی پیروں کی انگلیوں پر زور دے کر اُٹھ کھڑے ہوتے۔ [1]

اس حدیث کا جائزہ :

اب تک اس کتاب میں جتنی حدیثوں کا جائزہ لیا گیا۔ ان سے اب آپ کو بھی بخوبی

---

[1] جامع ترمذی جلد اول ابواب الصلوۃ ۔ باب کیف النھوض من السجود ۔ ص ۱۶۷، حدیث ۲۵۱

اندازہ ہو گیا ہو گا کہ کسی حدیث کے پرکھنے کیلئے سب سے اولین اہمیت جس چیز کی ہوتی ہے، وہ حدیث کی سند کا صحیح ہونا ہے۔ یعنی اس کے راوی قابلِ اعتماد ہوں، جن کی بیان کردہ روایت پر یقین کیا جا سکے۔

مندرجہ بالا حدیث جو جامع ترمذی کے حوالے سے بیان کی گئی ہے۔ اس کو نقل کرنے کے بعد خود امام ترمذیؒ نے ضعیف قرار دیا ہے۔ اس کی سند میں ایک راوی خالد بن الیاس اور دوسرے صالح ہیں۔ ان کے بارے میں علمائے حدیث کی آراء پر غور کرتے ہیں کہ آیا ان کی بیان کردہ روایت کو مستند مان کر اس پر عمل کیا جا سکتا ہے؟۔

۱۔ خالد بن الیاس: ان کا پورا نام خالد بن الیاس المدنی ہے۔ ان کو خالد بن ایاس بھی کہتے ہیں۔

☆ امام بخاریؒ ان کے بارے میں فرماتے ہیں **قال البخاری : لیس بشئی** ۔ یہ کوئی شے نہیں۔ یعنی اس کی کوئی حیثیت نہیں۔ [۱]

☆ امام احمد بن حنبلؒ اور امام نسائیؒ کے مطابق **وقال احمد و نسائی: متروک** ۔ یہ متروک ہے۔ یعنی یہ اس قابل نہیں کہ اس سے حدیثیں لی جائیں۔ ان سے روایت لینا ترک کر دیا۔ [۲]

☆ اور امام یحییٰ ابن معینؒ کے نزدیک قال ابن معین **لیس بشئی ، لا تکتب حدیثه** ۔ اس کی کوئی حیثیت نہیں۔ اس کی حدیثیں لکھنے کے قابل نہیں۔ [۳]

اس حدیث کے دوسرے راوی صالح ہیں۔ جن سے خالد بن الیاس نے سنی۔ اور جنہوں نے یہ حدیث حضرت ابو ہریرۃؓ کے حوالے سے بیان کی۔ صالح کے بارے میں محدثین اور علمائے حدیث فرماتے ہیں۔

۲۔ صالح : ان کا پورا نام صالح بن نبھان المدنی ہے۔ یہ التوءمۃ کے غلام تھے۔

---

[۱] تا [۳] امام ذہبیؒ کی میزان الاعتدال جلد اول۔ ص ۶۲۷ طبع بیروت

☆ **قال ابن حبان: هذا باطل** ۔ امام ابن حبانؒ کہتے ہیں کہ یہ باطل ہے۔ ۱؎

☆ **قالا الاصمعی: کان شعبة لا یروی عنه و ینهی عنه** ۔ الاصمعی نے کہا امام شعبہؒ اُس سے روایت نہیں لیتے تھے۔ ۲؎

☆ **وقال بشر بن عمر: سالت مالکاعنه، فقال: لیس بثقه** ۔ اور بشر بن عمر نے کہا اس (صالح) کے متعلق امام مالکؒ سے پوچھا، انہوں نے کہا یہ معتبر نہیں ۳؎

☆ **وروی عبداللّٰہ بن احمد، عن یحییٰ بن معین: لیس بقوی** ۔ عبداللہ بن احمد بن حنبلؒ نے امام یحییٰ بن معینؒ سے روایت کی کہ یہ قوی نہیں۔ ۴؎

☆ **قال یحییٰ القطان: لم یکن بثقه** ۔ امام یحییٰ بن سعید القطانؒ نے کہا کہ وہ (کبھی) معتبر نہیں تھا۔ ۵؎

☆ **و قال ابو حاتم: لیس هو بقوی** ۔ اور امام ابوحاتمؒ نے کہا یہ قوی نہیں۔ ۶؎

☆ **وقال ابن حبان: تغیر فی سنة خمس و عشرین و مائة، و جعل یاتی بما یشبه الموضوعات عن الثقات، فاختلط حدیثه الا خیر بحدیثه القدیم، ولم یتمیز، فاستحق الترک** ۔ امام ابن حبانؒ فرماتے ہیں اس میں ۱۲۵ھ میں تغیر آیا اور وہ ثقہ لوگوں سے ایسی روایتیں جو گھڑی ہوئی ہوتی تھیں بیان کرنے لگا، پس اس کی بعد کی حدیثیں پہلی حدیثوں سے مل جل گئیں اور وہ تمیز نہ ہو سکیں۔ پس وہ چھوڑ دیئے جانے کے قابل ہے۔ ۷؎

☆ **وقال انسائی: ضعیف** ۔ اور امام نسائیؒ نے کہا یہ ضعیف ہے۔ ۸؎

جس حدیث کی سند میں اس قسم کے راوی ہوں۔ جن کے بارے میں علماء ومحدثین کی رائے یہ ہو کہ ایک ضعیف و متروک ہو، اور دوسرا باطل وضعیف ہو، تو کیا ایسے راویوں کے بیان کردہ عمل کے مطابق کوئی عمل اختیار کیا جا سکتا ہے؟۔ کیا کوئی سمجھ دار فقیہ ایسی ضعیف حدیث

۱؎ تا ۸؎ امام ذہبیؒ کی میزان الاعتدال فی نقد الرجال جلد دوئم۔ ص ۳۰۳ طبع بیروت

کو اپنے فتویٰ کی بنیاد بنا سکتا ہے؟۔

اس حدیث کے متعلق علامہ محمد داؤد راز دہلوی شرح بخاری میں لکھتے ہیں کہ

> ''اس کی سند میں خالد بن الیاس راوی، محدثین کے نزدیک ضعیف ہے۔ اور یہ ضعیف حدیث صحیح بخاری، ترمذی، ابوداؤد اور نسائی کی صحیح حدیث کے خلاف ہے۔ لہذا قابل استدلال نہیں ہوسکتی''۔ [1]

اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد امام ترمذیؒ نے اس کو ضعیف قرار دیا۔ کیونکہ اس کے سلسلہ سند میں ضعیف راوی ہیں۔

دوسرے طریقے کی حدیث :

حدثنا معلى ابن اسد قال حدثنا وهيب عن ايوب عن ابى قلابة قال جآء نا مالك بن الحويرث فصلى بنا في مسجد نا هذا فقال انى لا صلى بكم وما اريد الصلوة لكنى اريد ان اريكم كيف رايت رسول الله ﷺ يصلى قال ايوب فقلت لا بى قلابة و كيف كانت صلوته قال مثل صلوة شيخنا هذا يعنى عمرو بن سلمة قال ايوب و كان ذلك الشيخ يتم التكبير و اذا رفع راسه عن السجدة الثانية جلس و اعتمد على الارض ثم قام۔

ابوقلابہ سے روایت ہے کہ (صحابی رسول) حضرت مالک بن حویرثؓ ہمارے پاس تشریف لائے۔ اور ہماری مسجد میں ہمیں نماز پڑھائی۔ اور فرمایا کہ نماز پڑھا رہا ہوں اور اس میں میرا ارادہ صرف یہ ہے کہ میں تمہیں دکھاؤں کہ نبی کریم ﷺ کس طرح نماز پڑھا کرتے تھے۔ ایوب کا بیان ہے کہ میں نے ابوقلابہ سے پوچھا کہ ان کی نماز کیسی تھی۔ فرمایا کہ ہمارے ان بزرگ یعنی حضرت عمرو بن سلمہؓ (صحابی) جیسی، ایوب کا بیان ہے کہ وہ بزرگ پوری تکبیریں کہتے۔ اور جب دوسرے سجدے سے سر اٹھاتے، تو تھوڑی دیر

---

[1] علامہ محمد داؤد راز دہلوی کی شرح بخاری کتاب الصلوۃ جلد اول۔ ص ۳۹۰ طبع کراچی

بیٹھتے اور (ہاتھوں سے) زمین کا سہارا لے کر پھر کھڑے ہوتے۔ [1]

اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ یہ حدیث تین حدیثوں کے برابر ہے۔ وہ اس طرح کہ اس میں ایک صحابی حضرت مالک بن حویرثؓ، سنت رسولؐ کا عملی مظاہرہ کر کے لوگوں کو دکھا رہے ہیں کہ رسولؐ اللہ سجدے کے بعد کچھ دیر بیٹھتے، اس حدیث میں یہ قابل غور نقطہ ہے۔ کیا ہم دوسرے سجدے کے بعد کچھ دیر بیٹھتے ہیں؟۔ یا سجدے سے براہ راست کھڑے ہو جاتے ہیں؟۔ غور فرمائیں۔ اس کے بعد حضرت مالکؓ زمین کا سہارا لے کر اگلی رکعت کیلئے کھڑے ہوتے۔ یعنی ہاتھوں سے پہلے گھٹنے اُٹھاتے تھے۔ حضرت مالکؓ کے عمل کی تصدیق دوسرے صحابی حضرت عمرو بن سلمہؓ کے عمل سے بھی ہو رہی ہے۔ تیسرے یہ کہ اس حدیث میں سنت رسولؐ کے ساتھ ساتھ صحابہ کرامؓ کے عمل کا بھی بیان ہے۔

سجدے میں جانے اور سجدے سے اُٹھنے سے متعلق تمام حدیثوں کا جائزہ لینے کے بعد جو بات واضح ہو کر سامنے آئی۔ وہ یہ ہے کہ سجدے میں جاتے وقت، ہاتھوں سے پہلے گھٹنوں کو زمین پر رکھنا، اور سجدے کے بعد اگلی رکعت کیلئے اُٹھتے وقت، پنجوں کے بل کھڑے ہونا۔ یعنی گھٹنوں سے پہلے ہاتھوں کو زمین سے اُٹھانے کی حدیثیں ضعیف ہیں۔ اور رسولؐ اللہ نے حلال جانوروں اور خصوصاً اونٹ کی مثال دے کر بات بالکل واضح فرما دی کہ سنت رسولؐ کے مطابق سجدے میں جانے اور اگلی رکعت کیلئے اُٹھنے کا وہی طریقہ اختیار کرنا ہوگا، جو تمام حلال جانور بیٹھتے اور اُٹھتے وقت اختیار کرتے ہیں۔ یعنی سجدے میں جاتے وقت، پہلے ہاتھ زمین پر رکھے جائیں پھر اس کے بعد گھٹنے۔ اور اسی طرح اگلی رکعت کیلئے اُٹھتے وقت، ہاتھوں کا سہارا لیکر، پہلے گھٹنوں کو زمین سے اُٹھایا جائے، اس کے بعد ہاتھ۔ یہی طریقے فطری ہیں۔

حضرت مالک بن حویرثؓ کی مندرجہ بالا حدیث میں اگلی رکعت کیلئے کھڑے ہونے کے طریقے کے ساتھ ساتھ ایک اور بات جو قابلِ غور ہے جس کی نشاندہی ہم نے پچھلے صفحہ پر بھی کی۔ وہ یہ ہے کے رسولؐ اللہ اور یہ صحابہ (جن کا ذکر اس حدیث میں ہو رہا ہے) دوسرے سجدے کے بعد اگلی

---

[1] صحیح بخاری جلد اول۔ ص ۳۸۴ کتاب **الصلوۃ** باب ۵۳۴، حدیث ۷۸۳ طبع لاہور، سنن ابوداؤد جلد اول۔ ص ۳۲۹، باب ۳۹۲، حدیث ۸۳۳ طبع لاہور

رکعت کیلئے کھڑے ہونے سے پہلے کچھ دیر بیٹھتے اور اس کے بعد کھڑے ہوتے تھے۔ جبکہ آج اکثر مسالک میں جو نماز رائج ہے اس میں ایسا نہیں ہوتا، بلکہ نمازی دوسرے سجدے کے بعد تکبیر کہتا ہوا براہ راست کھڑا ہو جاتا ہے۔ رسالتمآب ﷺ اور صحابہ کرامؓ دوسرے سجدے کے بعد تکبیر کہتے ہوئے کچھ دیر کیلئے بیٹھتے تھے۔ اس موضوع کو مختصر رکھنے کی خاطر ان حدیثوں کا تفصیلی ذکر ممکن نہیں اس لئے یہاں حضرت علیؓ کی ایک حدیث پیش کر کے اصل موضوع کی طرف واپس آتے ہیں۔

> حضرت علیؓ دوسرے سجدے کے بعد بیٹھتے تو تکبیر کہتے، پھر جب اگلی رکعت کیلئے کھڑے ہوتے تو بحول اللہ و قوۃ اقوم و اقعد کہتے ہوئے کھڑے ہوتے۔ [1]

ہم بات کر رہے تھے اگلی رکعت کیلئے کھڑے ہونے کے طریقے کی۔ اس سلسلے میں سنت رسولؐ واضح ہو جانے کے بعد، آیئے ائمہ اربعہ اور ائمہ اہل بیت کے اقوال کا جائزہ لیتے ہیں کہ یہ کس حد تک سنت رسولؐ کے مطابق ہیں۔

ائمہ اربعہؒ کے مطابق :

ائمہ اربعہؒ میں سے تین ائمہ امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ اور امام حنبلؒ کے نزدیک سجدے کیلئے جھکے تو پہلے اپنے گھٹنے، پھر ہاتھ کو زمین پر ٹکائے۔ اور سجدے کے بعد اگلی رکعت کیلئے کھڑے ہونے کے طریقے پر ائمہ اربعہؒ میں اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہؒ اور امام حنبلؒ کے نزدیک اگلی رکعت کیلئے کھڑا ہو، تو (اس ترتیب کے) برعکس پہلے ہاتھ پھر گھٹنوں کو اُٹھائے جبکہ امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک سجدے سے کھڑے ہونے کیلئے اُٹھتے وقت ہاتھ سے پہلے گھٹنوں کو اُٹھانا سنت ہے۔ ان کے بقول دونوں ہاتھوں پر سہارا دے کر کھڑا ہونا چاہئے۔ خواہ نماز پڑھنے والا قوت رکھتا ہو یا عورت ہو۔ [2]

سجدے میں جانے سے متعلق ائمہ اربعہؒ میں سے تین اماموں (امام ابوحنیفہؒ، شافعیؒ ،

---

[1] کتاب الصلوٰۃ۔ ص ۱۰۳، علل الشرائع باب الصلوٰۃ۔ ص ۲۵۷

[2] کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ جلد اول۔ ص ۲۱۳ (جامعہ الازہر مصر)

حنبلؒ) نے اپنے فتوؤں کی بنیاد عاصم بن کلیب کی ضعیف حدیث پر رکھی۔ جس کے راوی شریک بن عبداللہ کو خود امام احمد بن حنبلؒ نے " **کیثر الغلط** " قرار دیا۔ جس کا ذکر ہم نے پچھلے صفحات پر کیا۔ اور سجدے سے اُٹھنے کے متعلق ائمہ اربعہؒ میں سے دو اماموں (امام ابوحنیفہؒ، اور امام حنبلؒ) نے اپنے فتوؤں کی بنیاد حضرت ابو ہریرہؓ سے منسوب حدیث پر رکھی۔ جس کے راوی خالد بن الیاس کو خود امام احمد بن حنبلؒ نے " **متروک** " قرار دیا۔ اور اس حدیث کے دوسرے راوی صالح کو امام مالکؒ نے "غیر معتبر" قرار دیا۔ جس کا تفصیلی جائزہ پچھلے صفحات پر پیش کیا۔

ایک عالم کا اعتراف :

اس کے متعلق علامہ وحید الزماں لکھتے ہیں کہ " کوئی صحیح مرفوع حدیث سے ان ائمہ کے قول کی تائید نہیں ہوتی۔ ایک ابو ہریرہؓ کی حدیث ہے جس کو ترمذی نے روایت کیا کہ رسول اللہؐ نماز میں قدموں کے کنارے پر اُٹھتے تھے۔ اور ترمذی نے کہا اس پر عمل ہے اہل علم کا، مگر یہ حدیث ضعیف ہے۔ بہ سبب خالد بن الیاس کے "۔ [1]

ائمہ اہل بیتؑ کے مطابق :

عن ابی بکر الحضرمی قال : قال ابو عبدالله . اذا قمت من الركعة فاعتمد على كفيك و قل : " بحول الله و قوة اقوم واقعد " فان علياً كان يفعل ذلك۔

ابی بکر الحضرمی سے روایت ہے کہ امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: جب ایک رکعت ختم کر کے اُٹھو، تو اپنے ہاتھوں پر سہارا دو، اور کہو " اسی اللہ کی (عطا کردہ) قوت اور مدد سے کھڑا ہوتا ہوں اور بیٹھتا ہوں "۔ حضرت علیؑ ایسا ہی کرتے تھے۔ [2]

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

---

[1] شرح سنن ابوداؤد جلد اول۔ ص ۳۲۹ طبع لاہور

[2] فروع کافی جلد دوئم۔ ص ۱۰۳ طبع کراچی

باب۔ ۱۰

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تشہّد

دو رکعتی نماز کی آخری رکعت میں اور تین اور چار رکعتی نمازوں کی دوسری اور آخری رکعت کے دوسرے سجدے کے بعد بیٹھنے کو'' قعدہ'' کہتے ہیں اور اس دوران جو پڑھا جاتا ہے، اس کو تشہد کہتے ہیں۔

ان دونوں تشہدوں کی حیثیت کے بارے میں مختلف مسالک کا آپس میں اختلاف ہے۔ کچھ ان دونوں کو واجب قرار دیتے ہیں۔ کچھ دونوں کو سنت اور کچھ ایک کو سنت اور ایک کو واجب قرار دیتے ہیں۔ اس سلسلے میں آیئے پہلے ائمہ اربعہ اور ان کے بعد ائمہ اہل بیت کے اقوال کا جائزہ لیتے ہیں۔

ائمہ اربعہؒ اور تشہد :

تشہد کی حیثیت کے بارے میں ائمہ اربعہ کے درمیان اختلاف ہے۔

☆ امام ابو حنیفہؒ پہلے تشہد کو سنت اور دوسرے کو واجب قرار دیتے ہیں۔ [۱]

☆ امام شافعیؒ پہلے تشہد کو سنت اور دوسرے کو فرض کہتے ہیں۔ [۲]

☆ امام حنبلؒ پہلے تشہد کو واجب اور دوسرے کو فرض قرار دیتے ہیں۔ [۳]

☆ امام مالکؒ دونوں کو سنت قرار دیتے ہیں۔ [۴]

---

[۱] تا [۴] کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ جلد اول۔ ص۳۷۳ ، درالمختار۔ ص۳۵۶ ،

شرح صحیح مسلم امام نووی جلد دوئم۔ ص۲۹ ، ۸۵ طبع لاہور

فرض اور واجب کا فرق :

مالکیہ اور شافعیہ واجب اور فرض دونوں کے ایک ہی معنی قرار دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک نماز میں واجبات نہیں ہیں۔ بلکہ اعمالِ نماز میں یا تو فرائض ہیں یا سنتیں ہیں۔ جبکہ حنفیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ نماز میں واجبات ہوتے ہیں۔ اور واجب کی تعریف یہ ہے کہ جس عمل کو رسولؐ اللہ نے ہمیشہ جاری رکھا۔

مسلکِ حنفیہ: مسلک حنفیہ کے نزدیک نماز کا امر واجب ترک کرنے سے نماز باطل نہیں ہوتی۔ البتہ نمازی سے اگر سہواً ترکِ واجب ہوا ہے، تو لازم ہے کہ سلام پھیرنے کے بعد سجدہ سہو کرلے۔ اگر قصداً ترک کیا ہے تو نماز کا دوبارہ پڑھنا واجب ہے۔ اگر دوبارہ نہ پڑھی گئی۔ تو (ترکِ واجب کا) گناہ لازم ہوگا۔ ۱؎

مسلکِ حنابلہ: اور مسلک حنابلہ میں نماز میں واجب کی حیثیت فرض سے کم ہے۔ یعنی اگر اس کو جان بوجھ کر قصداً ترک کیا جائے، تو نماز باطل ہو جائے گی۔ اور اگر سہواً یا بے خبری کی وجہ سے ترک ہو جائے تو نماز باطل نہ ہوگی، سہواً ترک ہونے کی صورت میں سجدہ سہو واجب ہے۔ ۲؎

پہلا تشہد واجب نہیں؟۔

ائمہ اربعہ میں سے تین ائمہ امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام مالکؒ پہلے تشہد کو واجب نہیں بلکہ سنت قرار دیتے ہیں۔ جس کا استدلال اس حدیث سے لیتے ہیں۔

حدثنا ابو الیمان اخبرنا شعیب عن الزهری قال حدثنی عبدالرحمن بن هرمز مولٰی بنی عبدالمطلب و قال مرة مولٰی ربیعة بن الحارث ان عبدالله بن بحینة و هو من ازد شنوءة و کان من اصحاب النبی ﷺ ان النبی ﷺ بهم الظهر فقام فی الرکعتین الاولیین لم یجلس فقام الناس معه حتٰی اذا قضی الصلوة و انتظر الناس تسلیمه کبر و هو جالس فسجد سجدتین قبل ان یسلم ثم سلمه۔

۱؎ و ۲؎ کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ جلد اول۔ ص۳۷۹ اور ۳۸۱ (جامعہ الازہر مصر)

حضرت عبداللہ بن بحسینہؓ نے فرمایا جو اصحابِ نبی میں سے تھے کہ نبی کریمؐ نے انہیں نماز ظہر پڑھائی، تو پہلی دو رکعتوں کے بعد کھڑے ہو گئے، اور بیٹھے نہیں، تو آپؐ کے ساتھ لوگ بھی کھڑے ہو گئے۔ یہاں تک کہ جب نماز پوری ہو گئی اور لوگ سلام کا انتظار کرنے لگے۔ تو آپؐ نے بیٹھے ہوئے تکبیر کہی۔ اور سلام پھیرنے سے پہلے دو سجدے (سہو) کئے پھر سلام پڑھا۔ [1]

مندرجہ بالا حدیث میں موجود دیگر باتوں سے قطعِ نظر، اپنی توجہ صرف تشہد پر مرتکز رکھتے ہوئے اس کا جائزہ ائمہ ثلاثہ (امام شافعیؒ، امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ) کے فتووں کی روشنی میں لیں تو ائمہ ثلاثہ کے مطابق اگر کوئی واجب عمل بھولے سے ترک ہو جائے، تو سجدہ سہو کرنا لازم ہے اس اصول کے مطابق اگر اس حدیث کا جائزہ لیں تو اس میں رسول اللہؐ نے پہلا تشہد چھوٹنے کی صورت میں دو سجدۂ سہو کئے، رسول اللہؐ کا سجدہ سہو کرنا واضح ثبوت ہے کہ پہلا تشہد سنت نہیں واجب ہے۔ اس حدیث سے استدلال لینے کے باوجود پہلے تشہد کو سنت قرار دینا کسی طور پر جائز نہیں۔ جبکہ مسلک شافعیہ اور مالکیہ کے نزدیک واجب اور فرض کے ایک ہی معنی ہیں۔ اور امام ابوحنیفہ کے مطابق پہلا تشہد ترک ہونے کی صورت میں سجدۂ سہو، سلام پھیرنے کے بعد کرنا چاہئے۔ جبکہ رسول اللہ نے سجدۂ سہو سلام سے پہلے کیا؟۔

ائمہ اہل بیتؑ اور تشہد :

ائمہ اہل بیتؑ کے نزدیک دو رکعتی نماز میں ایک، اور باقی تین یا چار رکعتی نماز میں دونوں تشہد فرض ہیں۔ بھول کی صورت میں سجدۂ سہو لازم ہے۔ ان کے نزدیک واجب اور فرض کے ایک ہی معنی ہیں۔

تشہد میں شہادتین کے بعد دَرُود پڑھے۔ ائمہ اہل بیت کے مطابق تشہد میں دَرُود کا پڑھنا فرض ہے۔ اس کے بغیر نماز قبول نہیں ہوتی۔

---

[1] صحیح بخاری جلد اول۔ ص۳۸۶ کتاب الصلوۃ۔ باب۵۳۶۔ حدیث۷۸۸ طبع لاہور،

سنن ابوداؤد جلد اول۔ ص۳۹۳، پارہ۶ باب من قام من ثنتین و لم یتشھد۔ حدیث۱۰۲۱ طبع لاہور

دَرُود اور ائمہ اربعہ ؒ :

امام شافعی ؒ اور امام حنبل ؒ تشہد میں دَرُود پڑھنا واجب قرار دیتے ہیں۔ اور امام ابوحنیفہ ؒ اور مالک ؒ تشہد میں دَرُود پڑھنے کو سنت کہتے ہیں۔ [۱]

نماز میں دَرُود اور حکم رسول ﷺ

قولی حدیث :

حضرت عبداللہ ابن عمر ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص ایسی نماز پڑھے، جس میں مجھ پر اور میرے اہل بیت پر دَرُود نہ پڑھا جائے وہ کبھی قبول نہیں ہوگی۔ [۲]

اس حدیث کی روشنی میں نماز میں دَرُود پڑھنا فرض ٹھہرا۔ کیونکہ حکم رسول ؐ کے مطابق اس کے بغیر نماز کی قبولیت ہی نہیں۔

تشہد میں دَرُود اور صحابہ کرام ؓ وتابعین ؒ :

حافظ ابن حجر عسقلانی ؒ اپنی کتاب ''**عمل الیوم و اللیلتہ**'' میں صحیح سند سے حضرت عمر فاروق ؓ کا قول نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

عن عمر قال انه لا یکون الصلوۃ الا بقراءۃ و یتشھدو و صلوۃ علی النبی و اله۔

حضرت عمر بن خطاب ؓ فرماتے ہیں کہ نماز قرأت وتشہد اور آنحضرت ؐ پر اور ان کی آل پر صلوٰۃ (دَرُود) پڑھے بغیر نہیں ہوتی۔ [۳]

---

[۱] کتاب الفقہ جلد اول۔ ص ۴۷۷، شرح صحیح مسلم امام نووی جلد ۲۔ ص ۳۲ ، درالمختار وغیرہ

[۲] سنن دارقطنی جلد اول۔ ص ۱۲۶

[۳] حافظ ابن حجر عسقلانی ؒ کی **عمل الیوم و اللیلتہ** ۔ص ۱۲۵ ، ارجح المطالب۔ ص ۳۰۲

امام بیہقیؒ نے حضرت عمرؓ کے قول، تشہد میں دُرود پڑھنا فرض ہے، کو حجت قرار دیا ہے۔ ۱؎

رواہ ابن عبدالبر عن ابن مسعود قال لا صلوۃ لمن لم یصل فیھا علی النبی و الہ۔

علامہ ابن عبدالبرؒ نے روایت نقل کی ہے کہ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے (تشہد میں) رسولؐ اللہ اور ان کی آل پر دُرود نہیں پڑھا۔ اس کی نماز نہیں ہوتی۔ ۲؎

صحابہ کرامؓ سے تواتر کے ساتھ روایات مروی ہیں کہ تشہد میں دُرود کا پڑھنا فرض ہے۔ اس کے بغیر نماز باطل ہو جاتی ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

۱؎ شرح صحیح مسلم امام نووی جلد دوئم۔ ص۳۲ طبع کراچی ۲؎ عبیداللہ کی ارجح المطالب۔ ص۳۰۲

باب۔ ۱۱

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نماز کا اختتام

اسلام کے تمام مسالک میں بالاتفاق نماز کا اختتام سلام ہے۔ لیکن سلام کی حیثیت اور اس کی ادائیگی کے طریقے میں اختلاف ہے۔

آیئے پہلے مختلف مسلکوں میں اس کی حیثیت کا جائزہ لیتے ہیں۔ اس کے بعد اس کی ادائیگی کے طریقوں پر حکم الٰہی اور سنت رسولؐ کی روشنی میں جائزہ لیں گے۔ اس موضوع پر ہمارے معروضات تب ہی سمجھ میں آ سکتے ہیں جب آپ اس پورے باب کو بلا وقفہ ایک ہی مرتبہ میں پڑھیں۔

سلام اور ائمہ اربعہؒ :

نماز کے اختتام پر سلام کی حیثیت کے بارے میں امام ابوحنیفہؒ اور باقی ائمہ میں اختلاف ہے۔ امام شافعیؒ، امام حنبلؒ، امام مالکؒ اور مسلکِ اہل حدیث کے نزدیک سلام فرض اور نماز کا ایک رکن ہے۔ جبکہ امام ابوحنیفہؒ سلام کو فرض قرار نہیں دیتے۔ بلکہ نماز کے خلاف کوئی کام، خواہ کوئی امر وضو توڑنے والا ہی سرزد کر کے نماز سے نکلنا فرض جانتے ہیں۔ [1]

مزید تفصیل میں جانے سے پہلے مختصراً اس بات کا جائزہ لے لیں کہ ائمہ اربعہؒ کے نزدیک فرض اور رکن کے کیا معنیٰ ہیں۔

---

[1] کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ جلد اول۔ ص ۳۷۵ ، تفہیم البخاری پارہ ۴۔ ص ۲۰

فرض اور رُکن :

ائمہ اربعہ کے نزدیک بالاتفاق فرض اور رُکن کا مفہوم ایک ہی ہے۔ فرائضِ نماز سے مراد وہ اجزائے نماز ہیں۔ جن کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔ یعنی اگر ان اجزاء میں سے کسی جزو کو نکال دیا جائے، تو اس عمل کے بغیر نماز نہیں ہوگی۔ [۱]

سلام مختلف فقہوں میں :

مسلکِ حنفیہ : فقہ حنفیہ میں ''**السلام**'' کہنے سے، بغیر اس کے کہ ''**علیکم**'' کہا جائے، انسان نماز سے باہر آ جاتا ہے۔ لیکن (ترکِ سلام) گناہ ہے۔ اور نمازی کو چاہئے کہ نماز دوبارہ پڑھ لی جائے، اگر دوبارہ نہ پڑھی، تو اور گناہ ہوگا۔ [۲]

مسلکِ حنبلی : فقہ حنبلی کے مطابق دوبار ''**السلام علیکم و رحمة الله و برکاته**'' کے الفاظ کو، بعنیہ اسی ترتیب سے کہہ کر سلام پھیرنا فرض ہے۔ اگر ایسا نہ کیا تو نماز باطل ہو جائے گی۔ [۳]

مسلکِ شافعیہ : فقہ شافعی میں ''**السلام**'' کیلئے الفاظ کی یہ ترتیب فرض نہیں ہے۔ چنانچہ اگر ''**علیکم السلام**'' کہا، تو نماز کراہت کے ساتھ ادا ہوگی۔ [۴]

مسلکِ مالکی : فقہ مالکی کے مطابق نماز سے باہر آنے کیلئے ضروری ہے کہ لفظ ''**السلام علیکم** اسی ترتیب اور بعینہ اسی طرح کہا جائے۔ [۵]

یہاں تک ان تمام باتوں کو بیان کرنے کا مقصد مختلف فقہوں میں نماز میں سلام کی اہمیت کا جائزہ لینا تھا۔ اس جائزے سے جو باتیں واضح ہوئیں، وہ یہ ہیں کہ

---

[۱] تا [۵] کتاب الفقه علی المذاهب الاربعه جلد اول۔ ص۳۷۶ ، درالمختار ، فتح الباری وغیرہ

۱۔ فقہ شافعیہ، حنبلی، مالکی اور مسلکِ اہل حدیث کے نزدیک نماز کے اختتام یا نماز سے باہر آنے کیلئے سلام فرض ہے۔ اور نماز کے دیگر ارکان کی طرح ایک رکن ہے۔

۲۔ فقہ حنفیہ کے مطابق لفظ ''**السلام**'' ادا کرنا ضروری ہے۔ اور باقی مسالک کے مطابق کم از کم '' **السلام علیکم** '' پورا کہنا فرض ہے۔ اور نماز کے کسی فرض یا رکن کی ادائیگی کے بغیر نماز باطل ہو جائے گی۔

سوال پیدا ہوتا ہے؟۔

ان تمام نکات کا جائزہ لینے کے بعد سوال پیدا ہوتا ہے کہ نماز کے تمام فرائض اور ارکان قبلہ رخ ہو کر ادا کیئے جاتے ہیں۔ اور کوئی فرض یا رُکن ایسا نہیں جو قبلے کی جانب سے کسی دوسری جانب پھر کر ادا کیا جا سکے۔ تو کیا سلام جو نماز کا رُکن ہے، وہ قبلے سے چہرے کو دوسری جانب پھر کر ادا ہو سکتا ہے؟۔

جبکہ تمام مسالک کا اس پر اتفاق ہے کہ '' نماز پڑھنے میں قبلے کی جانب سے تحول ہو (رخ پھر جائے) تو نماز باطل ہو جائے گی''۔ [1]

سلام نماز کا رُکن (فرض) ہے اور نماز کا کوئی فرض یا رُکن جب تک مکمل ادا نہ کیا جائے تب تک نماز کامل نہیں ہوتی۔ اس فرض (سلام) کے الفاظ کی تکمیل سے پہلے اگر ہم اپنے چہرے کو دوسری جانب پھیر دیں تو کیا اس عمل سے نماز باطل نہیں ہو جائے گی؟۔

جبکہ ائمہ اربعہ اور اہل حدیث کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ''نماز ختم ہونے سے پہلے ہی قصداً سلام پھیر دینے سے نماز باطل ہو جاتی ہے''۔ [2]

آیئے اس سلسلے میں قرآن سے رجوع کرتے ہیں کہ اس میں حکم الٰہی کیا ہے؟۔

وَ مِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَ حَيْثُ مَا

---

[1] کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ جلد اول۔ ص ۴۸۸ (جامعہ الازہر مصر)

[2] کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ جلد اول۔ ص ۴۹۵ (جامعہ الازہر مصر)

كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ ......

اور (اے رسولؐ) آپؐ جہاں سے جائیں (حتیٰ کہ مکہ سے بھی) تو آپؐ (نماز میں) اپنا چہرہ مسجد الحرام کی جانب کرلیا کریں۔ اور (اے مسلمانو) تم بھی جہاں کہیں ہوا کرو (نماز میں) اپنا چہرہ اسی (کعبہ) کی جانب کرلیا کرو۔

سورۂ بقرہ ۲ آیت ۱۵۰

قُلْ اَمَرَ رَبِّیْ بِالْقِسْطِ ۔ وَ اَقِیْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّ ادْعُوْهُ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ ....

(اے رسولؐ) آپؐ کہہ دیں کہ میرے پروردگار نے تو انصاف کا حکم دیا ہے اور (فرمایا ہے) کہ ہر نماز کے وقت اپنے اپنے چہروں کو (قبلہ کی جانب) سیدھے کرلیا کرو اور اس کیلیئے نری کھری عبادت کر کے اسی سے دعا مانگو۔

سورۂ اعراف ۷ آیت ۲۹

مندرجہ بالا آیات مبارکہ میں ارشادِ ربُّ العزت ہے کہ نماز کی ادائیگی کے وقت اپنے "وجوهكم" چہروں کو قبلے کی جانب رکھو۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ حکم الٰہی نماز کے تمام ارکان کیلیئے ہے یا کوئی رُکن ایسا بھی ہے جو اس حکم سے خارج ہو؟ یعنی کیا نماز کا کوئی رُکن ایسا بھی ہے جس میں چہرے کو قبلے کی جانب سے پھیر کر ادا کیا جا سکے؟ ۔ مثلاً سجدہ نماز کا رُکن ہے اگر کوئی نمازی پوری نماز میں اپنا چہرہ قبلے کی جانب رکھے اور صرف دورانِ سجدہ اپنا چہرہ کسی دوسری جانب کرلے تو کیا اس کی نماز ہو جائیگی؟ ۔ تمام مسالک اس کی نماز کو باطل قرار دیں گے۔

فقہاء کی رائے اور حکم الٰہی :

☆ اس بارے میں مالکی کہتے ہیں کہ قبلے کی جانب سے رخ پھر جائے، تو نماز باطل نہیں ہوگی۔ جب تک کہ قدم کا رخ قبلے سے نہ مڑے۔ [1]

---

[1] کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ جلد اول۔ ص ۴۸۹ (جامعہ الازہر مصر)

- ☆ حنبلی کہتے ہیں کہ جب تک نماز پڑھنے والا بالکل ہی قبلے کی جانب سے نہ مڑ جائے نماز باطل نہیں ہوگی۔ [۱]
- ☆ حنفی کہتے ہیں اگر سینہ قبلے کی جانب سے ہٹ جائے، تو دیکھنا چاہئے کہ ایسا مجبوری سے ہوا تو نماز باطل نہ ہوگی۔ لیکن اگر نمازی نے اپنے اختیار سے کیا، تو نماز باطل ہوجائے گی۔ [۲]
- ☆ شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر کسی کا سینہ قبلے کی جانب سے مڑ گیا، تو نماز باطل ہوجائے گی۔ [۳]

فقہِ مالکی کے نزدیک قدموں کا قبلہ رُخ ہونا ضروری ہے۔ فقہِ حنبلی کے نزدیک پورے جسم کا قبلہ رُخ ہونا ضروری ہے۔ فقہِ حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک سینے کا قبلہ رُخ ہونا ضروری ہے۔ جبکہ قرآنِ مجید میں اللہ کے نزدیک چہرے کا قبلہ رُخ ہونا ضروری ہے۔ دو آیات مبارکہ کا ذکر ہم پہلے کر چکے۔ تیسری آیہ مبارکہ میں ارشادِ ربُّ العزت ہے۔

فَوَلِّ وَجۡهَكَ شَطۡرَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ ؕ وَ حَيۡثُ مَا كُنۡتُمۡ فَوَلُّوۡا
وُجُوۡهَكُمۡ شَطۡرَهٗ ؕ

(اے رسولؐ) آپؐ مسجدالحرام کی جانب چہرہ کرلیں، اور (اے مسلمانو)
تم جہاں کہیں ہو۔ اسی کی جانب اپنا اپنا چہرہ کرلیا کرو۔

سورہ بقرہ ۲ آیت ۱۴۴

اس آیہ مبارکہ میں بھی پچھلی آیات مبارکہ کی طرح نہ قدموں کا ذکر ہے اور نہ سینوں کا ذکر۔ بلکہ حکم الٰہی ہے کہ اپنے اپنے چہرے قبلہ رُخ کرلو۔ اب اس سلسلے میں لاکھ تاویلیں پیش کی جائیں۔ مگر قرآن کا حکم بڑا واضح اور جامع ہے کہ نماز کے کسی بھی رُکن کی ادائیگی کے دوران نمازی کا چہرہ جیسے ہی قبلے کی جانب سے پھرے گا۔ فوراً نماز باطل ہوجائے گی۔

---

[۱] تا [۳] کتاب الفقہ علی المذاھب الاربعہ جلد اول۔ ص ۴۸۹ (جامعۃ الازہر مصر)

اگر اس سلسلے میں احادیث و روایات سے استدلال لیا جائے، تو وہ اَزخود باطل ہوجائے گا۔ کیونکہ محدثین کے نزدیک جو حدیث قرآن سے ٹکرائے وہ باطل ہے۔ کیا کوئی مسلمان تصور کرسکتا ہے کہ رسولؐ اللہ نے حکم الٰہی کے خلاف کوئی عمل کیا ہو؟۔ اس بات کا تصور بھی کفر ہے۔ جب رسولؐ اللہ نے حکم الٰہی کے خلاف کوئی عمل نہیں کیا۔ تو یہ کیسے ممکن ہے کہ قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ نمازی کو قبلے کی جانب چہرہ کرکے نماز ادا کرنے کا حکم دے۔ اور رسولؐ اللہ نماز کے ایک رُکن (فرض) کی ادائیگی کے دوران اپنے چہرۂ مبارک کو قبلے سے پھیر لیں؟۔ ابتداء میں ہمارا ارادہ ان حدیثوں کا تفصیلی جائزہ (حال) پیش کرنے کا تھا۔ جو اس سلسلے میں مروی ہیں لیکن ہمیں کتاب کی ضخامت نے اس کی اجازت نہیں دی۔ کیونکہ ہماری پوری کوشش یہ رہی کہ کتاب کو جہاں تک ممکن ہوسکے ضخامت سے بچایا جائے۔

سلام اور ائمہ اہلِ بیتؑ :

ائمہ اہلِ بیتؑ کے مطابق سلام نماز کے دیگر ارکان کی طرح ایک رُکن ہے۔ دیگر ارکان کی طرح سلام بھی قبلہ رُخ ہوکر ادا کیا جائے گا۔ سلام کے الفاظ "**السلام علیك ایها النبی و رحمة الله برکاته**"۔ "**السلام علینا و علی عباد الله الصالحین**"۔ "**السلام علیکم و رحمة الله و برکاته**"۔

یہ تینوں سلام ایک ایک مرتبہ اسی ترتیب اور بعینہ انہی الفاظ سے ادا کیا جائے گا۔

قال لی ابو عبدالله علیه السلام : کلما ذکرت الله به و النبی ﷺ فهو من الصلاة و ان قلت: السلام علینا و علی عباد الله الصالحین فقد انصرفت۔

امام جعفر صادقؒ نے فرمایا: جب تم اللہ اور نبیؐ کا ذکر تشہد میں کرو۔ تو وہ نماز میں داخل ہے۔ اور جب کہو "**السلام علینا و علی عباد الله الصالحین**" تو یہ ختم نماز ہے۔ [۱]

---

[۱] علامہ یعقوب الکلینی کی فروع کافی جلد دوئم۔ ص ۱۰۳ طبع کراچی

تعقیباتِ نماز :

نماز کے اختتام کے فوری بعد رفع یدین کے ساتھ تین مرتبہ تکبیر کہے۔ یہ تعقیباتِ نماز ہے۔ اس کی موافقت میں کافی احادیث مختلف کتابوں میں مروی ہیں۔

حدثنا علی قال حدثنا سفیان قال حدثنا عمرہ قال اخبرنی ابو معبد مولی ابن عباس عن ابن عباس قال کنت اعرف انقضاء ضلوۃ النبی بالتکبیر۔

ابو معبد سے روایت ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: ہم نبی کریم ﷺ کی نماز کے ختم ہو جانے کو تکبیر (کی آواز) سے جان لیا کرتے تھے۔ [1]

یہ حدیث تردید ہے ان حدیثوں کی جن میں رسولؐ اللہ کا دورانِ نماز چہرہ پھیر کر سلام پھیرنے کا ذکر مروی ہے۔ کیونکہ اگر دورِ رسالتؐ میں سلام چہرے کو دائیں اور بائیں کر کے پھیرنے کا طریقہ ہوتا، تو حضرت عبداللہ ابن عباسؓ یہ نہ فرماتے کہ ”ہم (یعنی تمام صحابہؓ) نماز کے ختم ہو جانے کو تکبیر سے جان لیا کرتے تھے“۔

اب تک ہم نے فرض نمازوں کی ادائیگی کے بارے میں حکم الٰہی اور سنت رسولؐ اللہ کا جائزہ لیا۔ اور ان کے ساتھ ساتھ بعد کے زمانے میں ان میں کی جانے والی تبدیلیوں کا بھی جائزہ لیا۔ جس کے نتیجے میں نماز کے مختلف ارکان کے بارے میں اصل حکم الٰہی و رسولؐ اور ان کی تبدیل شدہ شکل ہم پر واضح ہوئی۔ یہ تحقیق ان دوستوں کیلئے ضرور آسانی کا باعث ہوگی جو اپنی اولین عبادت کو حکم الٰہی اور طریقہِ رسولؐ کے مطابق ڈھالنا چاہتے ہیں۔ جن کے نزدیک سب سے زیادہ

---

[1] صحیح بخاری جلد اول۔ ص ۳۹۰ کتاب **الصلوٰۃ**، باب **الذکر بعد الصلوٰۃ**۔ حدیث ۷۹۹ ، صحیح مسلم جلد ۲۔ ص ۱۴۳ کتاب **المساجد**، باب **السلام للتحلیل من الصلوٰۃ عندفرا عنها و کیفیته**۔ سنن ابوداؤد جلد اول۔ ص ۳۸۳۔ پارہ ۶ باب ۳۴۲۔ حدیث ۹۸۹ ، مشکوۃ شریف جلد دوئم۔ ص ۱۹ ، فتح الباری جلد اول۔ ص ۴۵۸ ، مستدرک الحاکم جلد اول۔ ۴۷۶ ، مسند حنبل جلد دوئم۔ ص ۳۹۸ ، کنز العمال جلد دوئم ، تفسیر ابن کثیر جلد اول۔ پارہ ۲۔ ص ۴۷ وغیرہ

اہمیت حکم الٰہی اور رسولؐ اللہ کے طریقے کے مطابق نماز کی ادائیگی ہے۔ تا کہ روزِ قیامت یہ اولین عبادت صرف اس وجہ سے رائیگاں نہ جائے کہ اس کی ادائیگی حکم الٰہی اور طریقہِ رسولؐ کے مطابق نہیں تھی۔ اور جو شخص اپنی نمازوں کو رسولؐ اللہ کی نماز کے مطابق ڈھالنے میں دلچسپی نہیں رکھتا اور ان باتوں کو اہمیت نہیں دیتا، تو وہ درحقیقت رسولؐ اللہ کو مبعوث کرنے میں جو مقصدِ الٰہی تھا، اس کا انکار کرتا ہے۔ کیونکہ پروردگارِ عالم کا ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کو مبعوث کرنے کا مقصد ہی ان کی اطاعت اور پیروی کرانا تھا۔

وَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَ لَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَ اسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ۝

اور ہم نے کوئی رسولؐ نہیں بھیجا مگر اس واسطے کہ اللہ کے حکم سے لوگ اس کی اطاعت کریں اور (اے رسولؐ) جب ان لوگوں نے (نافرمانی کر کے) اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا۔ اگر تمہارے پاس چلے آتے، اور اللہ سے معافی مانگتے اور رسولؐ (تم) بھی ان کی مغفرت چاہتے، تو بیشک وہ لوگ اللہ کو بڑا توبہ قبول کرنے والا مہربان پاتے۔

سورۃ النساء۴ آیت ۶۴

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

باب۔ ۱۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نمازِ قَصر

اب ہم حالتِ سفر میں انہی فرض نمازوں کے بارے میں حکم الٰہی اور ان نمازوں کی ادائیگی کے بارے میں سنت رسولؐ کا جائزہ لیتے ہیں۔ تاکہ بعد کے زمانے میں ان میں جو تبدیلیاں ہوئیں، ان کی نشاندہی ہو سکے۔ تاکہ اگر اس سلسلے میں ہم سے کوئی حکم الٰہی اور ان کی ادائیگی کے طریقے میں سنت رسولؐ کے خلاف کوئی غلطی سرزد ہو رہی ہے، تو اس کی اصلاح کر سکیں۔

قَصر کی تعریف: حالتِ سفر یا حالتِ خوف میں نماز کو مختصر (یعنی دو رکعت) کرنے کو قَصر کہتے ہیں۔

نمازِ قَصر اور حکم الٰہی :

وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ فَلَیْسَ عَلَیْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ ۖ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ یَّفْتِنَكُمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ۭ اِنَّ الْكٰفِرِیْنَ كَانُوْا لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِیْنًا ☆

جب تم روئے زمین پر سفر کرو تو تم پر نمازوں کے قصر کرنے میں کوئی حرج نہیں، اگر تمہیں خوف ہو کہ کافر تمہیں ستائیں گے۔ بیشک کافر تمہارے کھلے دشمن ہیں۔

سورۂ نساء۴ آیت ۱۰۱

مندرجہ بالا آیہ مبارکہ کے الفاظ " **لا جناح علیکم** "، ''اس میں کوئی حرج نہیں ہے''۔ کی وجہ سے اکثر لوگ اس غلط فہمی کا شکار ہو گئے کہ اللہ تعالیٰ نے نماز کو قصر کرنے کا

فیصلہ مسافر نمازی پر چھوڑ دیا ہے کہ چاہے حالتِ سفر میں نماز کو قصر کرے اور اگر چاہے تو پوری نماز ادا کرے۔ حالانکہ ان الفاظ سے یہ مطلب لینا درست نہیں ہے۔ اگر قرآن مجید کے ان الفاظ کو قرآن ہی کے ذریعے سمجھا جائے، تو بات واضح ہو جاتی ہے۔ کیونکہ اس سے قبل قرآنِ مجید میں سورہ بقر میں حج کا ذکر کرتے ہوئے ”صفاء و مروہ“ کے درمیان سعی کے ذکر میں بھی یہی الفاظ اللہ نے استعمال کئے ہیں۔

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللهِ ج فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا

بیشک صفاء اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔ پس جو شخص خانہ (کعبہ) کا حج یا عمرہ کرتے ہوئے ان دونوں کے (درمیان) طواف کرنے میں حرج نہیں۔

سورۂ بقرہ ۲ آیت ۱۵۸

[illegible] (ائمہ اربعہ بالاتفاق صفا اور مروہ کی سعی کو واجب قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ نماز قصر کی طرح یہاں بھی الفاظ ”فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا“، ”ان دونوں کے درمیان سعی کرنے میں کوئی حرج نہیں“۔ استعمال ہوئے ہیں۔ تو پھر ان الفاظ کی وجہ سے حالتِ سفر میں قصر نماز کے واجب ہونے سے کس طرح انکار کیا جا سکتا ہے؟۔

قرآن مجید میں حکم الٰہی کا جائزہ لینے کے بعد قصر نمازوں کے سلسلے میں سنت رسولؐ کا جائزہ لیتے ہیں کہ اس آیت مبارکہ کا مفہوم، جو رخصتی کا قائل علماء نے لیا ہے، کیا وہ سنت رسولؐ سے ثابت ہے؟ اگر ثابت ہے تو وہ دلیل جو ہم نے اس آیت کے ضمن میں دی وہ غلط ہوئی۔ اور اگر ثابت نہیں تو سنت رسول ﷺ کیا ہے؟ [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ جلد اول [illegible] فتح الباری، فتاویٰ عالمگیری، فتاویٰ کرخی، تفسیر ابن کثیر وغیرہ

یہ الفاظ صحیح بخاری کے ہیں۔

عون بن ابی جحیفہ نے اپنے والد کو فرماتے ہوئے سنا کہ نبی کریم ﷺ نے انھیں بطحاء میں نماز پڑھائی۔ آپؐ کے سامنے نیزہ تھا۔ ظہر کی دو رکعتیں اور عصر کی دو رکعتیں سامنے سے عورتیں اور گدھے گزر رہے تھے۔ [۱]

دوسری حدیث :

حدثنا ابو معمر قال حدثنا عبدالوارث قال حدثنی یحییٰ ابن ابی اسحاق سمعت انسا یقول خرجنا مع النبی ﷺ من المدینة الی مکة فکان یصلی رکعتین رکعتین حتی رجعنا الی المدینة قلت افمتم بمکة شیئا قال اقمنا بها عشرا۔

یحییٰ بن ابی اسحاق سے روایت ہے کہ میں نے حضرت انسؓ بن مالک کو فرماتے ہوئے سنا ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ کی طرف نکلے، تو آپؐ دو دو رکعتیں پڑھتے، یہاں تک کہ ہم مدینہ منورہ میں لوٹ آئے۔ میں (یحییٰ) نے کہا آپ ﷺ مکہ میں کچھ ٹھہرے؟۔ فرمایا کہ وہاں دس روز ٹھہرے۔ [۲]

تیسری حدیث : قیام مکہ میں قصر

رسالتمآب ﷺ نے ہجرت کے بعد اہل مکہ کے ساتھ پیش امام کی حیثیت سے چار رکعت والی نماز پڑھی۔ اور دو رکعتوں کے بعد سلام پڑھ کے نماز ختم کی۔ پھر لوگوں کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا'' **اتموا صلاتکم فاناقوم سفر**

---

[۱] صحیح بخاری جلد اول۔ ص۲۸۲ کتاب الصلوة۔ باب۳۳۱۔ حدیث۴۶۸ طبع لاہور

[۲] صحیح بخاری جلد اول۔ ص۴۶۴، ابواب تقصیر الصلوة۔ حدیث۱۰۱۶ ، صحیح مسلم جلد دوئم کتاب صلوة المسافرین۔ ص۲۱۶ ، جامع ترمذی جلد اول۔ ص۲۶۰، ابواب السفر۔ باب ماجآء فی کم تقصر الصلوٰة۔ حدیث۴۷۸ طبع کراچی

یعنی تم لوگ اپنی اپنی نمازیں پوری کرو۔ میں مسافر ہوں۔ [۱]

حالتِ خوف میں قصر؟۔

سورہ نساء کی جس آیہ مبارکہ میں نماز قصر کرنے کا ذکر ہے اس میں چونکہ کفار کی دشمنی کا بھی ذکر ہے۔ جس کے باعث لوگوں نے اپنے طور پر تصور کر لیا کہ اگر سفر میں مسافر خوف کی حالت سے دوچار ہو، تو نمازوں کو قصر کرے۔ ورنہ ضروری نہیں۔ اس کے متعلق مختلف مواقعوں پر لوگوں نے صحابہ کرامؓ سے دریافت کیا۔ جس کی صحابہ کرامؓ نے تردید کی۔

عن حارث بن وهب قال صليت مع رسول الله ﷺ بمنى امن ماكان الناس و اكثره ركعتين۔

حضرت حارث بن وھبؓ نے فرمایا: میں نے رسول ﷺ کے ساتھ منیٰ میں دو رکعتیں پڑھیں۔ حالانکہ لوگ اطمینان سے تھے۔ اور زیادہ تھے۔ (یعنی کوئی خوف نہ تھا)۔ [۲]

حضرت وھبؓ نے فرمایا: نبی کریم ﷺ نے حالتِ امن میں ہمیں منیٰ میں دو رکعتیں پڑھائیں۔ [۳]

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں: مکہ اور مدینہ کے درمیان ہم نے باوجود امن کے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ دو دو رکعتیں پڑھیں، ایک اور حدیث میں ہے کہ نبی کریمؐ مدینہ سے مکہ معظّمہ کی طرف چلے، سوائے خوفِ خدا کے کسی دشمن کا خوف نہیں تھا۔ اور آپؐ برابر دو رکعتیں ہی ادا فرماتے رہے۔ [۴]

---

[۱] کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ جلد اول۔ ص۷۶۰

[۲] صحیح مسلم جلد۲۔ ص۲۱۸ کتاب **صلوة المسافرين**۔ طبع لاہور

[۳] صحیح بخاری جلد اول۔ ص۴۶۴، **ابواب تقصير الصلوة** ۔حدیث ۱۰۱۸ طبع لاہور

[۴] جامع ترمذی جلد اول۔ ص۲۶۰، **ابواب السفر**، حدیث ۴۷۷ تفسیر ابن کثیر جلد اول پارہ پنجم۔ ص۹۰

علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں :

اس سلسلے میں علامہ ابن کثیر اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ ''پس یہ حدیثیں کھلم کھلا دلیل ہیں اس بات کی کہ سفر کی دو (۲) رکعتوں کیلئے خوف کا ہونا شرط نہیں''۔ [۱]

حالتِ سفر میں قصر نمازوں کے متعلق حکم الٰہی اور سنت رسولؐ کی چند حدیثیں یہاں بیان کرنے کا شرف حاصل کیا گیا۔ جن سے باخوبی اندازہ ہوجاتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حالتِ سفر میں ہمیشہ نمازوں کو قصر کیا۔ اس کی ادائیگی میں کسی قسم کا خوف وخطر یا اس حکم الٰہی میں رخصت کے عذر کی گنجائش پیدا نہیں ہونے دی۔ بلکہ آپ ﷺ نے ہمیشہ سفر میں بغیر کسی خوف کے یا کسی اور عذر کے نمازوں کو قصر پڑھا۔ اور رسولؐ اللہ کے ساتھ ساتھ تمام صحابہ کرامؓ نے بھی نمازوں کو قصر کیا۔ یہ سلسلہ دورِ رسالتؐ کے بعد بھی جاری رہا۔

خلافتِ راشدہ میں قصر نماز :

> یعلی بن امیہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عمر بن خطابؓ سے پوچھا کہ اللہ تو فرماتا ہے کہ اگر تم کو کافروں کا خوف ہو تو تم نماز میں قصر کرو تو کوئی حرج نہیں۔ لیکن اب تو لوگ امن میں ہیں۔ اور تم دیکھتے ہو کہ لوگ برابر (ہر سفر میں) قصر کیا کرتے ہیں؟۔ تو حضرت عمرؓ نے فرمایا: یہ اللہ نے تم (مسلمانوں) کو صدقہ دیا ہے، تو اس کا صدقہ قبول کرو۔ (یعنی بغیر خوف کے بھی سفر میں قصر کرو)۔ [۲]

دوسری حدیث :

> ابوحنظلہ حذاء نے حضرت عمر بن خطابؓ سے سفر کی نماز کو پوچھا تو آپ نے فرمایا: دو رکعتیں ہیں۔ ابوحنظلہ نے کہا: قرآن میں تو خوف کے وقت دو رکعتیں ہیں۔ اور

---

[۱] تفسیر ابن کثیر جلد اول۔ پارہ پنجم۔ ص۹۰ طبع کراچی

[۲] صحیح مسلم جلد دوئم کتاب **الصلوة المسافرین**۔ ص۲۱۳ ، سنن ابوداؤد۔ ص۴۴۹ کتاب **صلوة السفر**۔ حدیث ۱۱۸۵، کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ جلد اول۔ ص۷۵۹

اس وقت تو پوری طرح امن وامان ہے۔ تو آپ نے فرمایا: یہی سنت ہے رسول اللہ کی۔ [۱]

قصر نمازوں کے سلسلے میں حدیثیں اس قدر زیادہ ہیں کہ تمام حدیثوں کا ذکر کرنا یہاں ممکن نہیں۔ اختصار کے پیش نظر ہم نے چند حدیثیں پیش کی ہیں۔ تاکہ قصر نماز کی اہمیت اور سنت رسولؐ کا اندازہ ہو سکے۔

دورِ رسالتؐ کے بعد خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ اور ان کے بعد خلیفہ دوم حضرت عمر فاروقؓ کے دورِ خلافت میں حالتِ سفر میں بلا کسی خوف کے نمازوں کو قصر کیا جاتا رہا۔ یہ صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ کا متفقہ عمل تھا۔

متفقہ عمل متنازعہ کب بنا؟۔

اب ہم صحاح ستہ کی کتابوں اور خاص طور پر صحیح بخاری اور صحیح مسلم شریف کے حوالوں سے ان تاویلوں کا ذکر کرتے ہیں، جو حکم الٰہی اور اس کی واضح تفسیر، سنت رسولؐ کی موجودگی کے باوجود کی گئیں۔ اور جو عمل صحابہ کرامؓ وتابعین عظامؒ میں متفقہ تھا وہ متنازعہ بنا دیا گیا۔

یہ الفاظ صحیح بخاری کے ہیں۔

حدثنا مسدد قال حدثنا یحیٰی عن عبیدالله قال اخبرنی نافع عن عبدالله قال صلیت مع النبی صلعم بمنی رکعتین و ابی بکر و عمرمع عثمان صدر امن امارته ثم اتمها۔

نافع سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے فرمایا: میں نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ منیٰ میں دو رکعتیں پڑھیں اور حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ کے ساتھ اور حضرت عثمانؓ کے ابتدائی دورِ خلافت میں بھی۔ پھر وہ (حضرت عثمانؓ) پوری پڑھنے لگے۔ [۲]

---

[۱] تفسیر ابن کثیر جلد اول۔ پارہ پنجم۔ ص ۹۰ [۲] صحیح بخاری جلد اول۔ ص ۴۶۴، ابواب تقصیر الصلوۃ۔ باب ۶۹۵۔ حدیث ۱۰۱۷ ، صحیح مسلم جلد دوئم کتاب صلوۃ المسافرین۔ ص ۲۱۶

عن ابی نضرۃ قال سئل عمران بن حصین عن صلوۃ المسافرفقال حججت مع رسول اللہ ﷺ فصلی رکعتین و حججت مع ابی بکر فصلی رکعتین و مع عمر فصلی رکعتین و مع عثمان ست سنین من خلافتہ اوثمان سنین فصلی رکعتین۔ [1]

ابونضرہ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت عمران بن حصینؓ سے مسافر کی نماز کے متعلق پوچھاتو، فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حج کیاتو آپؐ نے دو رکعتیں پڑھیں اور میں نے حج کیا حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ تو دو رکعتیں پڑھیں۔ اور میں نے حج کیا حضرت عمرؓ کے ساتھ تو دو رکعتیں پڑھیں اور حضرت عثمانؓ کے ساتھ چھ (۶) برس یا آٹھ (۸) برس تک ان کی خلافت میں دو رکعتیں ہی پڑھیں۔ [1]

صحیح بخاری، صحیح مسلم اور جامع ترمذی کی مذکورہ حدیثوں کے مطابق قصر نمازوں کے سلسلے میں حکم الٰہی اور سنت رسول اللہ ﷺ کے مطابق حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں عمل ہوتا رہا۔ ان کے بعد حضرت عثمان غنیؓ کے ابتدائی دور میں بھی عمل ہوا۔ لیکن بعد میں حضرت عثمانؓ نے حالتِ سفر میں نمازوں کو قصر کرنا چھوڑ کر انہیں پورا پڑھنا شروع کر دیا۔

صحابہ کرامؓ کی موجودگی میں جب بھی کسی سنت رسول ﷺ کی خلاف ورزی کی گئی، تو صحابہؓ میں سے جس کو موقع ملا، انہوں نے اس کے خلاف احتجاج کیا۔ اور جہاں تک ممکن ہوا اس کی مخالفت کی۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ کے اس فعل کا ذکر جب حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے کیا گیا، تو آپؓ نے فرمایا:

حدثنی قتیبۃ قال حدثنا عبدالواحد بن زیاد عن الاعمش قال حدثنا ابراھیم قال سمعت عبدالرحمن بن یزید یقول صلی بناعثمان بن عفان بمنی اربع رکعات فقیل فی ذلک لعبد اللہ بن مسعود فاسترجع ثم قال صلیت مع رسول اللہ ﷺ بمنی رکعتین فلیت حظی من أربع رکعات رکعتان متقبلتان۔

---

[1] جامع ترمذی جلد اول۔ ص ۲۶۰، ابواب السفر باب التقصیر فی السفر۔ حدیث ۵۷۵ طبع کراچی

ابراہیم سے روایت ہے کہ میں نے عبدالرحمٰن کو فرماتے ہوئے سنا: حضرت عثمان بن عفانؓ نے ہمیں منیٰ میں چار رکعتیں پڑھائیں۔ یہ بات حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے کہی گئی، تو انہوں نے **انا للہ و انا الیہ راجعون** کہنے کے بعد فرمایا: میں نے رسولؐ اللہ کے ساتھ منیٰ میں دو رکعتیں پڑھیں۔ اور میں نے ابوبکرؓ کے ساتھ دو رکعتیں پڑھیں، اور میں نے عمرؓ کے ساتھ منیٰ میں دو رکعتیں پڑھیں۔ کاش (عثمان نے) ان چار سے بہتر تھا کہ دو ہی رکعتیں مقبول پڑھی ہوتیں۔ [۱]

امام یحییٰ بن سرف نووی شافعیؒ نے اس حدیث کی ذیل میں لکھا کہ ''حضرت ابن مسعودؓ کو رسول اللہ ﷺ سے حضرت عثمانؓ کی یہ مخالفت بری معلوم ہوئی''۔ [۲]

اہلِ حدیث عالم فرماتے ہیں:

اور ممتاز عالم علامہ وحید الزماں مندرجہ بالا حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

''اس روایت سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرامؓ، خلفائے راشدین کے فعل کو سنت نہیں سمجھتے تھے، ورنہ خلفاء کے فعل پر معترض نہ ہوتے۔ حالانکہ بکثرت صحابہ سے ایسے امور مذکور ہیں اور یہی امر صحیح ہے۔ اس لئے کہ افعال کا مسنون ہونا یہ خاصہ ہے رسولؐ اللہ کا اور وہ جو حدیث میں مذکور ہے ''**علیکم بسنتی و سنۃ الخلفاء الراشدین**''۔ یہاں سنت سے مراد رسولؐ اللہ کی سنت ہے۔ جس طرح خلفاء اس کے پابند رہے اسی طرح تم بھی پابند ہو۔ اس سے مراد یہ نہیں ہے کہ ان (خلفاء) کا فعل ہم پر سنت ہو جائے۔ ورنہ ایسے اُمور جو خلفائے راشدین سے ہوئے ہیں ان پر صحابہ کا اعتراض و انکار کچھ معنی نہیں رکھتا''۔ [۳]

---

[۱] صحیح بخاری جلد اول۔ ص ۲۶۴، ابواب **تقصیر الصلوۃ باب الصلوۃ بمنی**۔ حدیث ۱۰۱۹،
صحیح مسلم جلد دوئم کتاب **صلوۃ المسافرین**۔ ص ۲۱۷ طبع لاہور

[۲] و [۳] شرح صحیح مسلم امام نووی جلد دوئم۔ ص ۲۱۷ طبع لاہور

علامہ وحید الزماں کے مطابق، صحابہ کرامؓ، خلفائے راشدین کے فعل کو سنت نہیں سمجھتے تھے۔ اگر ان کے فعل کو سنت سمجھتے، تو کبھی اعتراض نہیں کرتے۔ تاریخ و احادیث کی کتابوں میں بکثرت ایسے واقعات ملتے ہیں جن میں صحابہ کرامؓ نے خلفاء کے فعل پر اعتراض کیا۔ صرف رسول اللہ کے عمل کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ وہ سنت ہے۔ جس کی پیروی ہر مسلمان کیلئے حجت ہے۔

حضرت عثمانؓ کے قصر نمازوں کو ترک کرنے کو اگر اجتہاد قرار دیا جائے، تو اجتہاد کی ضرورت وہاں پیش آتی ہے جہاں واضح سنت رسولؐ نہ ہو اور جن امور میں واضح سنت رسولؐ اور صحابہ کرام کا اجماع ہو۔ وہاں نہ تو اجتہاد کی ضرورت رہتی ہے اور نہ ہی تاویل کی۔

قصر نماز اور ائمہ اربعہؒ :

قصر نماز کے بارے میں ائمہ اربعہ کے درمیان اختلاف ہے۔ امام شافعیؒ اور امام حنبل کے نزدیک عالتِ سفر میں نمازیں پوری پڑھنا جائز ہیں۔ انہوں نے حضرت عثمانؓ کی تاویل کو سنت رسول ﷺ کے مقابلے میں زیادہ اہمیت دی اور اپنے فتوی کی بنیاد اس تاویل پر رکھی۔ جبکہ امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ کے مطابق مسافر کیلئے نمازوں کو قصر کرنے کا حکم ہے۔ البتہ ان دونوں ائمہ میں اس کی حیثیت کے بارے میں اختلاف ہے۔

فقہ حنفیہ : فقہ حنفیہ کے مطابق قصر کرنا واجب ہے۔ اور واجب کا درجہ حنفیہ کے نزدیک فرض سے کم اور سنت موکدہ کے برابر ہے۔ لہذا مسافر کیلئے پوری نماز کا پڑھنا مکروہ ہے۔ (پوری نماز پڑھنے میں) ترکِ واجب کا گناہ ہوگا۔ یعنی اگرچہ اس سے جہنم کا عذاب تو نہیں ہوگا، لیکن روز قیامت آنحضرت ﷺ کی شفاعت سے محرومی ہوگی۔ [1]

فقہ مالکی : فقہ مالکی کے نزدیک نماز کا قصر کرنا سنت موکدہ ہے۔ اور اس کی تاکید نماز با جماعت سے زیادہ ہے۔ اگر کوئی مسافر اسے ترک کرتا ہے۔ تو اس کے ثواب سے محروم رہتا ہے۔ [2]

غرض حنفیہ اور مالکیہ بالاتفاق نماز کے قصر کرنے کو سنت موکدہ قرار دیتے ہیں۔

---

[1] و [2] کتاب الفقہ علی المذاھب الاربعہ جلد اول۔ ص ۷۵۷ (الازہر)، درالمختار۔ ص ۳۶۳

فقہ حنفیہ میں قصر نماز کے واجب ہونے اور اس کے ترک کرنے پر روزِ قیامت شفاعتِ رسول ﷺ سے محروم ہونے کے باوجود ہم میں سے اکثر لوگ سفر میں نہ صرف یہ کہ روزہ رکھتے ہیں بلکہ نمازوں کو قصر کرنے کے بجائے ان کو پورا ادا کرتے ہیں۔ جس سے دانستہ یا غیر دانستہ اللہ کے صدقے اور سنت رسول ﷺ کو حقیر سمجھنے کے مرتکب ہوتے ہیں۔

قصر نماز اور ائمہ اہل بیتؓ :

ائمہ اہل بیت حالتِ سفر میں قصر فرض قرار دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک اگر حالتِ سفر میں نماز پوری پڑھی جائے، تو نماز باطل ہو جائے گی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کیا طریقہ اختیار کیا جائے؟۔

ہم نے اس کتاب میں نماز کے جن امور پر اپنی تحقیق آپ کی خدمت میں پیش کی۔ کیا وہ امور اتنی اہمیت کے حامل ہیں کہ جن پر توجہ دی جائے اور اپنی نمازوں میں ان امور کی اصلاح کی جائے؟۔ یا ان کو غیر اہم قرار دے کر نظر انداز کر دیا جائے؟۔ اگر ہم ان امور کو نظر انداز کر دیں، تو کیا ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ ہماری نماز بارگاہِ ربُّ العزت میں مستجاب ہو سکے گی؟۔ دنیا کا کوئی شخص بھی جو ذرا سی سمجھ بوجھ رکھتا ہے، وہ یہ خطرہ مول نہیں لے سکتا۔ اور کوئی کیسے کہہ سکتا ہے کہ ہم اپنی اس اولین عبادت میں (جس کی قبولیت پر باقی عبادات کی قبولیت بھی مشروط ہو) کے اتنے امور میں رسول اللہ ﷺ کے طریقہ نماز کے مخالف عمل بھی کریں اور ہماری نماز بارگاہِ ربُّ العزت میں قبولیت کا شرف بھی حاصل کرلے؟۔ کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ سنت رسولؐ سے مختلف نمازوں کو قبولیت بخش دے، تو رسولؐ اللہ کے مبعوث کرنے کا جو مقصد تھا کہ لوگ سنت رسول ﷺ کے مطابق عمل اختیار کریں۔ وہ مقصد فوت ہو جائے گا۔

وَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ الخ

اور ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا، مگر اس واسطے کہ اللہ کے حکم سے لوگ اس کی
اطاعت کریں۔۔۔۔۔ الخ

سورۂ نساء ۴ آیت ٦۴

کیونکہ اللہ تعالیٰ ہماری عبادات کا طلبگار نہیں، بلکہ ہماری آزمائش ہی اس میں ہے کہ کون اپنے اعمال و عبادات سنت رسول ﷺ کے مطابق اختیار کرتا ہے۔ اور کون اس سے سرکشی کرتا ہے؟۔

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَ يَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ
نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَ نُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ط وَ سَآءَتْ مَصِيْرًا ☆

اور جو شخص راہ راست کے ظاہر ہونے کے بعد رسولؐ سے سرکشی کرے۔ اور مومنین کے طریقے کے سوا کسی اور راہ پر چلے، تو جدھر وہ پھر گیا ہے ہم بھی ادھر ہی پھیر دیں گے۔ اور اسے جہنم میں جھونک دیں گے۔ اور وہ تو (بہت ہی) برا ٹھکانہ ہے۔

سورۂ نساء ۴ آیت ۱۱۵

اور قرآنِ مجید میں متعدد مقامات پر سنت رسول ﷺ سے مختلف طریقہ اختیار کرنے کو شیطان کی پیروی قرار دیا۔ اور سختی سے تاکید فرمائی

يَآ يُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ الخ

اے ایمان والو شیطان کے نقش قدم پر مت چلو۔ سورۂ النور ۲۴ آیت ۲۱

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ لَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ ☆

اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسولؐ کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال کو ضائع نہ کرو۔

سورۂ محمد ۴۷ آیت ۳۳

ان واضح قرآنی احکامات کے باوجود مسلکی تعصب کے حصار میں گرفتار مسلمانوں نے سنت رسول ﷺ کے بجائے یہود و نصاریٰ کی طرح اپنے مسلک کے علماء کی اندھی تقلید شروع کر دی۔ اور وہی عمل اختیار کیا جس کا حکم ان کے علماء نے صادر فرمایا۔ یہ لوگ اتنی سی بھی زحمت گوارہ نہیں کرتے کہ اس کی معمولی سی بھی تحقیق کر لیں۔ اس کے بجائے ان کے حکم یا فتویٰ پر آنکھیں بند کر کے عمل کرنا فرضِ عین تصور کر لیتے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس کی سختی سے مذمت فرمائی ہے۔

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ

ان لوگوں نے اپنے پروردگار کو چھوڑ کر اپنے عالموں کو اور زاہدوں کو

اپنا پروردگار بنا ڈالا ۔۔۔۔۔۔ سورۂ توبہ ۹ آیت ۳۱

جیسا کہ ہم نے اس آیہ مبارکہ کی تفسیر کتاب کے شروع کے صفحات میں بیان کی۔ کہ جب یہ آیہ مبارکہ صحابیِ رسول حضرت عدیؓ بن حاتم نے سنی، تو انہوں نے رسول اللہؐ سے کہا کہ

یہود و نصاریٰ نے کبھی اپنے علماء اور زاہدوں کی عبادت تو نہیں کی۔ رسولؐ اللہ نے فرمایا کیا انہوں نے اپنے علماء کی حرام کردہ چیزوں کو حرام اور حلال کردہ چیزوں کو حلال نہیں سمجھا؟۔ کیا ان کے فتووں پر عمل نہیں کیا؟۔ عدیؓ نے جواب دیا کہ ہم لوگوں نے ایسا ہی کیا۔ رسولؐ اللہ نے فرمایا یہی ان کی عبادت اور اللہ کو چھوڑ کر اپنے علماء کو پروردگار بنانا ہے۔ [۱]

صحابیِ رسول حضرت حذیفہ یمانیؓ اور حضرت عبداللہ ابن عباسؓ نے فرمایا کہ یہ حکم صرف اہل کتاب کیلئے نہیں بلکہ یہ حکم عام ہے۔ [۲] یعنی اس حکم کا اطلاق ہر شخص پر اتنا ہی ہے جو اپنے علماء کی اطاعت بلا سوچے سمجھے کرتا ہے۔ جتنا اہل کتاب پر ہوتا ہے

مسلکی تعصب میں جن لوگوں نے اپنے مسلک کے علماء کی اندھی تقلید کی۔ سورہ توبہ کی مذکورہ آیہ مبارکہ کی روح سے انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر علماء کو اپنا معبود بنایا اور اللہ کی عبادت چھوڑ کر ان ''معبودوں'' کی پرستش کی۔ ہم تقلید کے مخالف نہیں صرف اندھی تقلید کے مخالف ہیں۔

ہمارے لئے وہ ائمہ قابلِ احترام اور لائق تقلید ہیں۔ جن کا ہر قول و فعل سنت رسول ﷺ کے مطابق ہو، اور جن کی کم علمی کی سزا اُن کے مقلدین کو نہ بھگتنا پڑے۔ ہمارے نزدیک انسان کو کم از کم اتنا باشعور ضرور ہونا چاہئے کہ جہاں کم علمی کا خطرہ ہو۔ وہاں اندھی تقلید نہ کی جائے۔ کیونکہ سورہ توبہ کی مذکورہ آیہ مبارکہ کی روح سے اس صورت میں یہ تقلید شرک میں داخل ہو جاتی ہے۔ اور انسان غیر شعوری طور پر جس عبادت کو اللہ کی عبادت سمجھ کر کر رہا ہوتا ہے وہ دراصل اللہ کو چھوڑ کر ان ائمہ کو معبود بنا کر ان کی پرستش کرتا ہے۔ جن کے غلط فتووں پر وہ عمل پیرا ہوتا ہے۔ جبکہ روزِ قیامت یہی معبود اپنے پیروکاروں سے اپنا پیچھا چھڑا رہے ہوں گے۔ کیونکہ ان کی بخشش خود خطرے میں پڑی ہوگی۔

اِذْتَبَرَّاَ الَّذِیْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْا وَ رَاَوُا الْعَذَابَ وَ تَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ ☆ وَ قَالَ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا ۔ كَذٰلِكَ يُرِيْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَيْهِمْ ۔ وَ مَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ ☆

---

[۱] اور [۲] تفسیر ابن کثیر جلد دوئم۔ پارہ ۱۰۔ ص ۴۸ طبع کراچی

(وہ کیا سخت وقت ہوگا) جب پیشوا لوگ اپنے پیروکاروں سے اپنا پیچھا چھڑائیں گیا اور (بچشم خود) عذاب کو دیکھیں گے۔ اور ان کے باہمی تعلقات ٹوٹ جائیں گے۔ اور پیروکار کہنے لگیں گے کہ اگر ہمیں کہیں پھر دنیا میں پلٹنے کا موقعہ مل جائے، تو ہم بھی ان سے اسی طرح الگ ہو جائیں، جس طرح (عین وقت) پر ان لوگوں نے ہم کو چھوڑ دیا۔ یونہی اللہ ان کے اعمال کو دکھائے گا، جو انہیں حسرت و یاس دکھائی دیں گے۔ اور پھر بھلا کب وہ جہنم سے نکل سکیں گے؟۔

سورۂ بقرہ ۲ آیات ۱۶۶، ۱۶۷

عام غلط فہمی یہ ہے کہ جن کے فتوؤں پر عمل پیرا ہیں، اس کے ذمہ دار فتویٰ دینے والے ہیں۔ جبکہ مندرجہ بالا آیت میں واضح ذکر ہے کہ جہنم کا ایندھن پیشواؤں کے ساتھ ساتھ پیروکار بھی بنیں گے۔ اور اس کڑے وقت میں ذمہ داری لینے والا کوئی نہ ہوگا۔

ان تمام باتوں کا نہ صرف محدثین کو بخوبی اندازہ تھا کہ جنہوں نے مختلف طریقوں سے ضعیف حدیثوں کی نشاندہی کی تاکہ لوگ ان کی کتابوں میں موجود ضعیف حدیثوں سے استدلال قائم نہ کریں۔ اسی طرح فقہاء کو بھی علم تھا کہ کسی حدیث سے انہوں نے استدلال قائم کر کے فتویٰ دیا اور اگر وہ حدیث ضعیف ہوئی، تو اس فتویٰ کے نتیجے میں جتنے لوگوں نے عمل اختیار کیا ان تمام لوگوں کے عمل کا عذاب بھی ان کا مقدر بن جائے گا۔ اسی لئے فقہاء نے بار بار اپنے پیروکاروں کو تاکید کی کہ **کل ما قلت فكان عن النبي صلعم بخلاف قوليمما يصح محديث النبي صلعم اولىٰ و لا تقلدوني** ۔ یعنی میرے جس کسی قول کے خلاف کوئی صحیح حدیث مروی ہو، تو حدیث ہی افضل ہے خبردار میری تقلید نہ کرنا۔ یہ قول تقریباً ہر ائمہ مجتہدین و فقہاء کا ہے۔

ائمہ اربعہؒ کے اقوال :

امام مالکؒ کا قول : ”میں تو ایک انسان ہوں، غلطی بھی کرتا ہوں، میرے قول کو کتاب و سنت کی کسوٹی پر گھس کر دیکھ لیا کرو۔ اگر ان پر پورا اترے تو صحیح ورنہ میرے قول کو چھوڑ دو اور کتاب و سنت کو اختیار کرو“۔

امام ابو حنیفہؒ کا قول : "چھوڑ دو میرے قول کو حدیث کے سامنے، جب حدیث صحیح ہو تو وہی میرا مذہب ہے"۔

امام ابو حنیفہؒ کے شاگرد امام محمدؒ کا قول : "جب کوئی حدیث قول کے خلاف ملے، تو حدیث افضل ہے قول سے"۔

امام احمد بن حنبلؒ کا قول : "میں اس وقت سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں جب کوئی شخص میرا فیصلہ حدیث کے خلاف پائے اور حدیث کو چھوڑ کر میرے فیصلے پر کاربند رہے"۔

امام شافعیؒ کا قول : "جب میرے قول کے خلاف کوئی صحیح حدیث پاؤ، تو میرے قول کو دیوار پر مار دو"۔ (اعلام الموقعین جلد اول)

علامہ ابن کثیر اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ "ائمہ ارام میں سے ہر ایک نے یہی فرمایا کہ ان کے اقوال کو دین نہ سمجھا جائے"۔ [1]

جامعہ الازہر کے عالم فرماتے ہیں :

اس سلسلے میں مصر کی جامعہ الازہر کے استاد محمد محمد ابوزھو اپنی کتاب میں تحریر فرماتے ہیں

"کتاب وسنت اور اجماع سے ثابت ہو چکا کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں پر اپنی اور رسول اکرمؐ کی اطاعت فرض ٹھہرائی ہے، اور کسی امتی کی اطاعت کو فرض قرار نہیں دیا"۔

"صحابہ وتابعین اور ان کے بعد آنے والے ائمہ اسی ضابطہ پر عمل پیرا رہے وہ پیش آنے والے مسائل کا حل کتاب وسنت سے تلاش کرتے تھے۔ اگر کتاب وسنت میں ان کا حل نہ ملتا، تو اجتہاد سے کام لیتے اور ساتھ ہی اس بات کا اعتراف کرتے کہ ان کا اجتہاد درست بھی ہو سکتا ہے، اور غلط بھی۔ اگرچہ مجتہد کا ظن غالب ہوتا ہے کہ اس کا اجتہاد **اقرب الی الصواب** ہے۔ ائمہ مجتہد کا طرز عمل یہ تھا کہ جب ان کے اجتہاد کے خلاف انہیں کوئی

---

[1] تفسیر ابن کثیر جلد اول پارہ ۲۔ ص ١١٨ طبع کراچی

امام ابوحنیفہؒ کا قول : ”چھوڑ دو میرے قول کو حدیث کے سامنے، جب حدیث صحیح ہو تو وہی میرا مذہب ہے“۔

امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد امام محمدؒ کا قول : ”جب کوئی حدیث قول کے خلاف ملے، تو حدیث افضل ہے قول سے“۔

امام احمد بن حنبلؒ کا قول : ”میں اس وقت سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں جب کوئی شخص میرا فیصلہ حدیث کے خلاف پائے اور حدیث کو چھوڑ کر میرے فیصلے پر کاربند رہے“۔

امام شافعیؒ کا قول : ”جب میرے قول کے خلاف کوئی صحیح حدیث پاؤ، تو میرے قول کو دیوار پر مار دو“۔ (اعلام الموقعین جلد اول)

علامہ ابن کثیر اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ ”ائمہ کرام میں سے ہر ایک نے یہی فرمایا کہ ان ے اقوال کو دین نہ سمجھا جائے“۔ [1]

جامعہ الازہر کے عالم فرماتے ہیں :

اس سلسلے میں مصر کی جامعہ الازہر کے استاد محمد محمد ابوزھو اپنی کتاب میں تحریر فرماتے ہیں:

”کتاب وسنت اور اجماع سے ثابت ہو چکا کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں پر اپنی اور رسول اکرمؐ کی اطاعت فرض ٹھہرائی ہے، اور کسی امتی کی اطاعت کو فرض قرار نہیں دیا“۔

”صحابہ و تابعین اور ان کے بعد آنے والے ائمہ اسی ضابطہ پر عمل پیرا رہے وہ پیش آنے والے مسائل کا حل کتاب وسنت سے تلاش کرتے تھے۔ اگر کتاب وسنت میں ان کا حل نہ ملتا، تو اجتہاد سے کام لیتے اور ساتھ ہی اس بات کا اعتراف کرتے کہ ان کا اجتہاد درست بھی ہو سکتا ہے، اور غلط بھی۔ اگرچہ مجتہد کا ظن غالب ہوتا ہے کہ اس کا اجتہاد **اقرب الی الصواب** ہے۔ ائمہ مجتہد کا طرز عمل یہ تھا کہ جب ان کے اجتہاد کے خلاف انہیں کوئی

---

[1] تفسیر ابن کثیر جلد اول پارہ ٢۔ ص ١١٨ طبع کراچی

حدیث مل جاتی، تو اس کی طرف رجوع کرتے اور اجتہاد کو چھوڑ دیتے۔ اکثر ائمہ سے یہ قول منقول ہے کہ ”ہر شخص کی (صحیح) بات کو مانا جاسکتا ہے اور غلط بات کو رد کیا جاسکتا ہے مگر رسول اللہ کی ہر بات واجب التسلیم ہے“۔

مزید لکھتے ہیں کہ ” حیرت تو اس بات پر ہے کہ ائمہ مجتہدین کے ان تاکیدی احکامات کے باوجود ہم اکثر علمائے مقلدین کو دیکھتے ہیں کہ جب اپنے مذہب کے خلاف کوئی حدیث پاتے ہیں اور اس کا جواب نہیں دے سکتے، تو اپنے فقہی مذہب پر عمل کرتے ہیں اور حدیث کو چھوڑ دیتے ہیں۔ پھر طرح طرح کے حیلے بہانے تراشتے ہیں۔ اور اپنے فقہی مسلک کو ثابت کرنے کیلئے مختلف قسم کے وجوہ ترجیح نکالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور اگر یہ بھی نہیں کرسکتے تو بلا دلیل حدیث کے منسوخ ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ یا اس کو مخصوص اور متروک العمل قرار دیتے ہیں۔ اور جب یہ بھی ممکن نہ ہو، تو وہ کہتے ہیں کہ ہمارا امام تمام احادیث کا علم رکھتا ہے۔ اس لئے اس نے اس حدیث کو یونہی ترک نہیں کیا اس حدیث کے متروک العمل ہونے کی کچھ وجہ ضرور ہوگی“۔ [1]

بکثرت علماء و مجتہدین نے مقلدین کی اس ستم ظریفی پر نقد و جرح کی ہے کہ وہ صحیح حدیث و احکاماتِ قرآنی کے خلاف ہونے کے باوجود اپنے امام کے فقہی اقوال پر عمل کرتے ہیں۔

علامہ عبدالحق محدث دہلویؒ :

علامہ عبدالحق محدث دہلویؒ اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ مشہور عالم اور محدث امام عز بن عبدالسلامؒ فرماتے ہیں۔

”یہ کتنی حیرت انگیز بات ہے کہ فقہاء مقلدین یہ جانتے ہوئے کہ ان کے امام کا موقف کمزور ہے اور اس کا دفاع ممکن نہیں۔ مگر وہ اس مسئلہ میں بھی امام کی تقلید کرتے ہیں۔ اور کتاب و سنت کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ پھر اسی پر بس نہیں، وہ نصوصِ کتاب و سنت کو رد کر دیتے ہیں۔ اور اپنے امام کا دفاع کرنے کیلئے باطل اور بعید از کار تاویلات کا سہارا لیتے

---

[1] علامہ ابوزھو کی تاریخ الحدیث والمحدثین۔ ص ۱۵ طبع لاہور

ہیں۔ ادوارِ سلف (قدیم دور) میں کسی خاص فقہی مسلک کی پیروی نہیں کی جاتی تھی۔ جو کوئی عالم مل جاتا اس سے مسئلہ دریافت کرلیا جاتا۔ یہاں تک کہ فقہی گروہ پیدا ہوئے اور متعصب مقلدین آ نمودار ہوئے۔ اب ان کی حالت یہ ہے کہ امام کا مذہب اگرچہ کسی دلیل پر مبنی نہ ہو۔ تاہم وہ اسی کی پیروی کرتے ہیں۔ گویا وہ رسول و نبی ہیں جس پر آسمانی وحی اتر رہی ہے۔ یہ بات حق وصواب سے بعید ہے اور گمراہی کے قریب تر اور کوئی دانشمند آدمی اس کا ارتکاب نہیں کرسکتا"۔ [۱]

امام ذہبیؒ فرماتے ہیں

امام ابوعبداللہ محمد ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ "کتنا تعجب ہے اس عالم پر جو یہ جانتے ہوئے بھی کہ رسول اللہ ﷺ سے منقول صریح احادیث اس کے امام کے مذہب کے خلاف ہیں، پھر بھی دین کی ہر بات میں وہ معیّن امام کی تقلید فرض سمجھتا ہے"۔ [۲]

جب ائمہ فقہاء نے واضح الفاظ میں یہ اعلان کردیا کہ ان کے اقوال کو دین نہ سمجھا جائے تو اب ہم پر فرض ہے کہ دینی معاملات میں عموماً اور عبادات میں خصوصاً اندھی تقلید اختیار نہ کریں۔

وَ مَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَ اَضَلُّ سَبِيْلًا ۝

اور جو شخص اس دنیا میں (جان بوجھ کر) اندھا بنا رہا۔ تو وہ آخرت میں
بھی اندھا ہی رہے گا۔ اور (نجات کے) رستہ سے بہت دور بھٹکا ہوا۔

سورۂ بنی اسرائیل ۱۷ آیت ۷۲

اگر اندھی تقلید کے ضمن میں وقت کی تنگی کا عذر پیش کیا جائے تو یہ عذر بہت زیادہ معقول عذر نہیں ہوگا۔ کیونکہ آج انسان اتنا باشعور ہو گیا ہے کہ دنیاوی ضروریات کیلئے کوئی چیز خریدتے وقت اس کی خواہش ہوتی ہے کہ جہاں تک ممکن ہوسکے، زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کر کے اس چیز کو خریدے۔ جبکہ یہ چیز ہمیشہ ہمیشہ چلنے والی نہیں۔ اس چیز کی ناپائیداری کے باوجود انسان اپنے

---

[۱] حجۃ اللہ البالغہ جلد اول۔ ص ۱۵۵

[۲] امام ذہبیؒ کی تذکرۃ الحفاظ جلد اول۔ ص ۳۷

قیمتی وقت میں سے کچھ نہ کچھ وقت نکال لیتا ہے۔ اور اس کے برخلاف جس چیز پر اس کی ہمیشہ ہمیشہ کی (آخروی) زندگی کا دارومدار ہے اس کیلئے وقت کا عذر پیش کر کے ذمہ داری کسی اور کے سپرد کر دی جائے، یہ اپنے ساتھ بہت بڑا دھوکہ ہے۔ جس کو خود فریبی کہتے ہیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ ہم جس کام کیلئے وقت نکالنا چاہیں، تو اس کیلئے وقت نکال ہی لیتے ہیں۔

اس کیلئے ہمارے نزدیک آسان اور بہترین ترکیب یہ ہے کہ جہاں کسی مسئلہ پر مختلف مسلکوں میں اختلاف نظر آئے، تو مسلکی تعصب سے بالاتر ہو کر اس پر توجہ دیں۔ اور اس بارے میں اپنے مسلک سمیت دیگر تمام مسالک کی بھی معلومات اکٹھی کریں، کیونکہ ان میں سے ایک ضرور حکم الٰہی اور سنت رسول ﷺ پر عمل پیرا ہوگا۔

حدیث نبوی ﷺ ہے

> میری اُمت میں تہتر (۷۳) فرقے پیدا ہو جائیں گے، جن میں سے
> بہتر (۷۲) فرقے جہنمی ہوں گے، اور ایک جنتی ہوگا۔۔۔الخ۔ [۱]

جب تمام مسالک کی معلومات اکٹھی ہو جائیں گی، تو حقیقت بھی سامنے آ جائے گی۔ اور جب حقیقت سامنے آ جائے تو اس پر عمل کرنے کا فیصلہ کر لیں، چاہے کوئی کچھ ہی کیوں نہ کہے۔ کیونکہ ہمیں حکم الٰہی اور سنت رسولؐ سے غرض رکھنی چاہیئے کسی اور سے نہیں۔ ابھی ہمارے پاس کچھ وقت ہے کیوں نہ اس مہلت سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے اپنی اس اولین عبادت (نماز) کو حکم الٰہی اور سنت رسولؐ کے مطابق ڈھال لیا جائے۔ کیونکہ حق کے متلاشیوں کا یہی طریقہ ہے۔

سورۂ حشر میں ارشادِ ربُّ العزت ہے

> وَ مَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۗ وَ مَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ
> اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ☆

> اور رسولؐ جو کچھ تمہیں دیں وہ لے لو، اور جس سے منع کریں اس سے باز رہو۔
> اللہ سے ڈرتے رہو، بیشک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔

---

[۱] سنن ابوداؤد جلد ۳۔ ص۔ ۴۴۸ کتاب السنة، باب فی شرح السنة ۳۸۷ حدیث ۱۱۷۳ طبع لاہور

وَ مَنْ یُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُ الْهُدٰی وَ یَتَّبِعْ غَیْرَ سَبِیْلِ
الْمُؤْمِنِیْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰی وَ نُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ط وَسَآءَتْ مَصِیْرًا ☆

اور جو شخص راہ راست کے ظاہر ہونے کے بعد رسولؐ سے سرکشی کرے، اور مومنین کے طریقے کے سوا کسی اور راہ پر چلے، تو جدھر وہ پھر گیا ہے۔ ہم بھی اُدھر ہی پھیر دیں گے۔ اور اسے جہنم میں جھونک دیں گے۔ اور وہ تو (بہت ہی) برا ٹھکانہ ہے۔

سورۂ نساء۴ آیت۱۱۵

شاہ ولی اللہؒ تحریر فرماتے ہیں :

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اپنی کتاب میں اپنے والد کے متعلق لکھتے ہیں کہ " وہ (شاہ عبدالرحیم) اکثر مسائل فروعیہ میں مذہب حنفی کے موافق تھے۔ لیکن جب کسی مسئلے میں حدیث سے مذہب حنفی کے سوا کسی اور مذہب کی ترجیح اور قوت ظاہر ہوتی، تو اس صورت میں حنفی مذہب کا مسئلہ چھوڑ دیتے"۔ [1]

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو زندگی کے ہر مرحلے پر تحقیق و جستجو کی تاکید فرمائی ہے۔ یہی تحقیق و جستجو ایک مومن کیلئے جہاد کا درجہ رکھتی ہے۔ اور صراطِ مستقیم تک پہنچنے کا ذریعہ ثابت ہو سکتی ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ابْتَغُوْۤا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ وَ جَاهِدُوْا فِیْ سَبِیْلِهٖ
لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ☆

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور اس کے تقرب کے وسیلے کی جستجو کرتے رہو۔ اور اس کی راہ میں جہاد کرو، تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔

سورۂ مائدہ ۵ آیت ۳۵

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

---

[1] شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی انفاس العارفین۔ ص ۱۵۷ ، غیث الغمام۔ ص ۱۷۴

نماز کا احمد مجتبیٰؐ سے تعلق

اگر آپ نماز کی ترتیب پر غور فرمائیں تو ایک خوبصورت توجیہ ہمارے سامنے آتی ہے۔ دل چاہتا ہے کہ اس کو آپ کے بھی گوش گذار کریں، شاید آپ بھی محسوس کریں۔

اللہ نے تمام انبیاء پر نازل کئے جانے والے صحیفوں اور کتابوں میں ہمارے نبی کا ذکر جس نام سے کیا وہ نام تھا ''احمد''، اور ہر نبی کو یہ تاکید فرمائی کہ وہ اپنی اپنی اُمتوں کو احمد کی آمد کی نہ صرف پیشگوئی کریں بلکہ ان کے انتظار کی بھی تاکید کریں۔ یہ ہی وجہ ہے کہ یہود و نصاریٰ نہ صرف آپؐ کی آمد کے منتظر تھے بلکہ وہ اپنی کتابوں میں درج معلومات کے ذریعے آپؐ میں پائی جانے والی نشانیوں اور خصوصات سے اچھی طرح واقف تھے۔ جس کی طرف قرآن مجید اشارہ فرماتا ہے۔

وَ اِذْ قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَ مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْ بَعْدِی اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ ؕ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ ۞

اور (یاد کرو) جب مریم کے بیٹے عیسیٰ نے کہا اے بنی اسرائیل میں تمہارے پاس اللہ کا بھیجا ہوا آیا ہوں، اور جو کتاب توریت میرے سامنے موجود ہے، اسکی تصدیق کرتا ہوں اور ایک پیغمبر جن کا نام احمد ہوگا، میرے بعد آئیں گے، ان کی خوش خبری سناتا ہوں تو جب وہ (احمد) ان کے پاس واضح و روشن معجزے لیکر آئے تو (بنی اسرائیل) کہنے لگے یہ تو کھلا ہوا جادو ہے۔ سورۂ الصف ۶۱ آیت ۶

تاریخ میں بہت ہی مثالیں ملتی ہیں کہ یہود و نصاریٰ کے علماء نے آپؐ کو بچپن میں ہی پہچان لیا تھا، مثلاً جب آپؐ اپنے چچا حضرت ابوطالبؓ کے ساتھ شام کے سفر پر گئے تو ایک عالم نے آپؐ کو دیکھ کر آخری نبی کی حیثیت سے پہچان لیا، (جامع ترمذی) اسی طرح جب آپؐ پر پہلی وحی نازل ہوئی تو اُم المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے رشتہ دار ورقہ بن نوفل نے آپؐ کی فوراً تصدیق کی۔

تمام سابق الہامی کتب میں آپ ؐ کا تعارف احمدؐ کے نام سے کرایا گیا تھا، جسے علمائے یہود و نصاریٰ عوام الناس سے چھپاتے تھے۔

اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ یَعْرِفُوْنَهٗ کَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَ ھُمْ وَ اِنَّ فَرِیْقًا مِّنْھُمْ لَیَکْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَ ھُمْ یَعْلَمُوْنَ☆۔

جن لوگوں کو ہم نے کتاب (توریت وغیرہ) دی ہے وہ جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں، اسی طرح (احمدؐ) پیغمبر کو بھی پہچانتے ہیں، اور ان میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو دیدہ و دانستہ حق بات کو چھپاتے ہیں۔ سورۂ بقرہ۲ آیت ۱۴۶

ہماری طرح تمام اُمتوں پر نماز فرض کی گئی ہے۔ لیکن ان نمازوں میں رکوع نہیں تھا، رکوع صرف اُمت محمدی میں فرض کیا گیا۔ اب آپ نماز کے ارکان پر غور فرمائیں، پورا لفظ احمد بنتا ہے۔

ا : جب نمازی قیام کی حالت میں کھڑا ہوتا ہے تو'' ا '' کی مانند ہوتا ہے۔

ح : جب نمازی رکوع میں جاتا ہے تو'' ح '' کی مانند ہوتا ہے۔

م : جب نمازی سجدے میں جاتا ہے تو'' م '' کی مانند ہوتا ہے۔

د : جب نمازی سجدے کے بعد بیٹھتا ہے تو'' د '' کی مانند ہوتا ہے۔

نماز کی یہ ترتیب سابقہ کتابوں میں مذکور آخری نبی ''احمدؐ'' کی طرف نشاندہی تھی یا کوئی اور حکمت؟، لیکن یہ بات طے ہے کہ یہ ترتیب اللہ کی اپنے رسول احمد مجتبیٰ ﷺ سے شدید محبت کا اظہار ضرور ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

نماز کی ترتیب

کتاب کے اختتام پر ہم ان احباب کے انتہائی مشکور ہیں جنہوں نے اس بات کی نشاندہی فرمائی کہ آپ نے اپنی تحقیق تو پیش کردی، لیکن عام قاری اگر اس تحقیق کے نتیجے میں اپنی نماز کی اصلاح کرنا چاہے تو کس طرح کرے؟ ان کے مطابق کتاب کے آخر میں نماز کی ترتیب کا ذکر کرنا ضروری تھا تاکہ عام قاری کو آسانی ہو سکے۔ انکی یہ نشاندہی اور تجویز معقول تھی۔

اگر آپ غور فرمائیں تو آپ کو یاد ہوگا کہ ہم نے پچھلے صفحات پر سنن ابوداؤد اور ترمذی کے حوالے سے ایک صحابی حضرت ابی حمیدؓ کی روایت نقل کی تھی، جو انہوں نے دیگر دس صحابہ کی موجودگی میں بیان فرمائی، اس میں رسول اللہؐ کی نماز کا پورا طریقہ بیان فرمایا، اور جس کی تصدیق محفل میں موجود تمام صحابہ کرامؓ نے فرمائی۔ یہ حدیث علماء کے نزدیک ”ایک اصولی تفصیلی بیان کی حیثیت رکھتی ہے“۔ اس میں رسول اللہؐ کی نماز کی تمام تفصیل موجود ہے۔ لیکن اب ہم یہاں آسانی کیلئے احادیث کی روشنی میں نماز کے تمام اُمور کا ترتیب وار ذکر کر رہے ہیں، ہر عمل کے بعد بریکٹ میں جو صفحہ نمبر (ص۔۔) تحریر کریں گے وہ اسی کتاب کا صفحہ نمبر ہے، تاکہ اس عمل کے متعلق آپ متعلقہ صفحے پر دلیل دیکھ سکیں، تاکہ آپ کو پورا اطمینانِ قلب حاصل ہو سکے گا، اور آپ پورے یقین اور دلیل سے اپنی نماز سنت رسولؐ کے مطابق ادا کر سکیں گے۔

رسول اللہ ﷺ کا طریقہ نماز

نماز کا آغاز تکبیر تحریمہ سے ہوتا ہے، اس کیلئے دونوں ہاتھ کانوں تک اُٹھائیں پھر باآواز بلند اللہ اکبر کہیں، آواز اتنی بلند ہونی چاہئے کہ آپ کے برابر کھڑا شخص سن سکے۔ اس کے بعد آپ دونوں ہاتھوں کو فطری حالت میں چھوڑ دیں، یہاں تک کہ تمام ہڈیاں اپنے مقام پر آجائیں (ص۔۱۵۳ و ۱۶۰) اور اگر مزید احتیاط مقصود ہو تو دونوں ہاتھوں کو اپنی رانوں پر رکھ لیں، ہاتھوں کی انگلیاں کھولی ہوئی نہ ہوں۔ اس کے بعد بسم اللہ کے ساتھ سورۂ فاتحہ کی قرأت کریں، جو فرض ہے۔

اس کے بعد اپنی پسند کے کسی دوسرے سورے کی بسم اللہ کے ساتھ قرأت کریں (ص۔۱۷۴)۔ پھر رفع یدین کے ساتھ تکبیر کہیں، اس کے بعد پہلی رکعت میں رکوع میں جائیں۔ جس میں آپکی پشت (کمر) اتنی سیدھی ہو کہ اگر پانی کا قطرہ ڈالا جائے تو پشت ہموار ہونے کی وجہ سے ڈھلک نہ سکے، جن افراد کیلئے یہ ممکن نہ ہو تو جہاں تک ممکن ہوسکے اپنی پشت کو سیدھا رکھیں، آپ کے ہاتھ گھٹنوں پر جمے ہوئے ہوں، اور آپکی نظریں دونوں پیروں کے درمیان ہوں۔ پھر ''سبحان ربی العظیم وبحمدہٖ'' کہیں۔ پھر ''سمع اللہ لمن حمدہ'' کہتے ہوئے کھڑے ہوجائیں۔ یہاں تک کہ آپکی تمام ہڈیاں اعتدال سے اپنی جگہ آجائیں (ص۔۱۵۳) اس کے بعد کم از کم شانوں تک ہاتھ اُٹھا کر اللہ اکبر کہیں، اس کے بعد سجدے میں جاتے ہوئے پہلے اپنے دونوں ہاتھوں کو زمین پر رکھیں اس کے بعد اپنے گھٹنوں کو زمین پر رکھیں (ص۔۲۱۸) پھر اپنی پیشانی مٹی پر رکھیں (ص۔۲۳۳) اس دوران جسم کا کوئی حصہ سوائے سات ہڈیوں یعنی دونوں ہتھیلیاں، دونوں گھٹنے، دونوں پیروں کے پنجے یا کم از کم انگوٹھے اور پیشانی، کے کوئی زمین پر نہ ہو، یہ فرض ہے۔ سجدے میں کم از کم تین مرتبہ ''سبحان ربی الاعلیٰ وبحمدہ'' کہیں۔ پھر بیٹھ جائیں اور شانوں تک ہاتھ اُٹھا کر اللہ اکبر کہیں۔ بیٹھے ہوئے جب آپکی ہڈیاں اپنے مقام پر آجائیں تو ''اسفغراللّٰہ ربی وآتوب الیہ'' کہیں۔ پھر رفع یدین کے ساتھ اللہ اکبر کہہ کر دوسرے سجدے میں جائیں۔ دونوں سجدوں کے بعد کچھ دیر بیٹھیں (ص۔۲۳۹) اس کے بعد پھر اپنے ہاتھوں کا سہارا لیکر کھڑے ہوں، پہلے گھٹنوں کو زمین سے اُٹھائیں اس کے بعد ہاتھوں کو۔ (ص۔۲۳۹) اور کھڑے ہوتے ہوئے ''بحول اللّٰہ و قوۃ اقوم واقعد'' کہیں۔ (ص۔۲۴۱) پھر کھڑے ہوکر جب تمام ہڈیاں اپنی جگہ پر آجائیں، تو بسم اللہ کے ساتھ قرآت کا آغاز کریں۔

ہر دوسری رکعت میں جب قرأت سے فارغ ہوجائیں تو رفع یدین کے ساتھ اللہ اکبر کہہ کر قنوت پڑھیں۔ (ص۔۱۹۹) وہ اس طرح کہ اپنے دونوں ہاتھ دُعا مانگنے کے انداز میں چہرے کے مدمقابل بلند کریں اور دونوں ہتھیلیاں ملا کر آسمان کی طرف رکھیں، انگوٹھے کے علاوہ باقی انگلیاں ملی ہوئی ہوں اور نمازی کی نگائیں ہتھیلیوں پر رہیں۔ اس کے بعد قرآن میں موجود مختلف انبیاء کی دُعاؤں میں سے جو مناسب سمجھیں پڑھیں، دُعا کے بعد دُرود پڑھیں۔ اس کے بعد رفع

یدین کے ساتھ تکبیر کہہ کر رکوع میں جائیں۔ اور یوں سنت رسولؐ اللہ کے مطابق اپنی نماز ادا کریں۔

اگر ممکن ہو تو اپنی نمازوں کی دُعاؤں میں ہمیں بھی یاد رکھیں۔ اللہ آپ کی نمازوں کو مستجاب فرمائے۔ آمین یا رحمت العالمین۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆